الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الشفا

اردو

2

الإمام قاضی عیاض مالکی

رحمہ اللہ تعالی المتوفی ۵۴۴ھ

MUSTAFAWI
PUBLISHING

الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الشفا

اردو

2

الامام قاضی عیاض مالکی

رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۴۴ھ

MUSTAFAWI
PUBLISHING

تفصیلات

نــــــــــام: شفاشریف (جلد دوم)

مصــــــــنف: ابوالفضل قاضی عیاض مالکی اندلسی رحمہ اللہ

متــــــرجم: حضرت سید مفتی غلام معین الدین نعیمی

ســنہ اشــاعت: ۱۴۴۵ھ (بمطابق ۲۰۲۴ء)

صــــــفحات: ۴۸۵

ایڈشــــــن: پہلا ایڈیشن

MUSTAFAWI PUBLISHING

All rights reserved.

Copyright © 2024 Mustafawi Publishing

الشفا

بتعريف حقوق المصطفى ﷺ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

فہرست

قسم دوم

حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟ 11

پہلا باب

پہلی فصل 17

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع 17

دوسری فصل 22

وجوب اتباع و تعمیل سنت کا کتاب و سنت سے ثبوت 22

تیسری فصل 29

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب 29

چوتھی فصل 34

سنت کی مخالفت موجب عذاب آخرت ہے 34

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے 37

پہلی فصل 39
آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر و ثواب 39
دوسری فصل 42
آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوال سلف 42
تیسری فصل 46
حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت 46
چوتھی فصل 53
محبت کے معنی اور اس کی حقیقت 53
پانچویں فصل 57
حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے 57

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب 61
پہلی فصل 67
تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت 67
دوسری فصل 71
بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب 71
تیسری فصل 75

روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ 75
چوتھی فصل 79
اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم و توقیر 79
پانچویں فصل 86
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم 86
چھٹی فصل 92
آثار و مقامات متبرکہ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم 92

چھوتھا باب

درود و سلام کی فرضیت و فضیلت 98
پہلی فصل 101
درود شریف کی فرضیت 101
دوسری فصل 105
وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے 105
تیسری فصل 111
درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات 111
چوتھی فصل 117
درود و سلام کی فضیلت 117

پانچویں فصل 121
درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ 121
چھٹی فصل 124
حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے 124
ساتویں فصل 127
غیر نبی اور تمام انبیا علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ 127
آٹھویں فصل 132
قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت 132
نویں فصل 140
مسجد نبوی شریف کی فضیلت و آداب 140

قسم سوم

وہ امور جو آپ ﷺ پر جائز یا ممتنع ہیں اور احوال بشریہ کا بیان 148

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام 152
پہلی فصل 153
حضور ﷺ کی دلی پختگی 153
انقطاع وحی (وحی کا نہ آنا) 164

دوسری فصل 175
قبل اظہار نبوت انبیا علیہم السلام کی عصمت 175
تیسری فصل 185
انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے 185
چوتھی فصل 190
حضور ﷺ اثر شیطان اور ہر شر و فساد پر معصوم تھے 190
پانچویں فصل 198
حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت 198
چھٹی فصل 201
معترضین کے جوابات 201
ساتویں فصل 217
دنیاوی امور میں صدق مقال اور احوال بشریہ 217
آٹھویں فصل 221
سہو حدیث 221
نویں فصل 229
حضور ﷺ کے اعضاء و جوارح کی عصمت 229
دسویں فصل 235
قبل اظہار نبوت کی عصمت 235

گیارہویں فصل 239
وہ افعال و اعمال جو بلا قصد و ارادہ صادر ہوئے 239
بارہویں فصل 242
سہوی احادیث پر مکمل بحث 242
تیرہویں فصل 249
انبیاء کرام علیہ السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں 249
چودہویں فصل 275
دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام 275
پندرہویں فصل 281
حقوق نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنبیہات 281
سولہویں فصل 284
عصمت ملائکہ 284

دوسرا باب

انبیا علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق 290
عوارض بشریہ 290
پہلی فصل 294
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا اثر 294

دوسری فصل 298

دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت 298

تیسری فصل 301

بشری احکام و معتقدات 301

چوتھی فصل 304

حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال 304

پانچویں فصل 311

بیان حدیث قرطاس (وصیت) 311

چھٹی فصل 316

کلمات بددعا کی توجیہات 316

ساتویں فصل 322

آپ ﷺ کے دنیاوی افعال 322

آٹھویں فصل 330

حکمت ابتلاء انبیاء ورسل علیہم السلام 330

قسم چہارم

وجوہات تنقیص وتوہین اور اس کے احکام شرعیہ 340

موہن وشاتم کا حکم قتل 340

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص و توہین ہوتی ہے 345
پہلی فصل 352
دلائل وجوب قتل 352
دوسری فصل 361
بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت 361
تیسری فصل 370
بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم 370
چوتھی فصل 373
ارشادات نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم 373
پانچویں فصل 376
مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم 376
چھٹی فصل 381
امثال سے گالی دینے کا حاکم 381
ساتویں فصل 388
بطور حکایت نقل کفر کا حکم 388
آٹھویں فصل 393
امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم 393

نویں فصل 399
خطباء وواعظین کو تنبیہات 399

دوسرا باب

حضور ﷺ پر سب وشتم تنقیص واہانت کرنے والے کی عقوبت ووراثت کا حکم 402
پہلی فصل 407
مدت وکیفیت توبہ 407
دوسری فصل 411
نامکمل یا عدم شہادت پر حکم 411
تیسری فصل 414
ذمی سے گالی کے صدور کا حکم 414
چوتھی فصل 422
گستاخ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل ونماز جنازہ کا حکم 422

تیسرا باب

پہلی فصل 426
شان الٰہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم 426
دوسری فصل 430
متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول 430

تیسری فصل 437
چوتھی فصل 453
جو ذمی ہو کر اللہ عزوجل کو گالی دے اس کا حکم 453
پانچویں فصل 455
مفتری اور کذاب کا حکم 455
چھٹی فصل 458
بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟ 458
ساتویں فصل 462
انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم 462
آٹھویں فصل 466
تحقیر و استخفاف قرآن کا حکم 466
نویں فصل 470
اہل بیت نبوی، آل پاک، ازواج مطہرات اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو گالی دینے کا حکم 470
تمت بالخیر 479

قسم دوم

حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ اللہ عزوجل انھیں توفیق مرحمت فرمائے، کہتے ہیں کہ اس حصہ (دوم) کو ہم نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے، جیسا کہ شروع کتاب میں اس کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے، ان تمام ابواب کا حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی تصدیق کا وجوب اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع وفرمانبرداری اور آپ ﷺ کی محبت و خیر خواہی اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم اور آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی لازم ہے اور وہ کہ آپ ﷺ پر درود شریف (صلوۃ وسلام) پڑھنا اور آپ ﷺ کی قبر انور (روضہ مقدسہ، گنبد خضراء) کی زیارت (ہر مسلمان پر) واجب ضروری ہے۔

پہلا باب

یہ کہ حضور سید عالم ﷺ پر ایمان لانا فرض اور آپ ﷺ کی اطاعت اور سنت کا اتباع واجب ہے، جبکہ ہم (حصہ اول میں) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کا ثبوت اور آپ ﷺ کی رسالت کی صحت ثابت کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو (شریعت) آپ ﷺ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا واجب ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ؕ﴾

تو ایمان لاؤ اللہ اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔ (التغابن:۸)

اور فرمایا:

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا﴾

بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ (الفتح:۸)

اور فرمایا:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر۔

تو اب نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا (ہر بندے پر) فرض عین ہے اور یہ جب ہی کامل ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور اسلام اس وقت تک صحیح ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان کامل نہ ہو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا﴾

اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (الفتح:۱۳)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال (جہاد) کروں جب تک کہ وہ گواہی نہ دیں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مجھ پر اس طرح ایمان لائیں کہ جو کچھ میں لایا ہوں اس کی

تصدیق کریں، جس وقت انھوں نے ایسا کرلیا اس وقت انھوں نے مجھ سے اپنا جان و مال بچا لیا سوائے ان حقوق کے جن کا حساب و کتاب اللہ عزوجل پر ہے۔

(بخاری کتاب الزکوۃ ج ۲ ص ۹۱، مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۳، ۵۲، ۵۱)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمہ اللہ، اللہ عزوجل انھیں توفیق دے، فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی یہ تصدیق کرے کہ یہ آپ ﷺ کو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور یہ کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے۔

تصدیق قلبی کے مطابق اس کی زبان سے شہادت ہو کہ آپ ﷺ بلا شبہ اللہ عزوجل کے رسول ﷺ ہیں جس وقت دل کے ساتھ تصدیق اور زبان کے ساتھ اس کی شہادت جمع ہو گئی تب اس کا ایمان مکمل ہو گا اور تصدیق درست ہو گی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک وہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت نہ دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱، مسلم ج ۱ ص ۵۳)

اور حدیث جبریل علیہ السلام میں اس سے زیادہ وضاحت ہے جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) شہادت دے کہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا۔

پھر جبرئیل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں پر ایمان لائے۔ (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایمان محتاج ہے کہ دل میں اس کی مضبوط گرہ بٹھائی جائے اور اسلام سے ہے

کہ زبان سے اس کی شہادت دی جائے، تکمیل وصحت ایمان کے لیے بھی حالت محمود و مختار ہے لیکن یہ حالت نہایت مذموم اور بری ہے کہ زبان سے تو شہادت دے اور دل اس کی تصدیق سے خالی ہو، اس کا نام نفاق ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (منافقون:۱)

یعنی یہ منافقین زبان سے اس کی تصدیق و اعتقاد کے اظہار میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ (دل سے) اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب ان کے دلوں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو ان کی زبانوں پر ہے کہ دل اس پر ایمان لانے سے عاری ہیں تو ان کا یہ زبانی اقرار کچھ نفع نہ دے گا، لہذا ایمان کی تعریف سے یہ خارج ہیں، ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں کہ انھیں مومن کہا جائے، جب وہ مومنین کے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا شمول جہنم کے نچلے درجہ میں کافروں کے ساتھ ہوگا، البتہ دنیا میں زبان سے اقرار کی وجہ سے ان کے اسلام کا حکم دیا جائے گا یہ بھی صرف دنیاوی معاملات کی حد تک جو امام و حاکم سے متعلق ہے کہ امام و حاکم صرف ان کی ظاہری حالت پر حکم دینے کا مجاز رکھتے ہیں جس طرح پر بھی اسلام کی علامتوں کا ظاہری طور پر ان سے اظہار ہو، کیونکہ انسان کو دل کے بھیدوں پر اختیار نہیں اور نہ انھیں ان سے بحث کی اجازت دی گئی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ضمیروں اور ان کے بھیدوں پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی

مذمت فرمائی ہے اور فرمایا: هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ: کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہے؟
(صحیح بخاری کتاب المغازی، صحیح مسلم کتاب الایمان ج اص ۹۴ دلائل النبوہ للبیہقی ج اصفحہ ۲۹۸)

زبانی اقرار اور دل سے اعتقاد کا فرق حدیث جبرئیل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ شہادت یعنی زبانی اقرار اسلام ہے تصدیق یعنی دل سے اس کا اعتقاد ایمان ہے، اب دو ایسی حالتیں اور باقی رہ گئیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

ایک تو یہ کہ دل سے تصدیق کرے پھر وہ قبل اس کے کہ زبانی شہادت دینے کے لیے اس کو وسیع وقت ملے فوت ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے، بعض نے تو ایمان کامل کے لیے قول و شہادت کو شرط مانا ہے اور بعض نے ایسے شخص کو مومن و مستحق جنت خیال کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو گا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج اص ۱۷۲)

آپ ﷺ نے دل کی بات کے سوا کچھ مزید ذکر نہ فرمایا، ایسا شخص دل کا مومن ہے جو کہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ اس کے غیر (یعنی زبانی شہادت) کے ترک پر قصور وار ہے، اس لحاظ سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ دل سے تصدیق کرے اور اس کو مہلت بھی ملے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی شہادت (زبانی اقرار) بھی ضروری ہے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور نہ اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی اس کی شہادت دی، تو اس صورت میں بھی علماء کا اختلاف ہے، ایک روایت کے بموجب وہ مومن ہے کیونکہ وہ (دل سے) مصدق و معتقد ہے اور (زبانی) شہادت اعمال کے قبیل سے ہے لہذا وہ ترک شہادت (زبانی) کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور دائمی جہنم کا سزاوار نہ ہو گا۔

اور دوسری روایت کے بموجب وہ مومن نہیں ہو گا جب تک زبانی اقرار و شہادت، تصدیق قلبی کے ساتھ متّصل و مقارن نہ ہو اس لیے شہادت و اقرار زبانی انشاء عقد اور التزام ایمان (یعنی ظاہری

حالت کو باطن کے اعتقاد کے مطابق بنانے) کا نام ہے اور وہ عقد یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ مربوط ہے اور تصدیق اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ مہلت وسعت ہوتے ہوئے شہادت کا اظہار نہ کرے، یہی قول صحیح ہے۔ (یہی صاحب کتاب قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مذہب ہے)

یہ مختصر وضاحت کلام کافی ہے جو اسلام و ایمان اور ان دونوں کے ابواب اور دونوں کی زیادتی و کمی کی وسعت وطوالت تک بھی لے جاتا ہے اور کیا مجرد تصدیق پر تجزی تقسیم ممتنع و محال ہے کہ اس میں اجمال واختصار صحیح نہ ہو حالانکہ عمل میں وہ اس سے زیادہ ہی کی طرف راجع ہے یا اس میں اس کی قوت و یقین میں، اس کی صفات میں اختلاف اور اس کے حالات میں تباین اور اعتقاد میں پختگی اور معرفت میں وضاحت کسی حالت کا دوام اور حضور قلب وغیرہ پیش آجاتے ہیں میرا ایک وسیع کلام ہے جو کہ مقصد وغرض تالیف سے باہر ہے اور جس قدر کہ ہم نے ذکر کر دیا وہ ہمارے مقصد کے لیے ازبس کافی ہے، انشاءاللہ عزوجل۔

پہلی فصل

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع

حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا لازم و واجب ہونا (اس طرح پر ہے کہ) جب آپ ﷺ پر ایمان لاتا اور جو کچھ آپ (شریعت اسلامیہ) لائے اس کی تصدیق کرنا واجب ہو گیا تو آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انھیں چیزوں میں سے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ (النساء:۵۹)

اور ارشاد ہوا کہ:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾

تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ (آل عمران:۳۲)

اور فرمایا:

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ۔ (آل عمران:۱۳۲)

اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾

اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے۔ (النور: ۵۴)

اور فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (النسا: ۸۰)

اور فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (الحشر: ۷)

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ ﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا۔ (النسا: ۶۹)

اور فرمایا علیہ السلام:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (النسا: ۶۴)

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ) اللہ عزوجل نے اپنے رسول (سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ شامل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر بڑے عذاب سے ڈرایا ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کو بجالانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ممانعت سے اجتناب کرنا اور بچنا فرض مفسرین کرام اور ائمہ عظام رحمہم اللہ

فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کو لازم پکڑا جائے اور جو کچھ آپ احکام (امر و نواہی) لائے ہیں اس کے لیے سر تسلیم خم کیا جائے۔

فقہاء کرام رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر رسول علیہ السلام کو اس لیے بھیجتا ہے اس کی اطاعت اور جو کچھ اس کی طرف بھیجا جائے وہ سب امت پر فرض بن جائے۔

مفسرین رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول کی اس کی سنت میں فرمانبرداری کی اس نے اللہ عزوجل کی فرائض میں سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے شرائع اسلام کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کچھ رسول ﷺ دیں اس کو لازم پکڑ لو۔

(فقیہہ ابواللیث) سمرقندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اللہ عزوجل کی اطاعت سے اس کے فرائض اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کے سنت کی بجا آوری مراد لی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اس چیز میں جس کو تم پر اس نے حرام کیا ہے اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اس میں جس کی انھوں نے تبلیغ و دعوت دی اور یہ بھی مروی ہے کہ اطیعوا اللہ سے مراد اللہ عزوجل کی ربوبیت کی شہادت اور نبی کی (اطاعت سے مراد) اس کی رسالت و نبوت کی شہادت اطاعت کی۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ اس نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر (قائم مقام) کی اطاعت کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد ج ۴ ص ۴۰، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ج ۳ ص ۱۴۲۶) لہذا (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی اطاعت اللہ

عزوجل کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، پس آپ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے ذریعہ علم دیا ہے اس کو بجالایا جائے، یہی اللہ عزوجل کی اطاعت ہے۔

اللہ عزوجل نے کفار کا وہ مقولہ نقل فرمایا ہے جبکہ طبقات جہنم میں ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا اس وقت کفار کہیں گے: ﴿يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔ (احزاب:٦٦)

پس کفار ایسے وقت میں آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا کریں گے جب کہ ان کی یہ تمنا کوئی نفع نہیں پہنچائے گی، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ "جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے باز رہو اور جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو اس کو حد استطاعت تک بجالاؤ"۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ج۹ ص۷۷ صحیح مسلم کتاب الحج ج۲ ص۹۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کا ہر ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: وہ کون انکار کرنے والا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے بیشک اس نے میرا انکار کیا۔

دوسری صحیح حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میری مثال اور اس چیز کی (مثال) جس کے ساتھ اللہ عزوجل نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے، میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں نجات کی تلاش کرو، اس پر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی راتوں رات مہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور نجات پا گئے اور

دوسرے گروہ نے جھٹلایا، انھوں نے اپنے گھروں میں صبح کی تو صبح کے وقت ان پر لشکر نے چھاپا مارا اور ان کو ہلاک و تباہ کر دیا۔

اسی طرح یہ مثال ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا اس کا اتباع کیا (وہ نجات پا گیا) اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں لایا ہوں اس کی حقانیت کی تکذیب کی تو وہ تباہ و ہلاک ہوا۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ج۹ ص۸۶)

دوسری حدیث میں اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جیسے کسی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ضیافت کے عمدہ کھانے تیار کیے اور ایک پکارنے والے (داعی) کو بھیجا جو داعی کی پکار کو قبول کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اس نے عمدہ سامان ضیافت کو کھایا جس اور جس نے داعی کی آواز پر کان نہ دھرا تو نہ وہ گھر میں داخل ہو گا اور نہ عمدہ ماکولات و مشروبات ضیافت سے کچھ کھا سکے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ج۹ ص۸۶)

(سنو) وہ گھر جنت ہے اور داعی سید عالم ﷺ ہیں، پس جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشہ اس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی دعوت پر کان نہ دھرے اور نافرمانی کی وہی اللہ عزوجل کا نافرمان ہے کیونکہ حضور ﷺ کی ذات اقدس لوگوں میں (حق و باطل) کی تفریق کرنے والی ہے۔

دوسری فصل

وجوب اتباع و تعمیل سنت کا کتاب و سنت سے ثبوت

لیکن آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سنت بجالانے اور آپ ﷺ کی ہدایت کی اقتداء کرنے کے وجوب میں (دلائل یہ ہیں) کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ﴾

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (آل عمران:۳۱)

اور فرمایا:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (الاعراف:۱۵۸)

اور فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

﴿فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں۔ (النساء:۶۵)

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں (یونہی) کہا جاتا ہے کہ ﷺ یعنی سپرد کیا، اِسْتَسْلَمَ سپردگی چاہی اور اَسْلَمَ اطاعت و انقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (الممتحنۃ:۶)

جو بیشک تمہارے لیے ان میں اچھی پیروی تھی، اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو۔

محمد بن علی ترمذی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اسوہ رسول ﷺ یہ ہے کہ ان کی اقتداء اور ان کی سنت کی پیروی کی جائے اور ان کی مخالفت خواہ قولی ہو یا فعلی اس کو ترک کر دیا جائے، بکثرت مفسرین یہی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے والے (متخلفین) پر عتاب ہے۔

آیہ کریمہ صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں سہل علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے، پس اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت کے اتباع پر وعدہ فرمایا کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ﴾

اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ (الفتح:۲۸)

تا کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو پاک کریں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمادیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا وعدہ کیا اور جب آپ ﷺ کی وہ اتباع کریں تو

ان کی مغفرت کا مژدہ دیا اور مسلمان اپنی خواہشوں پر اور ان پر بھی جن کی طرف ان کے دل مائل ہوں (آپ کا اتباع کریں گے) بلاشبہ مسلمانوں کے ایمان کی صحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقیاد و اطاعت پر اور اس کی رضا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی متابعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم اللہ عزوجل کو محبوب رکھتے ہیں، اس وقت اللہ عزوجل نے نازل فرمایا کہ: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**: اے محبوب! تم فرمادو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو۔ (آل عمران: ۳۱)

(تفسیر در منثور سورہ آل عمران آیت ۳۲ ج ۲ ص ۱۷۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، انھوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ عزوجل کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ عزوجل کے بڑے چاہنے والے ہیں، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

زجاج علیہ الرحمہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ عزوجل کو چاہتے ہو یعنی اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہو تو جو وہ حکم دیتا ہے اس کو کرو، اس لیے کہ بندے کا اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعوی کرنا یہی ہے کہ وہ دونوں کی فرمانبرداری اور پیروی کرے اور اللہ عزوجل کی رضا اسی میں ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے یا یہ کہ اللہ عزوجل کی محبت مسلمانوں کے لیے ہو، سو یہ ان کی بخشش اور ان پر انعام واکرام اپنی رحمت وکرم سے ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کی طرف سے محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو (معاصی سے) بچائے اور توفیق (عبادت کی) دے اور بندوں کی محبت اللہ عزوجل سے یہ ہے کہ اس کی پیروی واطاعت کرے، جیسا کہ کسی نے کہا کہ

تَعْصِی الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ   هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

یعنی تو اللہ عزوجل کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا دعوی کرتا ہے، یہ بات میری زندگی میں، قیاس میں انوکھی ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَا طَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی ضرور اطاعت کرتا، بیشک محب جس سے محبت کرے اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کی محبت اللہ عزوجل سے یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی عظمت و تکریم کرے اور اس سے خوفزدہ رہے اور اللہ عزوجل کی محبت بندے سے یہ ہے کہ اس کی رحمت اس پر ہو اور اس کا ارادہ بھلائی سے ہو اور بھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اللہ عزوجل بندے کی تعریف و توصیف کرے۔

قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پس جبکہ محبت کے معنی رحمت، ارادت اور تعریف و مدح کے ہوں تو یہ ذات کی صفات میں شامل ہو گیا اور عنقریب بعد میں بندے کی محبت کے ذکر میں اللہ عزوجل کی مدد سے ان کے علاوہ باتیں آئیں گی۔

حدیث: عرباض بن سارے یہ سے موعظہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بالا سناد مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةُ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ

میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو۔ (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۱۳، سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۵۰-۱۵۱، مستدرک کتاب العلم ج ۱ ص ۹۵-۹۷)

(دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ ہر محدث بدعت (سئیہ) ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی

ہے، اس حدیث کے ہم معنی جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے ہر بدعت (سئیہ) گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ ج ۲ ص ۵۹۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے غیبی خبر ارشاد فرمائی کہ خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپاہج ہوگا) کہ اس کے پاس میرا حکم آئے جس کو میں نے حکم کیا ہو یا اس سے باز رہنے کا حکم کیا ہو اس پر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم نے کتاب اللہ عزوجل میں نہیں پایا کہ ہم اس کا اتباع کریں۔

(سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۱۲، سنن ترمذی کتاب العلم ج ۲ ص ۱۴۴، مقدمہ ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۷)

نوٹ: یہ فرمان نبوت حضور ﷺ کا ایک غیبی معجزہ ہے، جو ہو بہو ایسا ہی واقعہ ہوا کہ قریب ایام میں ایک منکر حجیت حدیث عبداللہ چکڑالوی پیدا ہوا جو اپاہج اور تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا، وہ ایسا ہی کچھ کہتا تھا، اللھم احفظنا (مترجم)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا کہ اس میں رخصت تھی تو اس سے باز رہنے کی بابت (یعنی نہ کرنے پر) ایک قوم نے پوچھا، جب یہ بات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچی تو آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کی حمد کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ جس کام کو میں نے کیا ہے اس سے باز رہے ہیں، اللہ عزوجل کی قسم! مجھے ان کی نسبت اللہ عزوجل کی زیادہ معرفت ہے اور مجھے اللہ عزوجل کا بہت خوف (خشیت) ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۱۸۲۹)

حضور سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے اور وہ مشکل میں پڑ جاتا ہے جو اس سے کراہت کرتا ہے، حالانکہ وہ حکم (فیصلہ) کرنے والا ہے پس جو شخص میری حدیث

سے حجت پکڑے اور اس کو سمجھے اور یاد رکھے تو وہ (بروز حشر) قرآن کے ساتھ اٹھے گا اور جو شخص قرآن اور میری حدیث کے ساتھ سستی و اہانت کرے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہے۔

میں اپنی امت (مستجاب) کو حکم دیتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں کو (حجت جان کر) مضبوط تھامے اور میرے حکم کی اطاعت کرے اور میری سنت کا اتباع کرے پس جو میرے قول (حدیث) سے راضی ہے بیشک وہ قرآن سے راضی ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ اور جو کچھ تمھیں رسول عطاء فرمائیں وہ لو۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اقتداء کی پس وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے روگردانی کی پس وہ مجھ سے نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱، صفحہ ۲۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بیشک عمدہ کلام کتاب اللہ عزوجل ہے اور بہترین ہدایت (سید عالم) محمد (مصطفی ﷺ) کی ہے، برے کام وہ ہیں جو (دین میں نئی باتیں ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ ج ۱ ص ۵۹۲، مقدمہ ابن ماجہ، صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں جو اس کے سوا باقی ہے وہ زیادتی ہے: (۱) آیہ محکمہ یا (۲) سنت قائمہ یا (۳) فریضہ عادلہ (یعنی فقہ وقیاس وغیرہ) (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۰۲، مقدمہ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۱)

حسن بن ابی الحسن علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت (سیئہ) میں زیادہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱، ص ۲۹۱، مسند الفردوس ج ۳، ص ۴۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ: بیشک اللہ عزوجل بندے کو سنت پر عمل کرنے پر جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں میری سنت پر (سختی سے) عمل کرنے والے کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۸۲)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ چکے ہیں اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں، صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کیا کہ وہ (ناجی) فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ ہے آج جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان ج ۴، ص ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔

(الحدیث الاصبھانی فی الترغیب کمانی مناہل الصفا للسیوطی، ص ۱۷۸)

حضرت عمرو بن عوف مزنی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال ابن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو اسے زندہ کیا تو اس کا اجر ان کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو (دین میں کوئی) نئی بات گمراہی کی نکالے کہ جس سے اللہ عزوجل اور اس کا رسول (ﷺ) راضی نہ ہو تو اس کا عذاب ان لوگوں کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں (بغیر اس کے کہ) یہ گناہ لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ (سنن ترمذی کتاب العلم ج ۲، ص ۱۵۰، مقدمہ سنن ابن ماجہ ج ۱، صفحہ ۳۳۹)

تیسری فصل

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب

لیکن وہ جو سلف وائمہ رحمہم اللہ سے آپ ﷺ کی سنت کے اتباع، آپ ﷺ کی ہدایت وسیرت پاک کی اقتداء کے وجوب کا ثبوت ہے، یہ ہے کہ

حدیث: بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابا عبدالرحمن ہم قرآن میں صلوۃ خوف اور صلوۃ حضر تو پاتے ہیں مگر صلوۃ سفر نہیں پاتے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن اخی بیشک اللہ عزوجل نے ہماری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر بھیجا (اس سے زیادہ) ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہم وہی کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الاملامت، ج۱، صفحہ ۳۳۹، سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، ج۱، صفحہ ۲۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد صاحب الامر (خلفاء راشدین وغیرہ) نے کسی سنت کو جاری کیا تو اس کو اخذ کرنا (اور اس پر عمل کرنا گویا) کتاب اللہ عزوجل کی ہی تصدیق ہے، اللہ عزوجل کی اطاعت پر عمل ہے اور دین الہی کی تقویت کا موجب ہے، کسی کو یہ اختیار نہیں کہ سنت میں تغیر و تبدل کر سکے اور نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ اس کے مخالف کی کسی بات پر غور وفکر بھی کی جائے جو شخص اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ منصور مظفر ہے، جو اس کا مخالف ہے وہ مومنین کے راستہ کے برخلاف چلتا

ہے، اللہ عزوجل اس کو اس پر مسلط کر دے گا جس کا وہ والی بنے۔ (یعنی اللہ عزوجل اس کو اسی گمراہی میں ڈالے رکھے گا، (العیاذ باللہ) اللہ عزوجل ایسوں کو جہنم میں جھونک دے گا اور وہ نہایت ہی بری جگہ۔ (الحدیث الالکائی فی السنۃ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۱۷۸)

حضرت حسن بن ابی الحسن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق عمل قلیل بہتر ہے اس سے جو بدعت (سیدہ) پر عمل کثیر کیا جائے۔

حضرت ابن شہاب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند مردان اہل علم (علماء کرام) سے یہ بات پہنچی کہ وہ فرماتے تھے: اَلْاِعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ: سنت پر سختی سے عمل کرنا نجات ہے۔

(الحدیث الالکائی فی سنۃ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (فاروق اعظم) نے اپنے عمال کی طرف سے خط لکھا کہ سنت، فرائض اور لحن یعنی لغت کو سیکھو اور فرمایا کہ کچھ لوگ تم سے قرآن کے بارے میں جھگڑیں گے (تو خبردار) تم ان سے سنن سے مواخذہ کرنا بلاشبہ اصحاب سنن (اہلسنت) کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ (مقدمہ سنن دارمی، ج ۱، صفحہ ۴۹)

اور آپ (رضی اللہ عنہ) سے ہی ایک حدیث مروی ہے کہ جس وقت (حضرت فاروق اعظم نے) ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں تب فرمایا تھا کہ میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، ج ۲، صفحہ ۹۸۱)

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب آپ نے (حج کے موقع پر) قران کیا تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں اور آپ اس کو کر رہے ہیں، آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں کہ کسی کے

کہنے سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج ج ۳ ص ۹۴۰ سنن نسائی کتاب القرآن ج ۵ ص ۱۳۸)

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ بھی مروی ہے کہ (آپ نے فرمایا) مگر میں نبی نہیں ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے، حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں غور و فکر کرنا بدعت (سیئہ) میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔ (دارمی ج ۱، ص ۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر کی نماز (قصر) کی دو رکعتیں ہیں (یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں ہیں) جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (مسند احمد بسند صحیح کما فی مناہل الصفا للسیطی ص ۱۷۹)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ (الاصبهانی الترغيب والا لكائي في النية كا في مناهل الصفاء للسيوطي) نے فرمایا کہ طریقہ سنت کو لازم پکڑو کیونکہ زمین میں کوئی ایسا نہیں کہ جو طریق سنت پر ہو وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو خوف خدا (خشیت) جاری رہتے ہوں، پھر اس کو اللہ عزوجل ابدی عذاب دے (یعنی سنت پر عمل کرنے والے کو ہمیشگی جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) اور زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں جو طریق سنت پر ہو اور جب وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرے تو اس کا رواں رواں خشیت الٰہی سے کھڑا ہو جائے مگر اس کی مثال اس درخت کی یہ ہے جس کے پتے خشک ہو گئے ہوں پھر وہ اس حالت میں ہو کہ اچانک اس کو آندھی پہنچے تو اس کے پتے جھڑ کر گر جائیں (اسی طرح اس کے گناہ جھڑ جائیں گے) بلاشبہ سبیل و سنت پر عمل کرنا بہتر ہے اس پر کوشش کرنے سے جو خلاف سبیل و سنت ہو اور بدعت (سیئہ) کے موافق ہو۔ (اے مسلمانو!) تم غور کرو تمہارا عمل اگر اجتہادی یا معتدل ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و سنت پر ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی خدمت میں

ان کے بعض عمال نے اپنے شہروں کا حال لکھتے ہوئے لکھا کہ یہاں چوروں کی بہت زیادتی و کثرت ہے کیا ان کو محض اپنے گمان پر گرفتار کر لیا کروں یا ان کے لیے ثبوت و شہادت کی ضرورت ہے، جیسا کہ اس پر سنت جاری ہے، آپ نے ان کی طرف لکھا، ان کو کسی دلیل دینیہ سے پکڑو جیسا کہ سنت جاری ہے، پس اگر ان کی حق و انصاف بھی اصلاح نہ کر سکے تو پھر اللہ عزوجل بھی ان کی اصلاح نہ فرمائے گا۔ (مطلب یہ کہ حق دینیہ ہی ان کی درستی کر دے گا) حضرت عطاء علیہ الرحمہ سے آیہ کریمہ

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹)

پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ (الی اللہ سے مراد) کتاب اللہ عزوجل اور (الرسول سے مراد) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کیا جائے، حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی کہ اے حجر اسود تو ایک ایسا ہی پتھر ہے جو ذاتی طور پر نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ کو بوسہ (استلام) دیا ہے تو ہرگز میں تجھ کو بوسہ (استلام) نہ دیتا اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے (حجر) اسود کو بوسہ دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو ایک جگہ پر چکر دیا، اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، فرمایا: اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا، لہذا میں نے بھی ایسا کیا۔

حضرت ابو عثمان حیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ پر سنت قولی و فعلی کو حاکم بنا لیا اس نے حکمت کی باتیں کیں اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا حاکم بنا لیا اس نے بدعت کی باتیں کیں۔

حضرت سہل تستری علیہ الرحمہ نے کہا کہ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں: (۱) اخلاق و افعال میں حضور ﷺ کی پیروی کرنا۔ (۲) حلال کھانا۔ (۳) اور نیت کا تمام اعمال میں خالص ہونا۔

اللہ عزوجل کے ارشاد: ﴿وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ﴾ اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔ (فاطر: ۱۰) کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ایسی جماعت کے ساتھ گزر ہوا جس نے برہنہ ہوکر پانی میں داخل ہوکر غسل کیا، اس وقت میں نے اس حدیث پر عمل کیا (کہ حضور ﷺ نے فرمایا) "جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو" (سنن ترمذی ج۴، ص ۱۹۹)

چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا، تب اسی رات میں نے یہ ندا سنی کہ اے احمد خوشخبری ہو کہ اللہ عزوجل نے تم کو سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دئے اور تم کو پیشوا بنا دیا گیا کہ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس ہاتف غیبی سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ جبرئیل علیہ السلام۔

چوتھی فصل

سنت کی مخالفت موجب عذاب آخرت ہے

حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت کی تبدیلی ایسی گمراہی و بدعت ہے کہ اس پر اللہ عزوجل نے ذلت و عذاب کی وعید فرمائی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ (النور:۶۳)

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ (النساء:۱۱۵)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور اپنی امت کے حال میں حدیث بیان فرمائی، اس (حدیث) میں یہ ہے کہ

بعض لوگ میرے حوض سے (قیامت کے دن) ہٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ بھولا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے، پس میں انھیں پکاروں گا، ادھر آؤ، ادھر آؤ، ادھر آؤ، اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد طریقہ بدل لیا تھا، تب میں فرماؤں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ (یعنی آپ نفرت و بیزاری کا اظہار فرمائیں گے)۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۲، ص ۱۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری امت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح، ج ۷، ص ۳، مسلم کتاب النکاح ج ۲، ص ۱۰۴۰)

اور فرمایا جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

(صحیح بخاری کتاب العلم، ج ۳، ص ۱۶۰، صحیح کتاب الاقضیہ ج ۱، ص ۱۳، ۴۳)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو فرش پر ٹیک لگائے ہے، اس کے سامنے جب میرا کوئی حکم جس کو میں نے فرمایا یا میری کوئی مخالفت پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، ہم نے کتاب اللہ عزوجل میں نہیں پایا کہ ہم اس کی پیروی کریں، حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ خبردار بلا شبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام فرمایا، وہ اللہ عزوجل کے حرام کرنے کی طرح ہے۔ (سنن ترمذی کتاب العلم ج ۴ ص ۱۳۴، مستدرک کتاب علم ج ۱ ص ۱۰۸)

اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درآنحالیکہ آپ کے سامنے ایک شانہ پر کچھ لکھا لایا گیا کہ قوم کی حماقت یا فرمایا گمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لائی ہوئی چیز سے روگردانی و انحراف کر کے غیر نبی کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی طرف رغبت کرے، اس وقت یہ آیت اتری: ﴿اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ﴾ (العنکبوت: ۵۱)

اور کیا یہ انھیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔

(مراسیل ابوداؤد و ابن ماجہ، جریر و حاکم بحوالہ تفسیر در منثور ج ۶ ص ۴۷۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کلام میں مبالغہ و شیخی خورے یا طعنہ زنی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم کتاب العلم ج ۴ ص ۲۵۵)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس چیز کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کرتے رہے ہیں مگر یہ کہ میں اس پر عمل کروں، اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے کسی حکم کو چھوڑا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس ج ۴ ص ۶۳ بسنن ابوداؤد کتاب الامارۃ ج ۳ صفحہ ۳۲۵)

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا﴾

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال۔(التوبہ:۲۴)

یہ آیہ کریمہ آپ ﷺ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض واہم امر اور یہ کہ آپ ﷺ ہی اس محبت کے اصل مستحق ہیں، اس بارے میں ترغیب و تنبیہ اور دلیل و حجت کے لیے کافی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اس کی سخت سرزنش و تنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ سمجھا، ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ﴾

تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔(التوبہ:۲۴)

آخر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلایا کہ بلاشبہ یہ لوگ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ عزوجل نے ہدایت کی توفیق نہ دی۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہو گا جب تک کہ میں اس کی طرف اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس نے ایمان کی حلاوت پائی (۱) اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) یہ کہ اللہ عزوجل کے لیے ہی کسی سے محبت کرے۔ (۳) اور یہ کہ کفر پر لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ج ا ص ۹ و صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۶۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن آپ نے) حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک میرے نزدیک آپ سوائے اس اپنی جان کے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے، اس وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن نازل فرمایا، یقیناً آپ میری اس جان سے بھی جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے، زیادہ محبوب ہیں، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم کامل ایماندار ہو گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت و یمین النبی ج ا ص ۵۲۲)

حضرت سہل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی ولایت و حکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو اپنی ملک جانتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ: تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کے نزدیک میں اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

پہلی فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر و ثواب

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)؟ فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: میرے پاس اس کے لیے نہ نمازوں کی کثرت ہے نہ روزہ وصدقہ ہے لیکن میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، تب آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو محبوب رکھتا ہے۔

(بخاری ج ۵ صفحہ ۱۱، صحیح مسلم کتاب البرج ۴ ص ۲۰۳۳)

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی، پھر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اپنا دست مبارک دیجیے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں، فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ: مرد جس سے محبت رکھے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الزھد ج ۴ ص ۲۳)

اس حدیث کو لفظاً حضور ﷺ سے عبداللہ بن مسعود (صحیح بخاری کتاب الادب ج ۷ صفحہ ۳۳، صحیح مسلم کتاب

البرج ۴ ص ۲۰۳۴) اور ابو موسی رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب الادب ج ۷ ص ۳۴، صحیح مسلم کتاب البرج ۲ ص ۲۰۳۳) اور انس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب الادب ج ۷ صفحہ ۳۴، صحیح مسلم کتاب البرج ۴ ص ۲۰۳۳، ۲۰۳۲، سنن ابوداؤد کتاب الادب ج ۵ ص ۳۴۵، مسند امام احمد ج ۵ صفحہ ۱۵۶) سے معنی مروی ہے۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے اور ان کے والد و والدہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی مناقب علی ج ۵ صفحہ ۳۰۵)

مروی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ ﷺ کو دل میں یاد رکھتا ہوں جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتا مجھے صبر و قرار نہیں آتا اور جب میں اپنی موت اور آپ کی جدائی (یعنی موت طبعی) کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ ﷺ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ ﷺ کی زیارت نہ کر سکوں گا پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (النساء:۶۹)

پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۵۸۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا، اس نے نظر بچا کر آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل ہی نہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میں آپ ﷺ کی طرف نظر کرنے سے حظ (لذت) حاصل کرتا ہوں جب آپ ﷺ کو بروز قیامت اللہ عزوجل مقام رفیع عطا فرمائے گا (اس وقت میرا کیا حال ہوگا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(الاصبهانی فی الترغیب کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۸۲)

(اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاهِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ)

دوسری فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوال سلف

نبی کریم ﷺ کی محبت و اشتیاق کے سلسلہ میں جو ائمہ سلف رحمہم اللہ سے منقول ہیں (اب ان کا) ذکر کیا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بہت سے وہ لوگ آئیں گے جو مجھ سے محبت کریں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل و مال کے بدلے میں میری زیارت ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الحیہ ج ۲ صفحہ ۲۱۶۸)، اس کے مثل حضرت ابوذر ﷺ سے مروی ہے۔ (مسند امام احمد ج ۳ صفحہ ۱۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس قسم کی محبت کا حال گزر چکا ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا، عبیدہ بنت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: جب خالد (ان کے والد) اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنا شوق اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین وانصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لے کر کیا کرتے اور کہتے یہ لوگ میری اصل و نسل (یعنی حسب و نسب) ہیں ان کی طرف میرا دل میلان کرتا ہے، میرا شوق ان سے طویل ہے، اے میرے رب عزوجل میری

روح ان کی طرف جی قبض کر (یہی کہتے کہتے) ان پر نیند غالب آجاتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ ابوطالب کا اسلام لانا میرے لیے ان کے اسلام لانے یعنی ان کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہے کیونکہ ابوطالب کا اسلام لانا آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

اس کے مثل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ (میرے والد) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ (ابوطالب) اسلام لائیں اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۲۲۸)

ابو اسحق علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں قتل ہوگئے تھے، اس وقت اس نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ ﷺ الحمدللہ بخیریت ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو، اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تاکہ میں آپ ﷺ کو دیکھ لوں، جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا کہ آپ ﷺ کی سلامتی کے بعد اب مجھے ہر مصیبت آسان ہے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے مال، اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بہت زیادہ آپ ﷺ محبوب تھے۔

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہرا دیتے ہوئے نکلے تو

ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت اون دھنتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوةُ الْأَبْرَارِ صَلّٰى عَلَيْهِ الطَّيِّبُوْنَ الْأَخْيَارِ

حضور ﷺ پر نیکوں کا درود ہو، آپ پر ہر اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں۔

قَدْ كُنْتَ قَوَّامًا بُكًا بِالْاَسْحَارِ يَالَيْتَ شَعْرِيْ وَالْمَنَايَا اَطْوَارِ

بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے صبح تک رونے والے تھے، اے کاش! مجھے معلوم ہوتا حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔

هَلْ يَجْمَعُنِيْ وَحَبِيْبِي الدَّارَ

کیا (اللہ عزوجل) مجھ کو اور میرے محبوب کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا؟۔

اس تمنا کے اجتماع سے مراد اس عورت کی حضور ﷺ کی جنت میں مصاحبت و مقاریت ہے، وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور روتے رہے، یہ واقعہ طویل ہے۔ (الزھد صفحہ ۳۶۲-۳۶۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں شل ہو گیا، کسی نے ان سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہے گا، چنانچہ انھوں نے زور سے کہا: یا محمد (ﷺ) اسی وقت ان کا پاؤں کھل گیا۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۷۲)

اسی طرح جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا: وَاحُزْنَاهُ (ہائے افسوس) اس وقت انھوں نے کہا: وَاطَرَبَاهِ غَدًا اَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَهٗ: یعنی خوشی ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور ﷺ اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو میرے لیے کھول دیجئے آپ نے اس کے لیے کھلوایا تو وہ رونے لگی حتی کہ وہ وہیں

انتقال کر گئی۔

جس وقت اہل مکہ نے (فتح مکہ سے پہلے) زید بن دثنیہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے نکالا کہ ان کو قتل کر دیں تب ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے (اپنی حالت کفر کے زمانہ میں) اس سے کہا: اے زید (رضی اللہ عنہ)! میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد (ﷺ) تیری جگہ ہوں اور ان کی (معاذ اللہ) گردن ماری جائے اور تو واپس اپنے اہل و عیال میں چلا جائے؟ تب زید رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور ﷺ اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں اس جگہ آپ ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا تک بھی چبھے اور میں اپنی جگہ (یونہی) بیٹھا رہوں، اس وقت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اس قدر محبوب رکھتا ہو جس قدر کہ محمد (ﷺ) کے اصحاب رضی اللہ عنہم ان کو محبوب رکھتے ہیں۔

(دلائل النبوہ للبیہقی بھی ج ۳ ص ۳۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتی تو آپ ﷺ اس سے اللہ عزوجل کی قسم لیتے کہ (کہئے کہ) میں نہ تو خاوند کی دشمنی کی وجہ سے اور نہ کسی زمین کی طمع میں نکلی بلکہ میں صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں نکلی ہوں۔

(تفسیر ابن جریر سورۃ ممتحنہ ج ۲۸ صفحہ ۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے پاس ٹھہرے اور ان کے لیے استغفار کی اور کہا کہ خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزے دار، شب بیدار اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت رکھنے والے تھے۔

تیسری فصل

حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اس کو اختیار کرلیتا ہے اور اس کی موافقت کرتا ہے ورنہ وہ اس کی محبت میں صادق نہیں جس کی وہ محبت کا دم بھرتا ہے، لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا عامل ہو، آپ ﷺ کے افعال واقوال کا اتباع کرے، آپ ﷺ کے حکم کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے عزت وعشرت، مسرت وکربت ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے موعظت ونصیحت حاصل کرے، اس علامت کی حجت ودلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہوجاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔ (آل عمران: ۳۱)

اور علامت محبت یہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے مشروع فرمایا اور اس پر عمل کی ترغیب وتنبیہ فرمائی اس کو اپنی خواہشات نفسانی وشہوانی پر ترجیح دے چونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا۔ (الحشر:۹)

دوست رکھتے ہیں انھیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ انھیں شدید محتاجی ہو اور بندوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں ناراض کر دیتے ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم اس کی قدرت رکھو کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں ہو کہ تمہارا دل ہر ایک کی کدورت سے پاک وصاف ہو تو ایسا کرو، اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا: اے فرزند! یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ (سنن ترمذی کتاب العلم ج ۲ صفحہ ۱۵۱)

لہذا اب جو شخص اس صفت سے متّصف ہو گا تو وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کامل ہو گا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہو گی اور وہ محبت کے نام سے خارج نہ ہو گا۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شخص کے بارے میں وہ فرمان ہے کہ جس کو شراب پینے پر حد جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا تعجب ہے اس کو ایسی حالت میں لایا گیا، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود ج ۳ صفحہ ۱۳۳)

علامت محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل بکثرت کرے، اس لیے کہ جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر بکثرت کیا کرتا ہے۔

انھیں علامات محبت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقاء و دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے اس لیے کہ ہر محب

اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے، اشاعرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ (بوقت ہجرت) مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہ (لوگ) رجز پڑھتے تھے۔

غَدًا نَلْقَ الْأَحِبَّةِ　　　　مُحَمَّدًا وَصَحْبِهِ

ہم کل پیاروں سے ملیں گے یعنی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ صفحہ ۳۵۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گزر چکا ہے، اسی طرح جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید ہونے سے پہلے کہا تھا اور وہ جو ہم نے خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں بیان کیا اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر جمیل کرے گا اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت غایت تعظیم و توقیر بجالائے گا اور آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز و انکسار کا اظہار کرے گا۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل جب آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کرتے تھے تو انتہائی عاجزی و فروتنی سے کرتے اور ان کے بال کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے تھے، یہی حال اکثر تابعین رحمہم اللہ کا تھا، ان میں سے کچھ تو آپ ﷺ سے محبت و شوق کی بنا پر روتے اور کچھ آپ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے، اور اس علاقہ کے سبب و وجہ سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے عداوت رکھے اور جو ان سے بغض و فساد رکھے ان سے بغض رکھتا ہے جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اس کو بھی محبوب جانتا ہے جس سے

اس کا محبوب محبت کرے۔

بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ اے خدا عزوجل میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب فرما۔(صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۵ صفحہ ۲۳ ،صحیح مسلم کتاب الفصائل ج ۴ ص ۱۸۸۳، سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۲۷)

ایک روایت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ بے شک میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس جو ان سے محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور فرمایا: جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ اللہ عزوجل بھی اس کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص ان دونوں سے بغض وعداوت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور جو شخص مجھ سے بغض و عداوت رکھتا ہے یقینا اللہ عزوجل بھی اس کو مبغوض رکھتا ہے۔(مقدمہ سنن ابن ماجہ ج ا ص ۵۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸۰)

اور فرمایا: اَلَا اَلَا فِیْ اَصْحَابِیْ: ہوشیار خبردار میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، میرے بعد ان کو اپنی اغراض کا آلہ کار نہ بنانا جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ہے، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ عزوجل کو تکلیف دی جس نے اللہ عزوجل کو تکلیف دی بہت ج اللہ عزوجل اس کو اپنی پکڑ میں لے گا۔(سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۵۸، مسند امام احمد ج ۵ ص ۵۴)

حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو غصہ میں لاتی ہے وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ج ۲ صفحہ ۱۹۰۳)

آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت و شفقت کرو کیونکہ میں بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۴۲)

اور آپ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۷، صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱، صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر کی۔

در حقیقت بات یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی تو وہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہو گا، اور یہی عادت سلف رحمہم اللہ کی تھی حتی کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہانڈی میں کدو کے قتلوں (ٹکڑوں) کو تلاش فرمایا کرتے تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔

حضرت امام حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمی رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان سے انھوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۱۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سبتی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس ج ۷ ص ۱۳۲ یہ مسلم ج ۲ ص ۸۳۴)

انھیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ ﷺ نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ ﷺ کی سنت کا مخالف ہو اور جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو اور

ہر مخالف شریعت بات کو سختی سے گراں اور برا جانے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ (المجادلہ:۲۲)

بلاشبہ یہی کیفیت آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی کہ انھوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی و خواہش پر اپنے والدین (آباء) اور اولاد کو قتل کیا اور ان سے لڑائی کی۔

عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی مرضی مبارک ہو تو میں اس کا یعنی اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کر دوں۔

(کشف الاستار ج۳ ص ۳۶۰)

اور انھیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن سے محبت رکھے کیونکہ آپ نے اس سے ہدایت فرمائی اور خود پائی اور اس کے موافق آپ کے اخلاق کریمہ تھے، یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن ہے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کو خوب سمجھے اور اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے محبت کرے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے اور آپ سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کی سنت سے محبت کرے اور آپ کی سنت سے محبت

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ "قُوْتِ لَا یَمُوْتِ" اور توشہ آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے تا کہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے سوائے قرآن کے کیونکہ اگر اس کی محبت قرآن سے ہے تو وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے۔ (بیہقی فی الآداب صفحہ ۵۲۲)

اور آپ کی علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے، ان کو اچھی بات بتائے اور ان کی خیر خواہی کی کوشش کرے، ان کے نقصانات کو دور کرے جیسے کہ حضور ﷺ مسلمانوں پر رؤف ورحیم تھے اور آپ سے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کا مدعی دنیا میں زاہد ہو اور فکر کا خوگر ہو کر فقراء سے ترجیحی سلوک کرے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا اس کی طرف فقر اس رو سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جیسے کہ جنگل کی بلندی کی طرف سے یا پہاڑ سے نیچے کو آتا ہے۔ (سنن ترمذی ج ۲ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا غور کر کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس طرح تین مرتبہ کہا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے سامان (صبر) کی تیاری کر، اس کے بعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل اس کے معنی بیان فرمائے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد ج صفحہ ۷)

چوتھی فصل

محبت کے معنی اور اس کی حقیقت

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے نبی ﷺ کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے، ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں، چنانچہ

حضرت سفیان علیہ الرحمہ نے فرمایا محبت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے، گویا کہ انھوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ (آل عمران:۳۱)

بعض علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کو لازم جانے اور مخالفین سنت کو مٹائے اور سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کے ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کے ساتھ شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب عزوجل کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے جس کو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے اور بعضوں نے کہا کہ موافقت کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ و ثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف اور محبت

کی حقیقت یہ ہے کہ جو انسان کے موافق چیز ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو، اس کی یہ موافقت یا تو اس لیے ہوگی کہ اس کے پالینے سے اس کو لذت حاصل ہوگی، جیسے حسین و جمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر سلیم الطبع اس کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے۔

یا اس لیے اس کے پانے سے لذت حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے حواس عقلیہ سے دل کے اعلیٰ معانی باطنیہ معلوم کرلیتا ہے، جیسے علما، وصلحا، عرفاء اور وہ لوگ جن کی سیرتیں پاکیزہ و عمدہ مشہور ہیں اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں، کیونکہ انسان کی طبیعت ان امور کی طرف مائل ہے، یہاں تک کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسروں کے حقوق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلا وطنی (ترک سکونت) کرتے، بڑوں کی ہتک کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

یا اس کی محبت خاص اس کے لیے ہوتی ہے کہ اس کے احسان و انعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے، کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔

جب یہ حقیقت تم پر آشکار ہو چکی تو اب ان تمام اسباب و علل کے لحاظ سے حضور ﷺ کے حق میں غور کرو، یہ تو تم خوب جان چکے ہو گے کہ نبی کریم ﷺ ان تینوں معانی جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں کے جامع ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کی ظاہری صورت کا جمال، کمال، اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں، مزید بیان کی اصلا حاجت نہیں۔

اب رہا آپ ﷺ کا اپنی امت پر احسان و انعام، سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے، جہاں اللہ عزوجل نے امت پر آپ علم کی شفقت و رحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو

ہدایت فرمائی اور کیونکران پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ ﷺ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ رؤف ورحیم اور رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ ہیں، آپ ﷺ نے ان پر اللہ عزوجل کی آیتیں تلاوت فرمائیں ان کا تزکیہ نفس کیا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی وغیرہ۔ (جو سب سے پہلے مذکور ہو چکا ہے)

لہذا اب وہ کون سا احسان ہے جو آپ ﷺ کے احسان سے بڑھ کر قدر و مرتبہ والا مسلمانوں کے لیے ہے اور کون یہ کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے انعام سے زیادہ تمام مسلمانوں پر زیادہ عام اور سود مند ہو، کیونکہ آپ ﷺ ہیں تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے، آپ ﷺ ہی تو ان کو جہالت وضلالت سے نکالنے والے اور فلاح وکرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ﷺ ہی تو ان کے رب عزوجل کی طرف وسیلہ، شفیع اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی ان کے گواہ اور ان کے دائمی بقاء اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔

یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور ﷺ ہی حقیقت محبت کے شرعی طور پر لائق و مستحق ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں، اسی طرح عادت وطبیعت کے اعتبار سے بھی حضور ہی مستحق ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کے احسانات عام ہیں پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفعہ احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت ونقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونے والی ہو، اس کے برعکس جو ذات کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو بھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔

اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسن سلوک معروف ہو یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم و کرم اور عمدہ خصائل مشہور ہو، ان کو محبوب رکھتا ہے تو وہ ذات اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔

یقیناً حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی جان پہچان والا ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔

ہم نے بعض صحابہ سے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آنکھ آپ ﷺ کی طرف سے پھیرتے نہ تھے۔ (صلواۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین)

پانچویں فصل

حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

﴿وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

اور نہ ان پر (حرج ہے) جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جبکہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ (مواخذہ کی) نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (توبہ:۹۱)

مفسرین کا قول ہے کہ اللہ عزوجل و رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں پورے اخلاق کے ساتھ مسلمان ہو۔

حدیث: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دین ایک خیر خواہی ہے بلاشبہ دین خیر خواہی ہے، یقیناً دین خیر خواہی ہے۔

صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کس کے لیے؟ فرمایا اللہ عزوجل اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور ائمہ مسلمین و عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی واجب ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۸۴ سنن ابوداؤد کتاب الادب ج ۵ ص ۲۳۳)

امام ابوسلیمان بستی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک کلمہ ہے جس سے ایسے تمام امور خیر سے تعبیر کی جاتی ہے جو کہ اس شخص کے لیے ہو جس کے لیے خیر خواہی کی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ نصیحت کی تعبیر کسی ایسے ایک کلمہ سے کی جائے جو اس کو حصر (گھیرنا، احاطہ کرنا) کرے۔

اس (نصیحت) کے لغوی معنی اخلاق کے ہیں، جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ: نَصَحْتَ الْعَسَلَ إِذَا خَلَّصْتَهٗ مِنْ شَمْعِهِ: یعنی "شہد کو صاف کیا جب کہ تم اسے موم سے پاک کر دو۔"

ابوبکر بن ابی اسحٰق خفاف علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ "نَصْحٌ" وہ فعل ہے کہ جس کے باعث درستی و مناسبت یا موافقت ہو، اور یہ "نِصَاحٌ" سے ماخوذ ہے، نصاح اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس سے کپڑا سیا جاتا ہے، ابواسحاق زجاج علیہ الرحمہ نے بھی ایسا ہی کہا پس اللہ عزوجل کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صحیح اعتقاد ہو، اس کو واحد جانے، اس کی ایسی تعریف کرے جس کا وہ اہل ہے اور ان باتوں سے اسے پاک سمجھے جو اس پر جائز نہیں، محبوبان خدا سے رغبت رکھے اور جو اس کا دشمن (باغی) ہو اس سے دور رہے اور اس کی عبادت میں اخلاص ہو۔

اور قرآن کریم سے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے، اس کی تلاوت اچھی طرح کرے، اس کے نزدیک عاجزی کرے، سرکش غالیوں کی تاویلات اور ملحدین کے طعنوں کو دور کرے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں یا منع کریں اس کی بجاآوری کرے، اس کو ابوسلیمان علیہ الرحمہ نے کہا اور ابوبکر علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری اور وفات طبعی میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاونت و نصرت اور حمایت کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احیاء بکوشش کرے اور اس کے مخالفوں کو رد کرے اور

سنت کی اشاعت کرے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ، سیرت جمیلہ کے موافق اپنے اخلاق بنائے۔

ابوابراہیم اسحٰق تجیبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے اس کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی سنت کو سختی سے تھامے اور اس کی اشاعت کرے اس پر دوسروں کو رغبت دلائے، اللہ عزوجل اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دے اور ان کی فرمانبرداری و عمل کی تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ دلوں کے فرائض میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کا معتقد ہو، ابوبکر آجری علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی خیر خواہی دو خیر خواہیوں کی متقاضی ہے، ایک خیر خواہی آپ کی زندگی حیات ظاہری میں دوسری آپ کی حیات باطنی (بعد وفات) میں، آپ کی حیات میں آپ کے صحابہ کی خیر خواہی کرنا یہ تھی کہ وہ آپ کی نصرت کرتے آپ سے برائی دور کرتے جو آپ کا دشمن ہوتا اس سے دشمنی کرتے اور آپ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے اور آپ پر اپنا جان و مال نذر کر دیتے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ﴾

کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (الاحزاب:۲۳)

اور فرمایا:

﴿يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۗ﴾

اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ (الحشر:۸)

لیکن مسلمانوں کی خیر خواہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کی غایت محبت کو لازم جانیں اور آپ ﷺ کی سنت کو سیکھنے کی ہمیشہ کوشش کرنا اور

آپ ﷺ کی شریعت میں تفقہ (حاصل) کرنا اور آل اصحاب سے محبت کرنا جو آپ ﷺ کی سنت سے روگرداں اور منحرف ہو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا اور اس سے بچنا اور آپ ﷺ کی امت پر شفقت کرنا، آپ ﷺ کے اخلاق و آداب سے بحث کرنا اور تلاش کرتے رہنا اور اس پر صبر کرنا: جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ سب خیر خواہی محبت ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے ایک ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لیث قراسان کا ایک بادشاہ تھا جو مشہور حاکم تھا اسے صفار کہتے تھے، خواب میں دیکھا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ خدا نے کیا کیا، اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا، پوچھا گیا کہ کس سبب سے؟ کہا کہ میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اوپر سے اپنے لشکر کو جھانکا تو ان کی کثرت سے میں خوش ہوا، اس وقت میں نے تمنا کی کہ اگر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کی نصرت و اعانت کرتا، یہ بات اللہ عزوجل کو پسند آئی اور مجھے بخش دیا۔ اور ائمہ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے امور حقہ کی اطاعت کرے اور اس میں ان کی مدد کرے اور ان کا حکم حق کے ساتھ ہو اور ان کو حق کی عمدہ اسلوب سے یاد دلانا اور غفلت پر ان کو آگاہ و خبردار کرنا اور جو مسلمانوں کے امور ان سے پوشیدہ رہیں ان کو یاد دلانا اور ان پر خروج کرنا، لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا، ان کے دلوں کو ان کے برخلاف بگاڑنا ترک کر رہے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ان کی خیر خواہیوں کی ہدایت کرنا، ان کو اپنی اپنی اور دنیوی امور میں قول و فعل میں مدد دینا، ان کے غافل کو خبردار اور ان کے جاہل کو آگاہ کرنا، ان کے محتاجوں کی مدد کرنا، ان کے بروں کی ستر پوشی کرنا ان کے نقصانات و ضرر کو رفع کرنا اور ان کی طرف ان کے منافع کو پہنچانا وغیرہ ہے۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب

حضور ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور نیکی کے وجوب میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا(۸) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ﴾

بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول (ﷺ) کی تعظیم و توقیر کرو۔ (الفتح:۹)

اور ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾

اے ایمان والو اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (الحجرات:۱)

نیز فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾

اے ایمان والو اپنی آواز میں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے (نبی) کی آواز سے۔ (الحجرات:۲)

اور فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ﴾

رسول کے پکارنے کو آپس میں نہ ٹھہرا لوجیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔(النور:٦٣)

ان آیات مذکورہ میں اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی عزت و تکریم کو لازم فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **تُعَزِّرُوْهُ** (تفسیر ابن جریر ج۲۲ صفحہ ۷۴) یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کرو اور مبرد علیہ الرحمہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو اور اخفش علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی مدد کرو اور طبری علیہ الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعانت کیا کرو۔

اور ایک قرات میں **تُعَزِّرُوْهُ بِزَائَیْنِ مِنَ الْعِزِّ** یعنی دونوں زاء کے ساتھ بمعنی عزت مروی ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ سے آگے کلام میں بڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے یعنی گفتگو کرنے میں آپ ﷺ سے پہلے بات کرنے کو سوء ادب گردانا، یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور ثعلب علیہ الرحمہ نے اس کو پسند فرمایا۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمانے سے پہلے بات مت کرو اور جب حضور ﷺ کلام فرماتے ہوں تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے قبل کسی معاملہ پر فیصلہ کی جی کرنے سے منع کئے گئے ہو اور یہ کہ وہ کسی چیز کا حکم دیں خواہ وہ جہاد سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ امور دینیہ میں سے ہو تو آپ ﷺ ہی کے ارشاد پر چلیں، آپ ﷺ سے پہلے کسی معاملہ میں جی نہ کریں، حضرت حسن، مجاہد، ضحاک، سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول بھی اسی طرف واقع ہے، اس کے بعد اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی اور ان کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا چنانچہ فرمایا" اور اللہ عزوجل سے ڈرو بیشک اللہ عزوجل سنتا جانتا ہے"۔

ماوردی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سبقت کرنے میں خدا سے ڈرو، سلمی علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم میں کوتاہی کرنے سے خدا سے ڈرو، بیشک اللہ عزوجل تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے عملوں کو جانتا ہے۔

اس کے بعد اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور زور سے بولنے کی ممانعت فرمائی، جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہ اپنی آوازوں کو بلند کر لیتے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو ویسا آپ ﷺ کو نہ پکارو۔

ابو محمد مکی علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ ﷺ سے بات کرنے میں سبقت نہ کرو، مخاطب کرو تو عزت و توقیر سے مخاطب کرو، اور آپ ﷺ کو ان القاب سے پکارو اور یاد کرو جن سے پکارا جانا آپ ﷺ کو پسند ہو مثلاً یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)، یا نبی اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) وغیرہ۔

ایسا خطاب کرنا دوسری آیت کے مطابق ہے کہ رسول ﷺ کو پکارنے میں تم ایسا نہ کرو جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو، یعنی ان کے دو معنوں میں سے ایک ہے، دیگر علماء نے فرمایا کہ آپ سے اس طرح مخاطب ہو کہ جس طرح کوئی سائل یا طالب فہم ہوتا ہے، اس کے بعد اللہ عزوجل نے ایسا نہ کرنے پر مسلمانوں کو ڈرایا کہ ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اس سے ڈرتے رہو۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بنی تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر در منثور ج ۷ ص ۵۵۲) اور ایک روایت میں ہے کہ دیگر اہل عرب کے لیے نازل ہوئی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو "یا محمد" کہہ کر مخاطب کرنے لگے کہ "اے محمد"! ہماری طرف آئیے، اس پر اللہ عزوجل نے ان کی مذمت فرمائی اور ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (الحجرات:۴) ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس قضیہ کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کے سامنے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا تھا اور اختلاف کی صورت میں باہم ان کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن جریر ج ۲۶ ص ۸۵، سورۃ الحجرات، صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۱۰) جو کہ حضور ﷺ کی طرف سے بنی تمیم کی مفاخرت میں خطیب تھے اور ان کے کان بہرے تھے اور زور سے بولا کرتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے کہ مبادا ان کے عمل ضائع ہو جائیں، پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ اللہ عزوجل نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ بولیں حالانکہ میں "جہیر الصوت" یعنی بلند آواز والا ہوں، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے ثابت! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم محمود زندگی گزارو اور شہادت حاصل کر کے جنت میں جاؤ، چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خدا کی قسم آئندہ آپ ﷺ سے اسی طرح عرض و معروض کروں گا جیسے کہ چھپ کر باتیں کرتے ہیں۔ (کشف الاستار ج ۳ صفحہ ۲۹)، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بات کرتے تو ایسے ہی باتیں کرتے جیسے پوشیدہ (بات) کرتا ہے۔ (صحیح بخاری مسلم ج ۶ ص ۱۱۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تو اتنی آہستہ بات کرنے لگے کہ بسا اوقات حضور ﷺ کو دوبارہ دریافت کی ضرورت ہوتی، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲۶ ص ۷۶)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (الحجرات: ۳)

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ بیشک وہ جو تمھیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (الحجرات: ۴) یہ بنی تمیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر پکارتے تھے۔

صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی نے جس کی آواز بلند تھی اس نے آپ کو پکارا "یا محمد! یا محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے اسے کہا کہ اے اعرابی اپنی آواز کو پست کر کیونکہ بلند آواز کرنے سے ہم روکے گئے ہیں۔

(سنن ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۳۳، تحفۃ الاشراف ج ۴ ص ۱۹۲)

اللہ عزوجل نے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے آداب سکھاتے ہوئے) فرمایا کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾

اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو۔ (البقرہ: ۱۰۴)

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ انصار میں لغت تھی جس کے بولنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و عزت کے لیے منع کیا گیا، اس لیے کہ اس کے معنی یہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری رعایت کریں ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت کریں گے، لہٰذا ان کو ایسا کہنے سے روک دیا گیا، کیونکہ اس کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت کرنے سے رعایت کریں گے، حالانکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق (نبوت) ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ہر حال میں رعایت کی جائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود اس کلمہ (راعنا) سے نبی کریم ﷺ کی تعریض کیا کرتے تھے اور اس سے وہ رعونت (تکبر) مراد لیتے تھے، لہذا مسلمانوں کو اس قول سے منع کر دیا گیا (دلائل النبوہ لابی نعیم) کہ ایسا کلمہ نہ کہو جس سے کوئی تشبہ پیدا ہو، گویا کہ آپ کے حضور ایسے الفاظ جس میں مشابہت کا پہلو نکلتا ہو منع کر دیا گیا، اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔

پہلی فصل

تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت

حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر عزت و تکریم کرنے کی عادت کے بیان میں یہ حدیث ہے کہ

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ بزرگ نہ تھا اور مجھ میں یہ طاقت تھی کہ میں آپ ﷺ کی ہیبت و جلالت کی وجہ سے آپ ﷺ کے دیدار سے آنکھوں کو بھرلوں، اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کی صفت بیان کرنے کو کہتا تو میں اس کی بھی طاقت نہ پاتا تھا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہ تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ صفحہ ۱۱۳)

حدیث: ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے پاس تشریف لایا کرتے جہاں یہ صحابہ بیٹھا کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہوتے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہ کرتا تھا، یہی دونوں صحابہ آپ ﷺ کو دیکھتے اور آپ ﷺ ان کو دیکھتے اور باہم متبسم ہوتے۔ (سنن ترمذی ج ۵ ص ۲۷۴)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا اور آپ ﷺ کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے، ان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے

سروں پر پرندے ہیں۔(سنن ابوداؤد کتاب الطب ج۴ص ۱۹۳-۱۹۲)

اور آپ ﷺ کی صفت میں ایک یہ حدیث ہے کہ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو صحابہ اپنے سروں کو جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں (صلح حدیبیہ کے وقت) قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قاصد بن کر آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے، جب آپ ﷺ وضو کرتے تو وہ آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی کی طرف جی کرتے اور قریب تھا کہ غسالہ وضو حاصل کرنے میں باہم لڑ مریں گے، جب آپ ﷺ لعاب مبارک ڈالتے یا ناک صاف کرتے تو صحابہ جی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرے اور جسموں پر مل لیتے، جب کوئی بال (موئے مبارک) جسم سے گرتا تو وہ دوڑ کر اس کو حاصل کر لیتے اور جب آپ ﷺ کوئی حکم دیتے تو وہ بسرعت (جی سے) اس کو بجالاتے، جب کلام فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے آپ ﷺ کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر جما کر نہ دیکھتے۔

چنانچہ جب میں قریش کی طرف لوٹ کر گیا تو کہا اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے ملک میں بھی گیا ہوں اور قیصر (روم) کے ملک میں بھی اور نجاشی کے ملک میں بھی پہنچا ہوں، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابہ میں شان رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو بھی نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر کہ محمد (ﷺ) کے صحابہ علیہم الرضوان آپ (ﷺ) کی تعظیم کرتے ہیں، بلاشبہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی ان کو نہ چھوڑے گی۔

(صحیح بخاری کتاب الشروط ج۳ص ۱۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈھ رہا ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان آپ ﷺ کے گردا گرد گردش کررہے ہیں، ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر موئے مبارک (بال) کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑے (زمین پر نہ گرے)۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ صفحہ ۱۸۱۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بیت الحرام (خانہ کعبہ) کے طواف کی اجازت دی جبکہ آپ کو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے وقت مکہ بھیجا تھا تو انھوں نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کرلیں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۴ صفحہ ۱۳۵)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک جاہل اعرابی سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے ﴿مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ﴾ کوئی اپنی منت پوری کر چکا (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳)، کے بارے میں مطلب دریافت کرو کیونکہ خود صحابہ آپ ﷺ سے ڈرتے اور غایت تکریم کرتے تھے پس اس اعرابی نے پوچھا آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے جواب نہ دیا، اتنے میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کرلیا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۰۹-۳۰۸)

قیلہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرفصاء کی نشست پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ کی ہیبت وعظمت سے میں کانپنے لگا۔ (قرفصاء ایک نشست ہے جو بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کرکے کپڑے یا ہاتھوں سے گھٹنوں کو ملا کر باندھ لیا جائے)، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکایا کرتے تھے، برائمہ بن

عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتا تو آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے برسوں اس میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔ (علوم الحدیث صفحہ ۱۹)

دوسری فصل

بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی حرمت و تعظیم، عزت و تکریم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسی واجب ہے کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔

اور یہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت اور آپ ﷺ کی حدیث و سنت اور آپ کے اسم گرامی اور سیرت مبارکہ کے سنتے وقت اور آپ ﷺ کی آل واہل بیت اور صحابہ کرام کے ذکر سنتے وقت تعظیم و توقیر واجب ہے۔

ابوابراہیم نخعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے ان کا ذکر ہو، تو خشوع و خضوع کے ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے، اپنی حرکات میں سکون و قرار اور آپ ﷺ کی ہیبت و جلال کا مظاہرہ کرے اور یہ ایسا ہونا چاہئے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دربار میں موجود ہو تو بھی اس وقت اس کی حالت ہو ویسی ہی اس وقت بھی ہو اور جیسا اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کا ادب سکھایا ویسا ادب کرے۔

قاضی ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ کی یہ عادت تھی، اثر: ابن حمید علیہ الرحمہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابوجعفر امیر المومنین نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا، تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المومنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو کیونکہ اللہ عزوجل نے ایک جماعت کو ادب سکھایا کہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت و برائی بیان کی فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ﴾ بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔(الحجرات:۴)(ترجمہ کنزالایمان) بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت و حرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں تھی، یہ سن کر ابو جعفر خاموش ہو گیا۔

پھر دریافت کیا کہ اے ابو عبید اللہ (امام مالک علیہ الرحمہ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کی طرف متوجہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تم کیوں حضور ﷺ سے منہ پھیرتے ہو حالانکہ حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے بروز قیامت اللہ عزوجل کی جناب میں وسیلہ ہیں، بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ سے شفاعت مانگو پھر اللہ عزوجل آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں۔(النساء:۶۴)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے ایوب سختیانی علیہ الرحمہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا میں تم میں سے جس کو بھی حدیث بیان کروں گا ایوب علیہ الرحمہ اس سے افضل ہو گا پھر فرمایا میں نے اسے دو حج کرتے دیکھا میں اس کو دیکھتا اور سنتا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ اتنا روتا کہ مجھے اس پر رحم آجاتا، میں نے اس کی یہ بات دیکھی تو سو دیکھی لیکن نبی کریم ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے دیکھا تب میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور خوب جھک جاتے (متواضع ہو جاتے) حتی کہ ان کے مصاحبوں کو گراں معلوم ہوتا، ایک دن اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو۔

میں نے محمد بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ قاریوں کے سردار تھے، جب کبھی بھی ہم ان سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔ بیشک ہم نے امام جعفر بن محمد (صادق) رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، حالانکہ وہ انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور میں نے ان کو کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا، میں نے ان کے پاس طویل زمانہ گزارا ہے، میں نے ان میں تین خاص عادتیں دیکھیں یا تو وہ نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہوتے اور وہ بیہودہ بات تو کرتے ہی نہ تھے، یہ ان علماء و عباد میں سے تھے جو اللہ عزوجل سے ڈرتے تھے۔

عبدالرحمن بن قاسم علیہ الرحمہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوتے تو ان کے چہرے کا رنگ دیکھا جاتا کہ وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ کے ہیبت و جلال سے ان کا منہ اور زبان خشک ہو جاتی اور عامر بن عبداللہ بن زبیر علیہ الرحمہ کے پاس میں آیا کرتا تھا، جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک نہ رہتا۔

اور میں نے زہری علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ وہ بڑے نرم دل اور ملنسار تھے، پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا کہ تم نے ان کو دیکھا اور نہ انھوں نے تم کو دیکھا۔

اور میں صفوان بن سلیم علیہ الرحمہ کے پاس آتا جاتا تھا بلا شبہ وہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے، پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے، اتنی دیر روتے رہتے کہ لوگ انھیں چھوڑ کر چلے جاتے، قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی حدیث سنتے تو چیخ مارتے اور گھبرا جاتے تھے۔

اور جب حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے پاس لوگ بکثرت آنے لگے تو ان سے عرض کیا گیا، اگر آپ ایک مستملی بنالیں تو لوگ سننے لگیں، مستملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے پھر اس کو ایک جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا ہے، اس پر آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، آپ کی حرمت و عزت حیات و وفات میں برابر ہے۔

ابن سیرین علیہ الرحمہ ایک ہنس مکھ آدمی تھے، لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تو متواضع ہو جاتے اور حضرت عبدالرحمن بن مہدی علیہ الرحمہ جب حدیث نبی کریم ﷺ پڑھتے تو خاموش رہنے کا حکم فرماتے اور فرماتے کہ ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ (الحجرات:۲) اس کی تاویل میں کہتے کہ قرآت حدیث کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ سے سننے کے وقت سکوت واجب ہے۔

تیسری فصل

روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت کے وقت اس کی تعظیم و توقیر میں سلف کی یہ عادت ہے کہ:

حدیث: عمرو ابن میمون علیہ الرحمہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سال حاضر رہا، میں نے نہیں سنا کہ انھوں نے یہ کہا ہو کہ "رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا"، مگر ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جاری ہو گیا، پھر وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر پسینہ دیکھا اور وہ ٹپک رہا تھا، پھر فرمایا: انشاء اللہ عزوجل ایسا ہی ہے یا اس سے کم و زیادہ یا اس کے قریب قریب۔ (اللہ اللہ یہ روایت میں ادب اور احتیاط ہے، مترجم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے چہرے کا رنگ متغیّر ہو گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی رگیں پھول گئیں۔

(سنن دارمی ج ۱ صفحہ ۸۲)

ابراہیم بن عبداللہ بن قریم انصاری علیہ الرحمہ قاضی مدینہ منورہ کہتے ہیں کہ امام مالک بن انس ابو حازم علیہ الرحمہ پر گزرے کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے سو آپ وہاں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میں نے ایسی جگہ نہ پائی کہ بیٹھ سکوں اور اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی سماعت کروں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

آیا، اس نے ایک حدیث دریافت کی، آپ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے پھر یہ حدیث بیان کی، جب اس شخص نے آپ سے کہا: میری خواہش تو یہ تھی کہ حضرت لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرمادیتے، اٹھنے کی زحمت نہ فرماتے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے لیٹے بیان کروں۔

اور محمد بن سیرین علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ اگر وہ ہنس بھی رہے ہوں اس وقت بھی اگر کوئی انھیں حضور ﷺ کی حدیث سناتا تو معًا سن کر اور متواضع ہوجاتے۔

ابومصعب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس علیہ الرحمہ اظہار عظمت و جلال کے لیے وضو کر کے حدیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے، حضرت مالک بن انس علیہ الرحمہ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو وضو کرتے، مؤدب بیٹھتے اور عمدہ لباس پہنتے پھر حدیث بیان کرتے۔

مصعب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس اہتمام کے بارے میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا، فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ (گویا بیان حدیث میں جتنا بھی اہتمام و ادب ملحوظ رکھا جائے در حقیقت اس سے عظمت و شان رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ مترجم)

مطرف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے پاس آتے تو پہلے آپ کی لونڈی (جاریہ) آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہو یا مسئلہ دریافت کرنے، پس اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فورا ہی باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ جاتے، غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے، عمامہ باندھتے، پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے تخت، بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف لاتے اور اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے، اس طرح پر کہ آپ پر انتہائی عجز و انکسار

طاری ہوتا، جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابر اگر کی خوشبو سلگائی جاتی رہتی، دیگر راویوں نے کہا کہ اس تخت پر آپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کو حدیث رسول ﷺ بیان کرنی ہوتی۔

ابن ابی اویس علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے کسی نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا: میں اسے بہت محبوب رکھتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی خوب تعظیم کروں، میں باوضو بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں، فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کی جائے اور فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو خوب سمجھا کر بیان کروں۔

ضرار بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک بلا وضو حدیث کی قرات مکروہ ہے، اسی طرح قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت اعمش علیہ الرحمہ جب حدیث بیان کرتے، اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ بلا وضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے، اس حال میں آپ کے سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا، (شدت تکلیف سے) آپ کا رنگ متغیّر ہو گیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا مگر حدیث رسول ﷺ کو قطع نہ فرمایا، پس جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو آپ سے میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی، آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے حدیث رسول ﷺ کی عظمت و جلال کی بنا پر صبر کیا۔

ابن مہدی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک علیہ الرحمہ کے ساتھ (بازار) عقیق گیا، راہ میں میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: کیا تم میرے نزدیک اس سے بزرگ تر ہو کہ راستہ میں حدیث رسول ﷺ کو دریافت کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے جریر بن عبدالحمید قاضی علیہ الرحمہ نے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے تو ادب سکھایا جائے، آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم فرمایا، کسی نے آپ سے کہا: یا امام یہ قاضی ہے، فرمایا: قاضی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ہشام بن غازی علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے ہوئے تھے، تب آپ نے اس کے بیس (۲۰) درے (کوڑے) مارے اس کے بعد آپ نے مہربانی فرمائی اور 20 حدیثیں اسے بیان فرمائی۔

اس وقت ہشام علیہ الرحمہ نے کہا: کاش! آپ (علیہ الرحمہ) اور زیادہ درے (کوڑے) لگاتے اور زیادہ حدیث پاک بیان فرماتے یہ مجھے محبوب ہے۔

عبداللہ بن صالح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ ہے اور حضرت لیث علیہ الرحمہ دونوں بے وضو حدیث کی کتابت نہیں کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تو حدیث نبوی ﷺ کی بغیر وضو کے نہ قرات کرتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور حضرت اعمش رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو اگر بے وضو ہوتے تو تیمم ہی کر لیتے۔

چوتھی فصل

اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم وتوقیر

حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی آل و اولاد اور ازواج (امہات المومنین) کی تعظیم و توقیر کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب و تلقین فرمائی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ﴾

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے۔ (الاحزاب:۳۳)

اور ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ﴾

اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (الاحزاب:۶)

حدیث: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں، یہ تین مرتبہ فرمایا (یعنی اہل بیت کی تعظیم و توقیر کرو) (صحیح مسلم کتاب الفضائل الصحابہ ج ۴ ص ۱۸۷۳)، ہم نے زید رضی اللہ عنہ سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی، فرمایا: یہ آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم

اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گئے، ایک کتاب اللہ عزوجل اور دوسری میری عترت اہل بیت

ہے، اب تم غور کرو کہ کس طرح تم ان دونوں کے بارے میں میری نیابت کرو گے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت ج ۵ ص ۳۲۸-۳۲۹)

حضور ﷺ نے فرمایا: آل نبی (ﷺ) کی معرفت دوزخ سے نجات اور آل نبی (ﷺ) سے محبت صراط پر گزرنے میں آسانی اور آل نبی (ﷺ) کی ولایت کا اقرار عذاب الٰہی سے حفاظت ہے۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ آل نبی ﷺ کی منزلت کی معرفت نبی کریم ﷺ کی معرفت و عزت کی وجہ سے ہے، چنانچہ جس نے آل نبی ﷺ کی عزت پہچان لی بلاشبہ اس نے ان کی اس عزت و حقوق کی معرفت پالی جو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (الاحزاب: ۳۳)

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اتری تھی تو اس وقت حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک چادر میں ان کو ڈھانپ لیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور ﷺ کے پس پشت بیٹھے تھے، پھر حضور ﷺ نے یہ دعا کی: اے خدا یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رِجْس (ناپاکی) کو دور فرما کر طیب و طاہر بنا دے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت ج ۵ ص ۳۲۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت مباہلہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور کہا کہ اے خدا یہ لوگ میرے

اہل ہیں۔(صحیح مسلم کتاب فضائل علی ج ۲ صفحہ ۱۸۷)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: جس نے علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کو دوست رکھا تو علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) بھی اس کے دوست ہیں، اے خدا جس نے ان سے دوستی رکھی تو بھی اس کو دوست رکھ اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بھی اسے مبغوض رکھ (سند امام احمد ج ۱ صفحہ ۱۱۸) اور یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کے حق میں فرمایا: اے علی! (کرم اللہ وجہہ الکریم) تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تمہارا دشمن ہو گا (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ صفحہ ۸۶) اور حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ ہو گا یہاں تک کہ تم کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے لیے دوست نہ رکھے اور جس نے میرے چچا کو ایذا دی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی اس لیے کہ چچا کا مرتبہ بمنزلہ باپ کے ہے اور (ایک دن) حضور (ﷺ) نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا کل صبح اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آنا، چنانچہ وہ سب آئے اور حضور ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں اور یہ میرے اہل ہیں اور خدایا ان کو آگ سے اس طرح چھپائے رکھ جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے، اس پر گھر کے در و دیوار نے آمین آمین کہا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ صفحہ ۷۱) (اسی طرح) حضور ﷺ اسامہ بن زید اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑتے اور دعا مانگتے: اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ ج ۵ ص ۲۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و تکریم آپ ﷺ کے اہل بیت میں کرو (صحیح بخاری کتاب مناقب قرابت رسول اللہ کا ج ۵ صفحہ ۱۸) اور یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے اس ذات

کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قرابت اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب قرابۃ رسول اللہ ج۵ صفحہ ۱۸، مسلم کتاب الجہاد والسیر ج۲ ص ۱۳۸۰)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس نے اللہ عزوجل سے محبت رکھی (سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ ص ۳۴۳، مقدمہ من ابن ماجہ) اور یہ بھی فرمایا: جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے ان دونوں (یعنی حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اور یہ کہ ان دونوں کے والدین میرے ساتھ میری جگہ پر بروز قیامت ہوں گے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ ص ۳۲۴، مقدمہ سنن ابن ماجہ ج۱ ص ۵۱)

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کی بے عزتی کی اللہ عزوجل اس کی بے عزتی کرے (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ صفحہ ۳۷۳) اور فرمایا: قریش کو آگے بڑھاؤ تم ان سے آگے نہ بڑھو۔(بزار فضل قریش ج ۳ ص ۲۹۶) اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔(صحیح بخاری کتاب المناقب ج۵ ص ۲۵)

عقبہ بن حرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے کندھوں پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے ماں باپ قربان یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہیں اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مشابہ نہیں ہیں اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرا رہے تھے۔(بخاری کتاب المناقب ج۵ ص ۲۵)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ضرورت سے گیا، تو انھوں نے مجھ سے کہا: جب تمھیں کوئی

ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کرو یا خط لکھ دیا کرو کیونکہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ بنفس نفیس خود کسی ضرورت سے میرے دروازہ پر تشریف لائیں۔

شعبی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے جنازہ کی صلوۃ پڑھی اس کے بعد ان کے پاس ان کا خچر لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہو جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دوڑ کر اس کی رکاب کو تھام لیا، تب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اسے چھوڑ دیجیے، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم علما کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں، اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو کہا: کاش یہ میرے غلام ہوتے، اس وقت کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں، تب آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور زمین کو ہاتھوں سے کریدنے لگے اور کہا: اگر انھیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو ضرور محبوب رکھتے۔

صحابیِ رسول حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دربار میں اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے پہنچی تو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اس صاحبزادی کے لیے کھڑے ہو گئے اور دوڑ کر ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بچی (صاحبزادی) کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں کپڑا لپیٹ کر تھام لیا اور ان کو ساتھ لے کر اپنی مجلس میں لے آئے اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جو بھی ضرورت تھی، اسے پورا فرما دیا۔

(اسی طرح) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار

(درہم یا دینار سالانہ) اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے ساڑھے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) مقرر فرمائے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے کہا: آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اتنا کیوں زیادہ مقرر فرمایا حالانکہ خدا کی قسم انھوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت نہیں لی ہے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اس لیے ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اس لحاظ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تم سے زیادہ حضور ﷺ کو محبوب تھے، لہذا میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو اپنے محبوب (فرزند) پر ترجیح دی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ صفحہ ۳۴۰)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری رکھتے ہیں، چنانچہ (ایک مرتبہ) جب وہ گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے اور آپ کے دربار میں پہنچے تو آپ اپنے تخت پر (تعظیم کے لیے) کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور مرغاب کا علاقہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری کی بنا پر ان کو عنایت فرما دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے جب جعفر بن سلیمان نے کوڑے مارے تھے اور وہ امام پر بہت ناراض ہوا تھا اور آپ کو بے ہوش وہاں سے اٹھا کر لایا گیا تھا، جب آپ کو ہوش آیا تو لوگ (مزاج پرسی کے لیے) آئے، آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اپنے مارنے والے (جعفر بن سلیمان) کو معاف کر دیا، کسی نے پوچھا: کیوں آپ معاف فرما رہے ہیں؟ فرمایا: اس لیے کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اگر مجھے موت آگئی اور اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو مجھے شرمندگی ہوگی کہ میری مار کے سبب سے حضور ﷺ کے کسی قرابتی کو جہنم میں ڈالا جائے۔ (اللہ اکبر یہ عظمت ہے

آل نبی ﷺ کی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ منصور نے امام علیہ الرحمہ کا بدلہ جعفر سے لینے کا ارادہ کیا تو امام علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں واللہ اس کے کوڑوں میں سے جو کوڑا بھی میرے جسم سے ہٹتا تھا میں اس وقت معاف کر دیتا تھا، اس لیے کہ اس کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔

حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کسی ضرورت سے تشریف لائیں تو پہلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ضرورت کو پورا کروں گا کیونکہ انھیں رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے، اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی ڈال دیا جائے تو بھی مجھے یہ محبوب ہو گا کہ ان دونوں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقدم، رکھوں۔ (اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے شیخین افضل ہیں لیکن قرابت کے لحاظ سے انھیں فوقیت ہے۔ مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ فلاں زوجہ نبی کریم ﷺ انتقال کر گئی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے سجدہ کیا، کسی نے کہا یہ کون سا سجدہ کا وقت ہوا، فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب تم کسی نشانی (آیت) کو دیکھو تو سجدہ کرو، لہذا زوجہ نبی ﷺ کے انتقال سے بڑھ کر کون سی نشانی ہو گی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۶، سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۰۷)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی مولاۃ (باندی) تھیں زیارت کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں زیارت سے نوازا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ صفحہ ۱۹۰۷)

(اسی طرح) جب دائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آتیں تو حضور ﷺ ان کے لیے اپنی چادر بچھاتے اور ان کی ضرورت کو پورا فرماتے، جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اور وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتیں تو وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۱۴)

پانچویں فصل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم

حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و توقیر، ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی پیروی، خوبی سے ان کو یاد کرنا، ان کے لیے طلب رحمت کرنا، ان کے باہمی تنازعات و اختلافات سے پہلوتہی اور اعراض کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے اور (اس میں سے یہ بھی ہے کہ) مورخین (کی بے سروپا) خبریں اور جاہل راویوں، گمراہ رافضیوں، اہل بدعت و ہوا کی وہ خبریں جس میں کسی صحابی کی شان رفیع میں جرح وقدح کی گئی ہے اور ہر وہ بات جو ایسے لوگوں کی طرف سے (بلا تحقیق) منقول ہوں ان سب سے بچنا اور اعتماد نہ کرنا لازم ہے، اور (اسی طرح) صحابہ کرام علیہم الرضوان میں جو باہمی تنازعات ہوئے تھے انھیں تاویل حسن اور عمدہ مخرج پر محمول کرنا چاہیے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علوِ مرتبت اسی کی مقتضی اور مستحق ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو برائی اور سور ظنی سے یاد نہ کیا جائے اور نہ کسی پر کوئی عیب و الترام منسوب کیا جائے بلکہ ان کے فضائل و مناقب، حسنات و برکات اور خصائل محمودہ کو یاد کیا جائے اور ان کے سوا دیگر امور سے سکوت و خاموشی اختیار کی جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میرے صحابہ علیہم الرضوان کو (برائی سے) یاد کیا جائے تو خاموش رہو۔ (طبرانی کبیر ج ا صفحہ ۲۴۴) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔(الفتح:۲۹)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار ہیں۔(التوبہ:۱۰۰)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔(الفتح:۱۸)

اور فرمایا:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ﴾

کچھ مرد وہ ہیں جنھوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔(الاحزاب:۲۳)

حدیث: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میرے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا و پیروی کرو (سنن ترمذی ج۵ ص ۱۳۱۷ مقدمہ سنن ابن ماجہ ج ۱صفحہ ۳۷) اور فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مثال ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کھانے میں نمک کی مثل ہیں کہ کھانا بغیر نمک کے عمدہ ہوتا ہی نہیں (کشف الاستار ج۳

اور فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈروانھیں اپنی اغراض مشئومہ کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض وعداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی اور جس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی وہ بہت ج اس کی پکڑ میں آئے گا اور فرمایا: کہ میرے صحابہ کو برا (گالی) نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے (جو صحابی نہیں ہے) کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو میرے صحابہ کے ایک مد یعنی دو رطل یا اس کے آدھے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا (صحیح مسلم کتاب الفصائل ج۵ صفحہ ۱۹۶۷) اور فرمایا: جس نے میرے صحابہ علیہم الرضوان کو گالی دی تو اس پر اللہ عزوجل کی اور اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ عزوجل اس شخص کا کوئی فرض ونفل قبول نہ فرمائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج۷ صفحہ ۱۰۳، مسند الفردوس ج۵ صفحہ ۱۴) اور فرمایا: جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل نے سارے جہان کے لوگوں پر انبیاو مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے صحابہ کو فضیلت بخشی ہے، پھر ان میں سے میرے لیے چار صحابہ کو منتخب فرمایا، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان او حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، یہ میرے صحابہ میں سب سے بہتر ہیں، درآنحالیکہ تمام صحابہ ہی بہترین ہیں۔

(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۶)

اور فرمایا: جس نے حضرت عمر سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔ (مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ سے دشمنی کی اور انھیں گالیاں دی تو اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ سورہ حشر کی اس آیت

﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ سے استخراج کیا اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حضور ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھا وہ کافر ہے، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ (الفتح:۲۹)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا ایک صدق (سچائی) دوسری حضور ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان سے محبت۔

حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی بیشک اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس پر سیدھا راستہ کشادہ ہو گیا اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو وہ اللہ عزوجل کے نور سے مستفیض ہوا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی بلاشبہ نے عروہ وثقی (مضبوط رسی) تھام لی اور جس نے تمام صحابہ کرام کی خوبی کے ساتھ تعریف کی تو وہ نفاق سے بری ہو گیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص شان کی وہ مبتدع، مخالف سنت اور طریقہ سلف صالح کا دشمن ہے، میں خوف کرتا ہوں کہ ایسے شخص کا کوئی عمل (خیر) آسمان پر صعود نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے اور ان سے اس کا دل سالم ہو۔

اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تم بھی ان کو پہچان لو، اے لوگو! میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم سے راضی ہوں تم بھی ان سب کو پہچان لو، اے لوگو! اللہ عزوجل نے تمام اہل بدر و حدیبیہ کو بخش دیا ہے، اے لوگو! میرے صحابہ، میرے خسر اور میرے داماد کی عزت و احترام کے بارے

میں میری نصیحت یادرکھو، ان میں سے کوئی تم سے اپنا ظلم (بدگوئی لعن طعن وغیرہ کرکے) طلب نہ کرے کیونکہ وہ ظلم ہے جو کل بروز قیامت نہ بخشا جائے گا۔ (مجمع الزوائد ج۹ صفحہ ۱۵۷)

ایک شخص نے معاقی بن عمر سے کہا: کہاں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بوجہ عدل فضیلت ہے) اس پر وہ غصہ ہوئے اور کہا: حضور ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دوسروں کو قیاس مت کرو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابی، حضور ﷺ کے مہر (سالے یعنی زوجہ کے بھائی) حضور ﷺ کے کاتب وحی اور اللہ عزوجل کی وحی کے امین تھے۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان (رضی اللہ عنہ) سے بغض و دشمنی رکھتا تھا لہذا خدا بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ ص ۲۹۴)

حضور ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا: مسلمانو! ان کی برائیاں (لغزشیں) معاف کردو اور نیکیاں قبول کرلو (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۹۰ صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۱ ص ۱۹۴۹) اور فرمایا: میرے صحابہ اور سسرال کی عزت واحترام کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کرو جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یادرکھی اسے اللہ عزوجل دنیا و آخرت میں محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد نہ رکھی تو وہ خدا کی امان سے علیحدہ ہوگا اور جو اللہ عزوجل کی امان سے علیحدہ ہوا تو وہ بہت ج اس کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ (مجمع الزوائد ج۴ صفحہ ۱۶)

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی تو میں بروز قیامت اس کا محافظ ہوں گا اور فرمایا: جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی

حفاظت کی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا اور جس نے حفاظت نہ کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئے گا، یہی نہیں بلکہ مجھے دیکھ بھی نہ سکے گا مگر یہ کہ وہ مجھ سے بہت دور ہو گا۔ (مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۶)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی محترم ہیں جو لوگوں کو ادب سکھاتے ہیں اور اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے ہمیں ہدایت دی اور یہ وہ نبی ہیں جو سارے جہان کے لیے رحمت ہیں، آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بقیع کی طرف تشریف لے جاتے ان کے لیے دعا مانگتے اور استغفار کرتے ہیں، اس طرح پر جیسے کہ کوئی انھیں رخصت کرتا ہے اور اسی بات کا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ عزوجل نے حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی محبت، دوستی کا حکم دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے دشمنی کا حکم دیا جو ان سے دشمنی رکھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز ج۲ صفحہ ۲۲۹)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت کریں۔

(طبقات ابن سعد ج۵ ص ۲۳)

سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی عزت و توقیر نہیں کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام و نصیحت کی عظمت نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔

چھٹی فصل

آثار و مقامات متبرکہ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و احترام میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہو اس کی عزت و عظمت کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل مقدسہ، مقامات معظمہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مکانات منسوبہ اور ہر وہ چیز جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی چھوا ہو یا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشہور ہو گئی ہو ان سب کی تعظیم و توقیر کرنا (اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر واجب ہے)

صفیہ بنت نجدہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے بال اتنے دراز تھے جب وہ بیٹھ کر لٹکاتے تو زمین سے لگ جاتے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمایا: میں اسے ہرگز کٹوانے کے لیے تیار نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہے۔

اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک (بال تھے) جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کے لیے تیزی سے دوڑے، جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام علیہم الرضوان شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا، فرمایا: میں نے صرف ٹوپی حاصل کرنے کے لیے اتنی تگ و دو نہیں کی ہے بلکہ اس ٹوپی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے

مبارک (بال) تھے، مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر مشرکین کے ہاتھ میں پڑ گئی تو اس کی برکت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ (مجمع الزوائد ج و ص ۳۴۹، متدرک ج ۳ ص ۲۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر ان کو اپنے چہرہ پر ملتے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ا صفحہ ۲۳۹)

اسی عظمت مقام کی وجہ سے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ مدینہ منورہ میں جانور پر سوار ہو کر نہ چلتے اور فرماتے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں سواری کے جانور سے ارض مقدس کو پامال کروں جہاں اللہ عزوجل کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں، بروایت خود آپ علیہ الرحمہ نے یہ اس وقت فرمایا جبکہ آپ علیہ الرحمہ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو بہت سے گھوڑے عنایت فرمائے تو انھوں نے عرض کیا: ایک گھوڑا تو آپ علیہ الرحمہ اپنے لیے روک لیتے اس کے جواب میں مذکورہ قول فرمایا۔

ابو عبدالرحمن سلمی علیہ الرحمہ، احمد بن فضلویہ زاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوات (جہاد) میں (معروف) تیر انداز تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اس کمان کو کبھی بغیر وضو نہیں چھوا جب سے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے ایک شخص کو بیس کوڑے مارنے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے (معاذ اللہ) یہ کہا تھا کہ مدینہ کی زمین ردی ہے حالانکہ وہ شخص عزت دار تھا۔

آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ شخص تو گردن مار دینے کے قابل تھا کہ جس مقدس زمین میں حضور ﷺ دفن ہوں وہ اسے پاک (طیب) گمان نہیں کرتا۔

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص اس

مقدس سرزمین میں نئی بات (بدعت سیئہ) رائج کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ عزوجل کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس سے کوئی فرض و نفل اللہ عزوجل قبول نہ فرمائے گا۔

ایک روایت ہے کہ جہجاہ غفاری نے حضور ﷺ کی چھڑی مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس لیے چھینی کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے، لوگ اس پر چیخ پڑے، بالآخر اس کے گھٹنے میں آکلہ پیدا ہو گیا (جب وہ گلنے لگا) تو وہ گھٹنا کاٹا گیا اور اسی سال وہ مر گیا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے منبر کے پاس کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اور ابوالفضل جوہری علیہ الرحمہ سے یہ روایت مجھے ملی ہے کہ جب وہ زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آبادی شروع ہوتے ہی سواری سے اتر پڑے اور روتے ہوئے پیدل چلنے گئے، اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھا۔

وَلَمَّا رَاَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا   فُؤَادًا لِعَرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

جب ہم نے اس ہستی مقدس کے نشانات کو دیکھا جس نے ہمارے عقل و خرد کو نشانات کی معرفت کے لیے نہ چھوڑا۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِىْ كَرَامَةً   لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُّلِمَّ بِهٖ رُكْبًا

تو ہم اس محبوب کی بزرگی کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے تاکہ اس سے بچیں جس نے سوار ہو کر زیارت کی اور دربار سے دور کر دیا گیا تھا، پاپیادہ چلتے ہیں۔

کسی ایک طالبان حق سے مروی ہے کہ جب وہ مدینہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔

رُفِعَ الْحِجَابُ لَنَا فَلَاحَ لِنَاظِرٍ قَمَرٌ تَقَطَّعَ دُوْنَهُ الْأَوْهَامُ

ہم سے جب پردہ اٹھایا گیا تو دیکھنے والے کو ایسا چاند نظر آیا جس سے تمام اوہام فنا ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا فَظُهُوْرُ هُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ

جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہو جائے تو اب کجاوؤں پر بیٹھنا حرام ہے۔

قَرَّبْنَنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَطِيَ الثَّرٰى فَلَهَاعَلَيْنَا حُرْمَةٌ وَّذِمَامُ

ہم کو ایسی بارگاہ میں رسائی میسر آگئی جو زمین کے پامال کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں تو اب سواریوں کو ہماری جانب سے امن و امان ہو۔

مشائخ کرام سے مروی ہے کہ کسی بزرگ نے پیدل حج کیا، کسی نے ان سے وجہ دریافت کی، فرمایا: کیا نافرمان یا بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس سوار ہو کر آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو سر کے بل چل کر حاضر ہوتا نا کہ قدموں کے بل۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان مقامات مقدسہ کی بھی تعظیم لازم ہے جہاں وحی، قرآنی آیات اور جبرئیل و میکائیل علیہما السلام وغیرہ اترے ہیں اور وہاں سے فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اور دو میدان جہاں تسبیح و تقدیس کی آواز میں گونجا کرتی تھیں اور وہ سرزمین مقدس جہاں حضور سید البشر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے اوقات عزیزہ گزارے اور وہاں سے دین اسلام اور سنت رسول انام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور وہ نشانیاں اور مسجدیں جہاں درس دیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی گئیں، فضائل و برکات اور معاہدہ براہین و معجزات اور دینی احکام و مسائل، مسلمانوں کے لیے شعائر اسلام سید المرسلین صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم کے قیام پذیر ہونے کے مقامات، خاتم النبیین صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم کے وہ منازل و جائے سکونت جہاں سے ثبوت کے چشمے جاری ہوئے اور بکثرت فیضان رسالت جہان میں پھیلے اور وہ مکانات جہاں رسالت کے فیوض و

برکات شامل ہیں اور وہ زمین مقدس جو سید عالم ﷺ کے جسم مقدس سے چھو کر سرفراز ہوئی، ان تمام میدانوں کی تعظیم و توقیر کی جائے، وہاں کی خوشبوؤں کی ہوا لی جائے، ان کے مکانوں، دیواروں کو چوما (بوسہ دیا) جائے۔

يَا دَارَ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَمَنْ بِهِ هُدَى الْأَنَامِ وَخُصَّ بِالْاٰيَاتِ

اے سید المرسلین کے کاشانہ اقدس اور ہر وہ چیز جو ان سے منسوب ہے جن سے لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عِنْدِيْ لِاَجَلِكَ لَوْعَةٌ وَّصَبَابَةٌ وَتَشَوُّقٌ مُسْتَوَقَّدُ الْجَمَرَاتِ

میرے پاس تمہارے لیے سوزش عشق اور ایسا شوق ہے جس سے چنگاریاں روشن ہیں۔

وَعَلَيَّ عَهْدٌ اِنْ مَلَاْتُ مَحَاجِرِيْ مِنْ تِلْكُمُ الْجُدْرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ

قسم بخدا میں اپنی آنکھوں کو تمہارے ان دیواروں اور میدانوں سے بھر لوں گا۔

لَاُعَفِّرَنَّ مَصنوْنَ شَيْبِي بَيْنَهَا مِنْ كَثْرَةِ التَّقْبِيْلِ وَالرَّشْفَاتِ

میں ان مقامات کو کثرت سے بوسہ دے کر اور لپٹ کر اپنی سیاہ داڑھی کو گرد آلود کر لوں گا۔

لَوْلَا الْعَوَارِىْ وَالْأَعَادِيْ زُرْتُهَا أَبَدًا وَلَوْ سَحْبًا عَلَى الْوَجْنَاتِ

اگر مجھے موانع اور میرے دشمن نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان کی زیارت کرتا، اگرچہ میرے رخسار گرد آلود ہو جائیں۔

وَلٰكِنْ سَاُهْدِىْ مِنْ حَفِيْلِ تَحِيَّتِيْ لَقَطِيْنِ تِلْكَ الدَّارِ وَالْحُجُرَاتِ

لیکن میں بہت جلد ان گھروں اور کمروں کے رہنے والوں پر صلوٰۃ و سلام کے بکثرت تحفے پیش کروں گا۔

اَزْكٰى مِنَ الْمِسْكِ الْمُفَتَّقِ نَفْحَةً تَغْشَاهُ بِالْاٰصَالِ وَالْبُكُرَاتِ

جو مشک سے زیادہ خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی، جسے صبح و شام ڈھانک لیں گی۔

وَتَخُصهٗ بِزَوَاكِيَ الصَّلَوَاتِ وَنَوَا مِی التَّسْلِيْمِ وَالْبَرَكَاتِ

ان کو پاکیزہ درود اور زیادتی سلام و برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

چھوتھا باب

درود وسلام کی فرضیت وفضیلت

یہ بات حضور ﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجنے کی فرضیت اور اس کی فضیلت کے بیان کرنے میں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ﴾ (الاحزاب:۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے (نبی) پاک پر درود بھیجتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر برکت نازل کرتے ہیں (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۱۳۶) اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ عزوجل نبی پاک پر رحم فرماتا اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور میسرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صلوۃ کے اصل معنی رحم کرنے کے ہیں، لہذا آپ ﷺ پر اللہ عزوجل کی جانب سے رحم اور فرشتوں کی طرف سے نرمی اور اللہ عزوجل سے رحمت فرمانے کی استدعا ہے۔ اور حدیث میں ملائکہ کی صلوۃ کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ شخص جو نماز کے انتظار میں بیٹھے (اس کے لیے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ) اے خدا اسے بخش دے اے خدا اس پر رحم فرما گویا یہ فرشتوں کی دعا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جد ا صفحہ ۴۵۹)

بکر قریشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی جانب سے صلوۃ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے سوا ہیں ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خاص نبی کریم ﷺ پر صلوۃ

نازل فرمانا آپ ﷺ کی بزرگی و کرامت میں اضافہ کرنا ہے۔

ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ عزوجل کی صلوۃ یہ ہے کہ مجمع ملائکہ میں حضور ﷺ کی مدح و ثنا کرے اور فرشتوں کی صلوۃ یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔

حضرت قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ (خود) پر درود پڑھنے کی تعلیم کی اور حدیث میں لفظ صلوۃ اور لفظ برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے، لہذا یہ دلیل اس امر کی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے جداگانہ معنی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجیں تو اس بارے میں قاضی ابوبکر ابن بکیر علیہ الرحمہ کا قول یہ ہے کہ حضور پر اس آیت کریمہ کے نازل فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ پر سلام پیش کریں، اسی طرح صحابہ کے بعد والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بوقت حاضری قبر انور اور بوقت ذکر حضور ﷺ آپ پر سلام عرض کریں، آپ ﷺ پر سلام عرض کرنے کے معنی میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفیق پر سلامتی ہو، اس معنی میں "سلامت" مصدر ہوگا جیسے لذاذ اور لذاذت۔

دوسرا قول یہ کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محافظین، آپ ﷺ کی رعایت کرنے والوں، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی کفالت کرنے والوں پر سلام ہو، اس معنی کے لحاظ سے سلام اللہ عزوجل کا نام (اسمائے حسنی میں سے) ہوگا۔

تیسرا قول یہ کہ سلام بمعنی مسالمت یعنی آپ ﷺ سے صلح و فرمانبرداری کے ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔(النساء:۶۵)

پہلی فصل

درود شریف کی فرضیت

واضح ہونا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فی الجملہ فرض ہے، کسی خاص وقت کے ساتھ محدود معین نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر علی الاطلاق درود بھیجنے کا حکم دیا۔

ائمہ وعلماء نے اس حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے اور ابو جعفر طبری علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کو استحباب پر حمل کر کے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہو چونکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے سے بوجہ حرج کے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ گناہ جو ترک واجب وفرض سے لازم آتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ ہے جس طرح حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا (کہ صرف عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا فرض ہے) اس کے بعد مستحب ومحبوب ہے اور اہل اسلام کے شعار وعلامات میں سے ہے۔

قاضی ابوالحسن بن قصار علیہ الرحمہ جو مالکیوں میں مشہور (فقیہ ہیں) فرماتے ہیں کہ درود بھیجنا فی الجملہ انسان پر واجب ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی تمام عمر میں باوجود قدرت زیادتی کے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

اور قاضی ابوبکر بن بکیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنی تمام مخلوق پر فرض کیا ہے کہ وہ

حضور نبی کریم ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کریں، اس کے لیے کوئی معین وقت لازم نہیں ہے، لہذا انسان پر واجب ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے اور اس سے غفلت نہ برتے۔

قاضی ابو محمد بن نصر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

قاضی ابو عبداللہ محمد بن سعید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب اہل علم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ فی الجملہ بعد ایمان حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے، نماز میں پڑھنے کی تخصیص نہیں ہے، کسی نے ایک مرتبہ بھی اپنی تمام عمر ہے، میں آپ ﷺ پر درود پڑھ لیا تو فرض اس سے ساقط ہو گیا۔

اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ جس درود شریف کے پڑھنے کا اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے وہ صرف میں فرض ہے اور اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بالاتفاق واجب نہیں ہے اور امام ابو جعفر طبری اور امام طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ نے تمام متقدمین ومتاخرین علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد (قعدہ نماز) میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے، اس مسئلہ میں صرف امام شافعی علیہ الرحمہ تنہا ہیں، ان کا قول ہے کہ جس نے تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود نہ پڑھا، اس کی نماز فاسد ہے، اگرچہ وہ حضور ﷺ پر اس سے پہلے درود پڑھ چکا ہو پھر بھی جائز نہیں، امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس قول میں نہ تو کسی سلف کا قول ہے اور نہ سنت مردی، جس کی پیروی کی جائے، اس مسئلہ کے انکار و مخالفت میں متقدمین کی ایک جماعت نے مبالغہ کیا، انھوں نے کہا کہ یہ متقدمین کے برخلاف ہے، ان میں سے طبری اور قشیری رحمہا اللہ وغیرہ ہیں۔

ابوبکر بن منذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو نماز پڑھے اس پر نماز میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور جس نے نماز میں درود شریف کو چھوڑ دیا تو امام مالک علیہ الرحمہ اہل کوفہ

وغیرہ کے مذہب میں نماز ہو جائے گی اور یہی مذہب تمام اہل علم کا ہے۔

حضرت امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں مستحب ہے اور اگر اس نے چھوڑ دیا تو گناہگار ہوگا، صرف امام شافعی علیہ الرحمہ کا منفرد قول ہے کہ نماز میں چھوڑنے والے پر نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اسحق علیہ الرحمہ قصداً چھوڑنے والے پر اعادہ واجب بتاتے ہیں نہ کہ بھول کر چھوڑنے والے پر۔

ابو محمد بن ابی زید علیہ الرحمہ، محمد بن مواز علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرض ہے اور ابو محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم فرائض نماز میں سے نہیں ہے، اسے محمد بن عبدالحکیم علیہ الرحمہ وغیرہ نے بیان کیا اور ابن قصار و عبدالوہاب رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مواز علیہ الرحمہ نماز میں درود کو امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرح فرض خیال کرتے ہیں۔

اور ابو یعلی عبدی علیہ الرحمہ مالکی مذہب کے تین قول بیان کرتے ہیں، (۱) وجوب، (۲) سنت اور (۳) مستحب۔

شوافع میں سے خطابی علیہ الرحمہ نے اور دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول کی مخالفت کی ہے، چنانچہ خطابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ نماز میں درود واجب نہیں ہے اور یہی قول تمام فقہاء کا ہے بجز امام شافعی علیہ الرحمہ کے، میرے علم میں نہیں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پیشوا ہو، اب رہی اس کی دلیل کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں تو امام شافعی علیہ الرحمہ سے پہلے تمام سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے، بلاشبہ اس مسئلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ پر لوگوں نے خوب مخالفت میں شدت برتی ہے اور وہ تشہد جو امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جسے ان کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا، مگر ان کی روایت میں حضور

ﷺ پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ہر وہ تشہد کی روایت جو حضور ﷺ سے مروی ہے مثلاً روایت حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، جابر، ابن عمر، ابو سعید خدری، ابو موسی اشعری (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جا صفحہ ۳۰۲-۳۰۱-۳۰۴، سنن ابو داؤد کتاب الصلوۃ جا ص ۵۹۷-۵۹۴) اور عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہم کسی میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح سورۃ قرآنی سکھاتے تھے، ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس طرح ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح بچوں کو کتاب پڑھائی جاتی ہے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشہد سکھایا (مستدرک کتاب الصلوۃ ج ا صفحہ ۲۲۶) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الطھارۃ ج ا ص ۱۴۰، دارقطنی کتاب الصلوۃ ج ا ص ۳۵۵، سنن کبری ج ۲ صفحہ ۳۷۹، مستدرک کتاب الصلوۃ جا ص ۲۲۲) اس روایت کو تمام محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔

ابن جعفر علیہ الرحمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔

دارقطنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول وہ ہے جو ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی اہل بیت پر درود نہ پڑھوں تو یقیناً میرے نزدیک ایسی نماز پوری نہ ہوگی۔

دوسری فصل

وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے

حضور نبی کریم ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنا جہاں مستحب ہے اور جس کی ترغیب دی ہے اب ان مواقع کو بیان کیا جاتا ہے، اول مقام تو تشہد ہے جس کی حضور ﷺ نے ترغیب دی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے کہ یہ تشہد کے بعد دعا سے پہلے ہے۔

حدیث: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا مانگی مگر نبی کریم ﷺ پر اس نے درود نہ پڑھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا، اسے اور دوسروں کو تعلیم فرمائی کہ جب تم نماز پڑھو تو اللہ عزوجل کی حمد وثنا سے شروع کرو پھر مجھ پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔ دوسری سند میں ہے کہ اللہ عزوجل کی تمجید سے شروع کرو یہی سند صحیح ہے۔

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ۲ صفحہ ۶۲ سنن ترمذی ج ۵ صفحہ ۱۸، سنن نسائی کتاب الصلوۃ ج ۳ صفحہ ۴۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دعا اور نماز آسمان وزمین کے مابین معلق رہتی ہے، اللہ عزوجل کے حضور میں اس وقت تک باریاب نہیں ہوتی جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ج ا ص ۳۰۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے اس کے ہم معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"وعلی آل محمد" بھی کہا جائے، ایک روایت میں ہے کہ دعا اس وقت تک محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ عزوجل سے سوال کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کی شان جلالت و کبریائی کے مطابق اس کی حمد و ثنا کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے کیونکہ اس کے بعد سزاوار ہے کہ وہ جو مانگے قبول ہو۔ (مجمع الزوائد ج ا صفحہ ۱۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی مانند نہ بناؤ کہ سوار اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے پھر اسے رکھتا ہے اور سامان اٹھاتا ہے، جب اسے پانی کی حاجت ہوتی ہے تو اس سے پیتا ہے، وضو کرتا ہے ورنہ اسے پھینک دیتا ہے لیکن مجھے تم اپنی دعا کے اول و آخر اور درمیان میں رکھو۔ (یعنی تین مرتبہ درود پڑھو)

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۵)

حضرت ابن عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان، پر، سامان اور اوقات میں پس اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو قوی ہوگی اور اگر پروں کے موافق ہوئی تو آسمان کی طرف اڑ جائے گی اور اگر وقتوں کے موافق ہوئی تو کامیاب ہو جائے گی اور اگر اسباب کے موافق ہوئی تو کمال تک پہنچ جائے گی، دعا کے ارکان حضور قلب، رقت سکون و قرار، خشوع اور اللہ عزوجل کے ساتھ دلی لگاؤ ہے اور اسباب و علائق سے قطع تعلق ہے اور اس کے پر صدق و سچائی اور اس کے اوقات صبح اور اس کے اسباب نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ دو (۲) درودوں کے درمیان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ہر ایک دعا آسمانوں میں محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دعا بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ دعا جسے حنش علیہ الرحمہ نے روایت کی جس کے آخر میں اَسۡتَجِبۡ دُعَائِیۡ (میری دعا قبول فرما) ہے اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر یہ درود ہے کہ اَنۡ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوۡلِكَ أَفۡضَلُ مَا صَلَّیۡتَ عَلٰی أَحَدٍ مِّنۡ خَلۡقِكَ أَجۡمَعِیۡنَ اٰمِیۡنَ۔

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے مواقع اور مقامات میں سے یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرے یا آپ ﷺ کا اسم مبارک سنے یا لکھے یا اذان سنے (تو درود پڑھے)

حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی ج ۵ صفحہ ۲۱۰)

ابن حبیب علیہ الرحمہ جانور کے ذبح کرتے وقت نبی کریم ﷺ کے ذکر کو مکروہ جانتے ہیں اور سحنون علیہ الرحمہ نے تعجب کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور کہا کہ حساب و کتاب اور ثواب کی نیت سے ہی درود شریف پڑھا جائے۔

اصبغ علیہ الرحمہ نے بروایت ابن قاسم علیہ الرحمہ کہا: دو مقام ایسے ہیں جہاں بجز ذکر الٰہی کے کچھ نہ کہا جائے، ایک وقت ذبح دوسرے چھینک کے بعد، ان دونوں جگہوں پر ذکر الٰہی کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہا جائے اور اگر ذکر الٰہی کے بعد "صلی اللہ علی محمد" کہا تو اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ اس درود کا ذکر نہ ہوگا۔ (یعنی بوقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ثابت نہ ہوگا، ایسی صورت میں ذبیح تسمیہ کے ساتھ ہی حلال ہوگا اور یہ اضافہ بہ نیت تقریب الٰہی ہوگا جو مکروہ نہیں ہے، مترجم) اس روایت کو اشہب علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور کہا: یہ سزاوار نہیں کہ بوقت ذبح یا چھینک کے ابتداء میں حضور ﷺ پر درود

پڑھے۔(اس صورت میں ابہام وفساد کا خطرہ ہے)

نسائی علیہ الرحمہ نے بروایت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی کہ بروز جمعہ کثرت سے درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔

(اسی طرح) درود وسلام کے بھیجنے کے مواقع میں سے دخول مسجد ہے، ابو اسحق بن شعبان علیہ الرحمہ کہتے ہیں اس شخص کو لائق ہے (چاہئے) کہ جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر درود بھیجے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر رحمت وبرکت کا خواستگار ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر سلام عرض کرے پھر کہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوْبِي وَافْتَحْ لِي اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ: (اے خدا میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو اس طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ عزوجل نے اپنے فضل ورحمت کا مقام گردانا ہے۔

عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ﴾ (النور:٦١) "پھر جب (تم) کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: اَلسَّلَامُ علَی النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مراد مسجدیں ہیں (تفسیر در منثور ج۶ صفحہ ۲۲۷) اور نخعی علیہ الرحمہ نے کہا: جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو: "السّلام علی رسول الله صلی الله علیه وسلم" اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو: السّلام علینا وعلی عباد الله الصالحین۔

علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کہتا ہوں: السّلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته صلى اللهُ وملئكتُه على محمد۔

اسی طرح کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو یہ کہتے مگر درود بھیجنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان رضی اللہ عنہ نے جو ذکر کیا ہے تو ان کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے ایسا ہی کرتے اور اسی کی مثل ابوبکر بن عمرو بن حرم علیہ الرحمہ سے مروی ہے، انھوں نے سلام ورحمت کا ذکر کیا ہے، اس حدیث کو ہم نے آخری قسم میں بیان کر کے لفظوں کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔

مقامات درود میں سے جنازہ کے ساتھ درود پڑھنا بھی ہے، ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور انہی مقامات درود میں سے وہ مقامات جن پر امت کا عمل برابر چلا آرہا ہے اور کسی نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجنے کا انکار نہیں کیا، مثلاً رسالوں اور کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درود کے صیغے لکھنے کا تعامل (عمل) ہے، حالانکہ یہ صدر اول میں نہ تھا بنی ہاشم کے دور حکومت سے رائج ہوا، اس کے بعد تمام روئے زمین پر بیٹل پھیل گیا اور انھیں سے یہ ہے کہ رسالوں کتابوں کے اختتام پر بھی درود لکھا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے فرشتے برابر ہمیشہ اس لکھنے والے کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ (اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا مِنْ هٰذَا الْفَضِيْلَةِ) اور مقامات درود میں سے نماز میں تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاسناد حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے

کہ ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ آخر تک یعنی وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ: جب تم یہ پڑھو گے تو اس کی وہ رحمت جو آسمان و زمین کے ہر نیک بندے کے لیے ہے اسے ملے گی، سلام کے مواقع میں سے یہ ایک موقع ہے اور سنت یہ ہے کہ یہ أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله سے پہلے کہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ یہ اس وقت پڑھا کرتے جب وہ تشہد سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرنے کا قصد کرتے تھے۔

امام مالک نے "مبسوط" میں اسے مستحب رکھا کہ ایسا ہی قبل سلام بھی دوبارہ پڑھے، محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے کہا کہ ان کی مراد وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ دونوں سلام پھیرنے سے پہلے السّلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السّلام علينا وعلى عباد الله الصالحين السّلام عليكم کہا کرتے تھے۔

اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ بوقت سلام انسان آسمان و زمین کے ہر صالح بندے خواہ وہ فرشتے ہوں، بنی آدم ہوں یا جن ہو سب کی نیت کرے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے "مجموعہ" میں فرمایا: میں مقتدی کے لیے مستحب جانتا ہوں کہ جب اس کا امام سلام کہے تو وہ السّلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السّلام علينا وعلى عباد الله الصالحين السّلام عليكم کہے۔

تیسری فصل

درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات

حضور اکرم ﷺ پر صلوۃ وسلام کس طرح پیش کرے، چنانچہ

حدیث: ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ پر ہم کس طرح درود بھیجیں؟ فرمایا: یوں کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی بحال تفسیر در منثور ج۲ ص۲۴۹)

امام مالک علیہ الرحمہ کی ایک روایت جو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہوں کہو "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" اور سلام وہی ہے جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اور حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ا صفحہ ۲۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اور اس کے معنی بیان کئے۔

حدیث: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور ارشاد فرمایا: ان کو جبریل علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور فرمایا کہ اسی طرح یہ رب العزت عزوجل کی جناب سے نازل ہوئے، وہ یہ کہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ا صفحہ ۲۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اسے پورا ناپ (ثواب) دیا جائے جب وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو چاہئے کہ یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ

عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اور زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ پر کس طرح درود بھیجیں تو فرمایا: درود پڑھو اور دعا میں خوب کوشش کرو پھر کہو:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

علامہ کندی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا یوں سکھایا:

اَللّٰهُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْكَاتِ إِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الحق بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَيْشَاتِ الْأَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِيْ مَرْضَاتِكَ دَاعِيًا لِّوَحْيِكَ حَافِظًا لِّعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نِفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسًا لِّقَابِسٍ اٰلَاءَ اللهِ تَصِلُ بِأَهْلِهٖ أَسْبَابُهٗ بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ وَ مُنِيْرَاتِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ اَمِيْنُكَ الْمَاْمُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِيْ عَدْنِكَ وَاَجْزِهٗ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ مُهَنَّاٰتٍ لَّهٗ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَحْلُوْلِ وَجَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَعْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اَعْلِ بِنَاءَ النَّاسِ بِنَاءَهٗ وَاَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتِمَّ لَهٗ نُوْرَهٗ وَاَجْزِهٗ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهٗ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ وَمَرْضِیَّ الْمَقَالَةِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَخُطَّةٍ فَصْلٍ وَّبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ۔

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے میں یہ بھی منقول ہے:

إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاةُ اللهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِاللهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ إِلَيْكَ بِإِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامِ۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ، اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهُ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِکْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۹۳)

حضرت امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ حوض مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا پیالہ پیئے تو وہ یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَوْلَادِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَأَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَأَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَأُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ أَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

حضرت طاؤس علیہ الرحمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ پڑھا کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدِنِ الْکُبْرٰی وَارْفَعْ دَرَجَۃَ الْعُلْیَا وَاٰتِہٖ سؤْلَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْأُوْلٰی کَمَا أَتَیْتَ إِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔

وہب بن ورد رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ أَعْطِ مُحَمَّدًا أَفْضَلَ مَا سَأَلَكَ لِنَفْسِہٖ وَاَعْطِ مُحَمَّدًا أَفْضَلَ مَا أَنْتَ مَسْئُوْلٌ لَّہٗ إِلٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جب تم نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا کرو تو بہترین درود پڑھا کرو، تم نہیں جانتے کہ کون سا درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے؟

یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَکَاتِكَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ إِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ، اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَغْبِطُہٗ فِیْہِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْأٰخِرُوْنَ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے بڑی بڑی طول وطویل درودیں اور بکثرت تعریفیں منقول ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ سلام پڑھو جو تمھیں سکھایا گیا ہے تو اس سے تشہد میں وہ سلام مراد ہے جو آپ ﷺ نے سکھایا یہ کہ: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے تشہد میں یوں آیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى أَنْبِيَاءِ اللهِ وَرُسُلِهٖ،اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ،اَلسَّلَامُ عَلٰى وَعَلٰى عِبَادِاللهِ الصَّالِحِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کے لیے دعائے مغفرت آئی ہے اور اس سے پہلے درود کی حدیث میں بھی انھیں کی حدیث میں دعائے رحمت وارد ہے لیکن ان کے علاوہ کسی مشہور مرفوع حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

ابوعمر بن عبدالبر علیہ الرحمہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے دعائے رحمت نہیں مانگنی چاہئے بلکہ آپ کے لیے صرف اس درود و برکت کی دعا مانگنی چاہئے جو کہ حضور ﷺ کے لیے خاص ہے، البتہ دوسروں کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا مانگنی چاہئے۔

ابومحمد بن ابوزید علیہ الرحمہ نے نبی کریم ﷺ پر درود کی حدیث میں ذکر کیا کہ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ لیکن یہ بات بھی صحیح حدیث میں نہیں آئی، اس کی دلیل خود حضور ﷺ کا ارشاد و حدیث سلام ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ

چوتھی فصل

درود و سلام کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام اور دعا کی فضیلت یہ ہے کہ:

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "جب مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ عزوجل کی دس رحمتیں ہوں گی، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف بندگان خدا میں سے کسی ایک کو حاصل ہو گا، میں خواستگار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں تو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگی تو اس پر شفاعت حلال ہوگئی"۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ج اص ۲۸۹، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ عزوجل اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور اس سے دس گناہ کو معاف کر کے اسے دس درجے بلند کرے گا، ایک روایت میں ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(مستدرک کتاب الدعاء ج ا صفحہ ۵۵۰ سنن نسائی ج ۳ ص ۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ عزوجل اس پر دس (رحمتیں) فرمائے گا اور دس

درجے اسے بلند کرے گا۔ (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۱) اور ایک روایت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا: میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جس نے آپ ﷺ پر سلام پیش کیا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا اور جس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجا میں اس پر اتنی ہی رحمت نازل کروں گا۔ (مستدرک کتاب الدعاء ج ا صفحہ ۵۵۰)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ، مالک بن اوس بن حدثان عبداللہ بن ابی طلحہ، زید بن حباب رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْہُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ بروز قیامت میرے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا۔ (سنن ترمذی ج ا ص ۳۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا برابر فرشتے اس کے لکھنے والے کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ج صفحہ ۱۳۶)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے مجھ پر درود بھیجا تو فرشتے اس پر اس وقت تک طالب رحمت رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب چاہے بندہ کم بھیجے یا زیادہ۔ (سنن ابن ماجہ ج ا ص ۲۹۴، مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۴۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب چوتھائی

رات گزر جاتی تو کھڑے ہو کر فرماتے: اے لوگو ذکر الٰہی کرو فتنہ وفساد کا وقت آگیا اور اس کے پیچھے علامات قیامت ظاہر ہو گئیں، موت اپنی تکلیفوں کے ساتھ آگئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ ﷺ پر درود کے لیے کتنا وقت مقرر کرلوں؟ فرمایا: "جتنا تم چاہو"، عرض کیا: چوتھائی؟ فرمایا: "جتنا چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے"، عرض کیا: تہائی؟ فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے، عرض کیا: دو تہائی؟ فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے، عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں اپنا تمام وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لیے وقف کرتا ہوں، فرمایا: اس وقت تمھیں کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (سنن ترمذی کتاب ج ۴ ص ۵۳)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ایسی رونق وبشاشت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، میں نے حضور ﷺ سے استفسار کیا تو فرمایا: مجھے ایسی مسرت سے کون روک سکتا ہے، بیشک ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ میرے رب عزوجل کی طرف سے خوشخبری لائے، کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی طرف مجھے بھیجا کہ میں آپ ﷺ کو بشارت دوں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر درود بھیجے اس پر اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت فرمائیں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ساعت اذان کے بعد پڑھا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اس کے لیے بروز قیامت میری شفاعت حلال ہو گئی۔ (سنن نسائی ج ۳ ص ۵۰، ابن حبان ج ۲ ص ۱۳۴)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی جس نے سماعت اذان کے بعد کہا: "وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا"، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ج ا ص ۲۹۰)

حضرت ابن وہب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ مجھ پر سلام عرض کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔(الترغیب والترہیب)

بعض حدیثوں میں مروی ہے کہ: میری بارگاہ میں کچھ ایسے لوگ پیش ہوں گے کہ میں انھیں کثرت درود کی بنا پر جو انھوں نے مجھ پر پڑھا پہچان لوں گا۔(کشف الغمہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اس کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات پانے والا تم میں سے وہی ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔

(تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۳ سورۃ الاحزات آیت ۵۲)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ٹھنڈے پانی سے (پیاس یا آگ بجھتی ہے) اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے، صلوات الله تعالى وسلامه .

(تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۳ سورۃ الاحزاب آیت ۵۲)

پانچویں فصل

درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ

جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا اس کی برائی اور گناہ یہ ہے کہ:

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ ماہ رمضان آیا پھر وہ اس کے گناہ بخشائے بغیر گزر جائے (یعنی اس نے عمل خیر نہ کیے) اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کو پایا پھر وہ اسے جنت میں داخل کئے بغیر چلے جائیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات ج ۵ صفحہ ۲۱۰)

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غالباً حضور ﷺ نے والدین میں سے کسی ایک کے لیے فرمایا، دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا: آمین، پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔

پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین، اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، فرمایا کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے پھر وہ مر جائے تو اللہ عزوجل اسے جہنم میں داخل کرے گا اور اسے اپنے سے دور کر دے گا، آپ فرمائیں آمین، اور کہا کہ جس نے رمضان

المبارک پایا اور اس نے اس سے کچھ حصہ نہ لیا پھر وہ مر گیا، پھر ویسا ہی کیا (آخر میں) کہا کہ جس نے والدین کو یا کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی پھر وہ مر گیا آگے وہی کہا۔ (یعنی آپ کہئے آمین)

(مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۲۲)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات ج ۵ ص ۱۹۳)

حضرت جعفر بن محمد علیہ الرحمہ نے اپنے والد سے روایت کی، کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اسے جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

(مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۶۳، القول البدیع)

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پورا بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے پھر وہ اس سے پہلے کہ خدا کا ذکر کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے بغیر اٹھ جائیں تو ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں چاہے وہ عذاب کرے یا انھیں بخش دے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات ج ۵ صفحہ ۱۲۹، مستدرک کتاب الدعاج ۱ صفحہ ۴۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا تو اللہ عزوجل اسے جنت کا راستہ بھلا دے گا۔

(تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ظلم ہے کہ کسی شخص کے سامنے میراذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(عبدالرزاق فی جامع کمانی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے پہلے جدا ہو جائے تو مردار کی بدبو اس کے ساتھ جاتی ہے۔

(تفسیر در منثور ج۶ ص ۶۵۳، الاحزاب ۵۲)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو قوم مجلس میں بیٹھے اور اس میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجے تو ان پر حسرت ہو گی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں جب وہ اس کے ثواب کو دیکھیں گے۔ حضرت ابو عیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ نے بعض اہل علم سے نقل کر کے کہا جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ مجلس میں درود پڑھ لے تو جب تک وہ اس مجلس میں بیٹھے اسے اتنا ہی کافی ہے۔

چھٹی فصل

حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، چنانچہ

حدیث : ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ عزوجل مجھ پر میری روح کو واپس کرتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک ج ۲ ص ۵۳۴، مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۵۲۸)

حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا کہ ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جو میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے اسے خود سماعت کرتا ہوں اور جو دور سے بھیجتا ہے اسے پہنچایا جاتا ہے۔ (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۴ الاحزاب ۵۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اللہ عزوجل کے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں تاکہ وہ میرے حضور ﷺ میری امت کا سلام پہنچائیں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۳، مسند امام احمد ج صفحہ ۳۸۷)

اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن تم اپنے نبی ﷺ پر کثرت سے سلام عرض کرو، کیونکہ وہ تمہاری جانب سے ہر جمعہ

کو (خصوصیت کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت اس کی فراغت کے بعد فوراً میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (جامع صغیر للسیوطی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پہنچتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضور ﷺ کی امت میں سے جو کوئی درود و سلام آپ ﷺ پر بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔

(ابن راھویہ فی مسندہ کمافی مناہل الصفا صفحہ ۲۰۲)

بعض علما نے بیان کیا، بندہ جب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا نام بھی پیش کیا جاتا جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے کاشانہ اقدس کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبر میں بناؤ، تم مجھ پر درود بھیجو جہاں بھی تم ہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ صفحہ ۳)

حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

سلیمان بن سحیم علیہ الرحمہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام عرض کرتے ہیں، کیا حضور ﷺ ان کے سلام کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور انھیں سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن شہاب علیہ الرحمہ سے مروی کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَيْلَةُ الزَّهْرَاءِ اور يَوْمُ الْأَزْهَرَ (یعنی جمعرات اور جمعہ) کو خوب کثرت سے مجھ پر سلام بھیجا کرو کیونکہ یہ دونوں تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی، جو مسلمان بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس اس کے نام کے ساتھ لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا عرض کیا ہے۔

ساتویں فصل

غیر نبی اور تمام انبیا علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ

علما کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر اور تمام انبیا علیہم السلام پر درود بھیجنا چاہیے یا نہیں؟

قاضی عیاض بتوفیقہ تعالی فرماتے ہیں کہ عام علماء حضور ﷺ کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنے کے جواز پر متفق ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ وہ حضور ﷺ کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو ناجائز گردانتے ہیں (تفسیر در منثور ج ا صفحہ ۲۵۶ الاحزاب ۵۶) اور ان میں سے یہ بھی مروی کہ انبیاء کے سوا کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت سفیان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے بجز نبی کے اور بعض مشائخ کے خط میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا یہ مذہب پایا کہ وہ بجز سید عالم ﷺ کے کسی پر بھی درود بھیجنے کو جائز نہیں بتاتے، حالانکہ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں ہے، بلاشبہ امام مالک علیہ الرحمہ نے "مبسوط" میں یحیی بن اسحاق علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ نبیوں کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو مکروہ جانتا ہوں اور ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کریں، یحیی بن یحیی علیہ الرحمہ نے کہا کہ میں اس قول پر عامل نہیں، انھیں کوئی مضائقہ نہیں کہ تمام نبیوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر درود بھیجا جائے، انھوں نے حجت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آپ پر

درود بھیجنے کی تعلیم دی ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی آل کا بھی ذکر ہے اور میں نے ابو عمران فاری علیہ الرحمہ سے متعلق روایت پائی کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔ (تفسیر در منثور ج۶ ص۶۵۶) کہا ہم یہی کہتے ہیں گزشتہ لوگوں کا اس پر عمل نہ تھا۔

عبد الرزاق علیہ الرحمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو (صحیح بخاری ج۲ صفحہ ۱۰۹، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ ج۲ صفحہ ۷۵۷) کیونکہ اللہ عزوجل نے انھیں بھی ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جیسے مجھے مبعوث کیا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان سے جو سندیں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ صلوۃ (درود) کے معنی زبان عرب میں رحم چاہنے اور دعا مانگنے کے ہیں اور یہ مطلق ہے جب تک کہ کوئی صحیح حدیث یا اجماع مانع نہ ہو اور بلا شبہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ﴾

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔ (الاحزاب: ۴۳)

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ﴾

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (التوبہ: ۱۰۳)

اور فرمایا: ﴿اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ﴾

یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت۔ (البقرہ: ۱۵۷)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ عزوجل ابو اوفی کی آل پر رحمت فرما اور جب کوئی قوم آپ

کی بارگاہ میں صدقہ لاتی تو فرماتے: اے اللہ عزوجل فلاں کی آل پر رحمت فرما اور حدیث صلوۃ (درود) میں ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی أَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ اور دوسری حدیث میں ہے کہ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

بعض علمانے فرمایا کہ "آل" سے مراد آپ ﷺ کے تمام پیروکار ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام امت (مستجاب) ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے متبعین، جماعت اور قبیلہ مراد ہے، کسی نے کہا کہ مرد کی آل اس کی اولاد ہے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وہ اہل مراد ہے جس پر صدقہ کھانا حرام ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ "آل محمد" کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی پرہیز گار۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کے مذہب میں آئے گا کہ "آل محمد" سے مراد خود حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اپنے پر درود میں پڑھا کرتے تھے، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتَكَ وَبَرَکَاتِكَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، اس سے مراد اپنی ذات اقدس ہوتی تھی، اس لیے کہ حضور ﷺ فرض کو چھوڑا نہ کرتے اور نفل کو بجالاتے تھے، کیونکہ فرض تو وہ ہے جس کا اللہ عزوجل نے حکم دیا وہ تو خود حضور ﷺ کی اپنی ذات پر درود پڑھنا ہے، یہ فرمان خود حضور ﷺ کے قول کے موافق ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ یقیناآل داؤد علیہ السلام کی لحن میں سے انھیں کچھ حصہ لحن عطا فرمایا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن ج ۲ ص ۱۲ صحیح مسلم کتاب المسافرین ج ۱ ص ۵۳۹) اس جگہ آل داؤد علیہ السلام سے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی درود والی حدیث میں ہے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی أَزْوَاجِہٖ

وَذُرِّيَّتِهِ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا کرتے تھے، اسے امام مالک علیہ الرحمہ نے "موطا" میں ذکر کیا جو کہ یحیی اندلسی علیہ الرحمہ کی روایت سے ہے اور اس کے سوا دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگا کرتے تھے اور ابن وہب رضی اللہ عنہ نے حضرت انس ابن مالک علیہ الرحمہ سے روایت کیا کہ ہم اپنے اصحاب کے لیے غائبانہ دعا مانگا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ عزوجل اپنی طرف سے فلاں شخص پر اس قوم ابرار (نیک) کی رحمتیں (درودیں) بھیجے جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔

قاضی عیاض (علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جن کی طرف علماء محققین گئے ہیں اور میرا رجحان اس قول کی طرف ہے جسے امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ نے کہا اور وہ حدیث وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بکثرت فقہاء و متکلّمین کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے پر ان کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا جائے بلکہ درود و سلام انبیاء علیہم السلام کی عزت و توقیر کے ساتھ خاص ہے، جس طرح اللہ عزوجل کے ساتھ اس کے ذکر کے وقت تنزیہہ، تقدیس اور تعظیم خاص ہے، اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں، ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور تمام نبیوں کے ساتھ صلوۃ و سلام کی خصوصیت واجب ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب: ۵۶)

انبیا علیہم السلام کے سوا جو ائمہ وغیرہ ہیں ان کو غفران و رضوان کے ساتھ یاد کیا جائے، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾

عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔(الحشر:۱۰)

اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾

اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی۔(التوبہ:۱۰۰)

نیز یہ بات صدر اول میں معروف و مشہور نہ تھی بلکہ یہ روافض و شیعہ کی نو ایجاد ہے جو بعض ائمہ کے لیے کرتے ہیں لہذا وہ ان کے ذکر کے وقت صلوۃ و سلام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک و مساوی بناتے ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بدعتیوں کی مشابہت ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے، اس بارے میں ان کے اس لزوم کی مخالفت واجب ہے، البتہ آل وازواج کا ذکر درود میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اتباع و اضافت میں کر سکتے ہیں نہ کہ مستقلا خصوصیت کے ساتھ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن پر صلوۃ استعمال فرمایا ہے تو وہ دعا کے قائم مقام اور ان پر توجہ خاص کے لیے ہے نہ کہ اس سے ان کی تعظیم و توقیر مراد تھی، فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔(النور:۶۳)

لہذا اس لحاظ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دعا کے الفاظ ایک دوسرے کی دعا کے الفاظ سے مخالف و مغائر ہونا واجب ہے، یہ مذہب مختار امام ابوالمظفر اسفرائنی علیہ الرحمہ کا ہے جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں، اسے ابوعمر بن عبدالبر علیہ الرحمہ نے بیان کیا۔

آٹھویں فصل

قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ کے قبہ خضراء (سبز گنبد) کی زیارت کا حکم اور زائر حرم نبوی ﷺ کی فضیلت اور وہاں حاضر ہو کر کس طرح سلام، دعا عرض کرنا چاہیے تو واضح ہو کہ روضہ انور کی زیارت کرنا تمام اہل اسلام کے لئے طریقہ مسنون ہے اس پر سب کا اجماع ہے اس میں ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی ہے کہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بہ نیت ثواب مدینہ منورہ میں میری زیارت کی تو وہ میری پناہ میں ہو گا اور بروز قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔ (بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔ (سنن دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی یہ کہے ہم نے قبر انور کی زیارت کی ہے، اس

(مکروہ جاننے) کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس نام کی کراہت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک میں ہے، اللہ عزوجل قبروں کی زیارت کرنے والوں پر لعنت کرے (سنن ترمذی کتاب الجنائز جلد۲ ص ۲۵۰، مسند امام احمد جلد۲ صفحہ ۳۳۷-۳۵۲- جلد۳ ص ۴۴۴) حالانکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود حضور ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فرمایا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو (صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد۲ صفحہ ۲۷۲) اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "جس نے میری قبر کی زیارت کی" تو حضور ﷺ نے خود اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ زائر نے جس کی زیارت کی اس سے افضل ہوتا ہے، یہ بات بھی کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زیارت کرنے والا اس صفت کا نہیں ہوتا اور نہ یہ عام قاعدہ ہے، بلا شبہ جنتیوں کی حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے، لہذا زیارت کے لفظ کا اطلاق جناب باری کے لئے کہیں ممنوع نہیں۔

ابو عمران علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ نے طواف زیارت اور زیارت قبر نبی ﷺ کو اس لئے مکروہ کہا کہ عام لوگ ایک دوسرے کے لئے باہمی استعمال کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی عام لوگوں کے ساتھ ایسے لفظوں میں بھی برابری کرنا مکروہ ہے، لہذا مستحب یہ ہے کہ خاص طور پر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کیا۔

ایک وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کی زیارت کرنا مباح ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ کی طرف رخت سفر باندھنا، سواریوں کو لے جانا واجب ہے، امام مالک علیہ الرحمہ کی مراد وجوب سے وجوب استحباب ترغیب اور تاکید ہے نہ کہ وجوب بمعنی فرض کے اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کا لفظ زیارت کو منع کرنا اور مکروہ فرمانا قبر نبی ﷺ کی طرف اضافت اور نسبت

کرنے کی وجہ سے ہے، اگر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے، تو اسے وہ مکروہ نہ فرماتے۔

کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ عزوجل میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ میرے بعد اس کی عبادت کرنے لگیں، اللہ عزوجل کا اس قوم پر بڑا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا یعنی اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں، اس بنا پر امام نے اس لفظ کی نسبت کو قبر کی طرف کرنے اور ان لوگوں کی مشابہت کے ذریعہ کو منقطع کرنے اور اس دروازے کو بند کرنے کے لئے مکروہ بتایا، واللہ اعلم۔

اسحاق بن ابراہیم فقیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے مسلسل جاری ہے کہ جو حج کا ارادہ رکھے وہ مدینہ منورہ ضرور جائے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کرے اور آپ ﷺ کے روضہ انور منبر، قبر شریف، مجلس اور جہاں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس نے مس فرمایا اور جہاں آپ کا قدم شریف پہنچا اور وہ ستون جس سے آپ ﷺ تکیہ لگایا کرتے اور جہاں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر وحی لاتے اور وہ لوگ جو وہاں آباد ہیں اور جنہوں نے وہاں کا قصد کیا، صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین رضی اللہ عنہم وغیرہ ان سب کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرے اور ان سب سے نصیحت حاصل کرے۔

ابن ابی فدیک علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ان علماء سے جن سے ملا ہوں، سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہوا یہ آیہ کریمہ پڑھے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب:۵۶) پھر کہا: صلی اللہ علیک یا محمد اور اسے ستر مرتبہ کہا تو فرشتہ اسے خبردار کرتا ہے کہ اے فلاں شخص تجھ پر اللہ عزوجل کی رحمت ہو تیری

کوئی حاجت ضائع نہ کی جائے گی۔

یزید بن ابوسعید مہری علیہ الرحمہ سے مروی کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے پاس پہنچا تو جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا: تم سے میری ضرورت ہے وہ یہ کہ جب تم مدینہ منورہ حاضر ہو تو بہت جلد روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہوکر میری طرف سے سلام عرض کرنا، حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ صرف عرض کرانے کے لئے مستقلا شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے، وہاں ٹھہرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے میرا خیال ہے کہ انہوں نے صلوۃ وسلام عرض کیا، پھر وہ چلے گئے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے ابن ابی وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا، جب نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرو اور دعا مانگو تو قبر شریف کے سامنے آپ کے چہرہ انور کے مواجہ کی جگہ کھڑے ہو قبلہ کی طرف کھڑے نہ ہو اور قریب ہوکر سلام عرض کرو اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کو اپنے (گنہگار) ہاتھ سے نہ چھوؤ (کہ یہ ادب کے خلاف ہے)۔

اور امام مالک علیہ الرحمہ نے "مبسوط" میں فرمایا: میں اسے مناسب خیال نہیں کرتا کہ قبر نبی ﷺ کے پاس کھڑے ہوکر دعا مانگے لیکن وہ سلام عرض کرے اور گزر جائے۔

ابن ابی ملیکہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی کریم ﷺ کے مواجہ (کی جگہ) کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اس قندیل کو جو قبر شریف کے پاس قبلہ کی جانب ہے اپنے سر کے اوپر رکھے۔

حضرت نافع علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو مرتبہ دیکھا کہ وہ قبر انور کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَلسَّلَامُ

عَلٰى أَبِيْ بَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ،اس کے بعد وہ واپس چلے جاتے۔(بیہقی فی الحج جلد ۵ صفحہ ۲۳۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا ہے کہ وہ منبر شریف کی اس جگہ پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے، وہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر مس کرتے، ابن قُسیط اور عُتبی رحمہم اللہ سے مروی کہ حضور کے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، منبر کے اس کنارہ (کنگرہ) کو جو قبر انور کے قریب ہے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے، اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگا کرتے تھے، "موطا" میں بروایت کی یحیی بن یحیی علیہ الرحمہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہوتے پھر حضور ﷺ پر اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجتے۔

ابن قاسم اور قطبی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگتے تھے۔

امام مالک علیہ الرحمہ ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرماتے ہیں کہ سلام عرض کرنے والا ہے، السّلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته اور مبسوط میں فرمایا کہ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے، قاضی ابوالولید باجی علیہ الرحمہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے لفظ صلوۃ سے دعا مانگے، جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں خلاف وارد ہے اور ابن حبیب علیہ الرحمہ نے کہا کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کہو: وَسَلَامٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ،اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا ،وَصَلَّى اللهُ وَمَلٰئِكَتَهٗ عَلٰى مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَجَنَّتِكَ وَاحْفَظْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

اس کے بعد روضہ مطہرہ کی طرف متوجہ ہو وہ قبر و منبر کے درمیان ہے، وہاں پہلے دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے یہ مواجہ شریف میں کھڑے ہونے سے پہلے ہے، ان میں اللہ عزوجل کی حمد کرے پھر

اپنی وہ تمام حاجتیں خدا سے مانگے جس کے لئے نکلا ہے اور اس پر اس کی مدد مانگے، اگر یہ دو رکعتیں روضہ شریف کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد میں ہوں تو مضائقہ نہیں، مگر روضہ شریف میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ (روضہ) ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۸)

پھر مواجہ شریف میں تواضع و وقار کے ساتھ کھڑا ہو اس کے بعد حضور ﷺ پر درود بھیجے اور جتنا ہو سکے آپ ﷺ کی تعریف و ثنا بیان کرے اور سلام کرے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے لئے دعا مانگے، پھر رات دن اکثر اوقات میں مسجد نبوی میں درود شریف پڑھے، مسجد قبا اور قبور شہداء کی زیارت کو نہ چھوڑے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے "موطا امام محمد علیہ الرحمہ" میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرے جب مدینہ منورہ میں داخل ہو یا نکلے یا وہاں رہے، امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب مدینہ سے باہر نکلنے کا قصد ہو تو سب سے آخر میں مواجہ شریف میں کھڑا ہو اسی طرح مسافرین کریں جب وہ واپس لوٹیں۔

ابن وہب علیہ الرحمہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوْبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلو تو تب بھی مجھ پر درود پڑھ کر کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوْبِي وَافْتَحْ لِي اَبْوَابَ فَضْلِكَ مِنْ فَضْلِكَ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ا ص ۳۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ا صفحہ ۲۵۴) اور ایک اور روایت میں ہے کہ اللهم احفظني من الشيطان۔

(سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ا ص ۲۵۴)

محمد بن سیرین علیہ الرحمہ سے مروی کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے: صَلَّى اللهُ وَمَلٰئِكَتُهٗ عَلٰى مُحَمَّدٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيّ وَرَحْمَةُ اللهِ بِاسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ دَخَلْنَا وَعَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا اور جب وہ نکلتے تو اس کے مثل کہتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے پڑھتے صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۳) اس کے بعد وہی الفاظ مذکور ہیں جو پہلے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گزرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ عزوجل کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور (نبی کریم ﷺ) پر درود پڑھا اور اس کے مثل ذکر کیا اور ایک روایت میں ہے کہ بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷، سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَيَسِّرْ لِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور کہے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ الخ اور امام مالک علیہ الرحمہ نے "مبسوط" میں فرمایا کہ اہل مدینہ کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہوں، یہ تو مسافروں کے لئے لازم ہے، اس میں یہ بھی کہا کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے تو اسے مضائقہ نہیں کہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے حضور ﷺ کے لئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے۔

کسی نے امام مالک علیہ الرحمہ سے کہا کہ اہل مدینہ نہ تو سفر کرتے ہیں اور نہ سفر سے آتے ہیں لیکن ہر روز ایک مرتبہ یا اکثر ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ کے دن ضرور مواجہ شریف میں حاضری دیتے ہیں

یا کئی دنوں میں ایک یا دو مرتبہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور ایک گھڑی تک دعا مانگتے ہیں، فرمایا: مجھے یہ بات کسی فقیہ مدینہ سے نہیں پہنچی، اس کا ترک بہتر ہے، اس امت کے آخری لوگ جب ہی درست ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے والے اپنی اصلاح کی درستگی کر لیں اور مجھے اس وقت کے صدر اول کے لوگوں سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے لہذا یہ مکروہ ہے بجز اس کے کہ وہ سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلنے کا ارادہ کرے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب سفر کو نکلتے یا سفر سے داخل ہوتے ہیں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، کہا کہ یہ ایک رائے ہے۔، باجی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے کیونکہ مسافر تو اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ وہاں کے مقیم ہیں، انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہونے کے لئے سفر نہیں کیا اور حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ عزوجل میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اسے پوجیں، اس قوم پر اللہ عزوجل کا سخت غضب ہے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے (جامع اصلوۃ امام مالک صفحہ ۱۳۲) اور فرمایا کہ میری قبر کو عید بھی نہ بنانا (کہ سال میں صرف ایک مرتبہ حاضر ہو گئے یا یہ کہ حاضری پر اترانے لگو۔ مترجم)

احمد بن سعید ہندی علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے کہ جو شخص مواجہ شریف میں کھڑا ہو تو نہ اسے چومے اور نہ لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو (کہ یہ ادب کے خلاف ہے) اور "عتبیہ" میں ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونے کے بعد سلام عرض کرنے سے پہلے دو گانہ پڑھے اور نوافل پڑھنے کے لئے بہترین جگہ مصلی نبوی ہے اور وہ ستون ہے جو مزین ہے اور فرض نمازوں میں سب سے اگلی صف افضل ہے اور مسافروں کے لئے گھر میں نفل پڑھنے سے مسجد میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔

نویں فصل

مسجد نبوی شریف کی فضیلت و آداب

مسجد نبوی میں داخل ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کے وہ آداب و فضیلت جو اس سبق کے سوا ہیں اور مسجد مکہ اقبرانور اور منبر شریف کا ذکر اہل مدینہ ومکہ کی فضیلت یہاں بیان کی جاتی ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ﴾

بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ (التوبہ:۱۰۸)

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا: یہ میری مسجد (صحیح مسلم کتاب الحج جلد صفحہ ۱۵ مسند امام احمد جلد ص ۱۱۹) یہ قول ابن مسیب، زید بن ثابت، ابن عمر، مالک بن انس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ وہ مسجد قبا ہے۔

(در منثور جلد ۴ صفحہ ۲۸۸ التوبہ ۱۰۸)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کے لئے رخت سفر نہ باندھو، ایک مسجد حرام، دوسری میں مسجد نبوی، تیسری مسجد اقصیٰ ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۹، صحیح مسلم کتاب الحج جلد اص ۱۰۱۲ صحیح بخاری باب فضل

الصلوۃ فی مسجد مکہ والمدینہ جلد ا ص ۵۳) (اس سے مطلقاً سفر یا کسی بزرگان دین کے عرس یا حضور سید عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے خصوصیت کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ہر اس سفر کی ممانعت ہے جو ان تین کے سوا نیت عبادت سے سفر کیا جائے روضہ مقدسہ اور اعراس اولیاء وغیرہ کے لئے سفر بہ نیت عبادت نہیں ہوتا بلکہ زیارت کے لئے ہوتا ہے جو مستحب ہے: مترجم غفرلہ)

اس سے پہلے ہم دخول مسجد کے وقت صلوۃ وسلام پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۳۱۸)

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی کی آواز سنی تو بولنے والے کو بلایا، پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ کہا: قبیلہ ثقیف سے ہوں، فرمایا: اگر تم مکہ و مدینہ کی بستی کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا بلاشبہ ہماری ان مسجدوں میں آواز بلند کرنے کا حکم نہیں ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا ص ۳۵)

محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے کہا کہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں قصداً آواز بلند کی جائے یا ایسی اذیت رساں کوئی چیز لائی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔

قاضی اسماعیل علیہ الرحمہ "مبسوط" کے باب فضل مسجد نبوی میں فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم باقی تمام مسجدوں کے لئے بھی ہے، قاضی اسماعیل علیہ الرحمہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیوں کو اتنی بلند آواز سے پکارنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو مکروہ ہے، اس طرح کے پکارنے میں کسی خاص مسجد کی خصوصیت

نہیں، مسجد جماعت میں بلند آواز سے لبیک پکارنا بھی مکروہ ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد منی کے۔

حضرت ابو ہریرہ نے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا ص ۵۴، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ ص ۱۰۱۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کا اس استثناء کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف مکہ و مدینہ کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ ایک روایت میں جو اشہب علیہ الرحمہ نے ان سے بیان کی ہے اور اسے ان کے شاگرد نافع علیہ الرحمہ نے کہا کہ ان کے اصحاب کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ایک نماز تمام مسجدوں سے بجز مسجد حرام کے ایک ہزار گنا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مکہ میں نماز پڑھنے سے ہزار سے کم افضل ہے، ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی نسبت سو درجہ افضل ہے۔ (مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۴۲۰)

گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنی نو سو درجے مکہ کی مسجد میں نماز سے افضل ہوئی اور دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کے برابر ہوئی، یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، یہی قول سیدنا امام مالک اور اکثر اہل مدینہ کا ہے۔

لیکن اہل مکہ و کوفہ کا مذہب مسجد مکہ کی افضلیت پر ہے اور یہی قول عطاء بن وہب ابن حبیب علیہ الرحمہ کا ہے جو کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں اور اسے ساجی علیہ الرحمہ نے امام شافعی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے اور اوپر کی حدیث کے استثناء کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔

(جو علما یہ کہتے ہیں کہ) مسجد حرام میں نماز افضل ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل بیان کیا ہے۔

(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۴۳-۳۹۷، ابن حبان جلد ۳ ص ۷۲)

اس میں یہ ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد سے سو درجے افضل ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مثل روایت کیا، لہذا معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے باقی تمام مساجد سے ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور کی جگہ روئے زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے (بلکہ کعبہ و عرش سے بھی افضل ہے کذافی الشرح: مترجم)

قاضی ابوالولید باجی علیہ الرحمہ نے کہا کہ حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ مسجد مکہ تمام مساجد سے حکم میں مختلف ہے، اس سے اس کا حکم مدینہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا، امام طحاوی علیہ الرحمہ کا مذہب ہے کہ تفضیل (فضیلت) صرف فرض نماز میں ہے اور مالکیوں میں سے مطرف علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ تفضیل نوافل میں بھی ہے، کہا کہ وہاں کے جمعہ کا ثواب دیگر مقامات کے جمعہ اور وہاں کے رمضان کا ثواب دوسری جگہ کے رمضان سے افضل ہے۔

عبد الرزاق علیہ الرحمہ نے مدینہ منورہ میں رمضان مبارک اور دیگر عبادات کی فضیلت کے بارے میں اس کے مثل ایک حدیث بیان کی ہے (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۳۵) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حجرہ شریفہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۵۳، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ ص ۱۰۱۱) حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ میرا منبر میرے حوض پر واقع ہے، (موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۲۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ میرا منبر جنت کے درجوں میں سے ایک درجہ پر ہے۔

(موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفحہ ۱۲۰)

طبری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ بیت (گھر و حجرہ) سے مراد وہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکونت پذیر رہے اور یہ ظاہر معنی ہیں باوجودیکہ مروی ہے جو حدیث میں بیان ہوا کہ میرے حجرے اور میرے منبر دوسرے معنی یہ کہ بیت سے مراد قبر انور ہے، یہ قول زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مروی کہ "میری قبر اور میرے منبر کے درمیان اس کے بعد طبری نے کہتے ہیں کہ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے تو ساری روایتیں متفق ہوئیں، ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ رہا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ شریفہ میں ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر تھا، اب رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے"۔ ایک قول کی بنا پر ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعینہ وہ منبر جو دنیا میں ہے مراد ہو اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔، دوسرے یہ کہ وہاں پر منبر ہوگا، تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کی طرف قصد کرنا اور اس کے سامنے یا متّصل اعمال صالحہ کی بجاآوری کے لئے حاضر ہونا یہ حوض پر لے آئے گا اور اس سے پانی پینا واجب کر دے گا۔

باجی علیہ الرحمہ نے کہا کہ " رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ "میں دو معنی کا احتمال ہے، ایک یہ کہ وہ دخول جنت کو واجب کرتا ہے اور یہ کہ اس جگہ دعا مانگنا، نماز پڑھنا، اس ثواب کا مستحق کر دیتا ہے جو مروی ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے، دوسرے یہ کہ اللہ عزوجل بعینہ یہ بقعہ طاہرہ جنت میں منتقل فرما دے گا جیسا کہ داؤدی علیہ الرحمہ نے کہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت صحابہ سے مروی کہ

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا بروز قیامت گواہ یا شفیع ہوں گا اور حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو مدینہ سے چلا گیا تھا کہ در حقیقت مدینہ ہی ان کے لئے بہتر تھا، اگر انہیں معلوم ہوتا اور فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو میل و گند کو جلاتی ہے اور طیب و طاہر بناتی ہے اور فرمایا: مدینہ سے کوئی خوشی و رغبت سے نہیں نکلے گا لیکن اللہ عزوجل اس سے بہتر شخص کو وہاں لے آئے گا اور حضور ﷺ سے مروی کہ جو شخص دونوں حرم میں سے کسی ایک میں حج یا عمرہ کرتا ہوا مر گیا اللہ عزوجل روز قیامت بلا حساب و کتاب و عذاب اٹھائے گا، دوسری سند سے ہے کہ وہ بروز قیامت مامون لوگوں میں محشور ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی جو اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ میں وہ مرے تو وہیں اسے مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (إِلٰى قَوْلِهٖ) اٰمِنًا﴾

بیشک سب میں پہلا وہ گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا (آخر آیت تک)۔ (آل عمران: ۹۷،۹۶)

بعض مفسرین نے فرمایا: نار جہنم سے وہ محفوظ رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حرم سے باہر آگ کو طلب کیا اور جہالت کے زمانہ کی نئی باتیں پیدا کیں اور اس کی طرف پناہ لے گیا، یہ اللہ عزوجل کے اس قول کے مثل ہے کہ ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امان بنایا۔ (البقرہ: ۱۲۵)

یہ بعض کا قول ہے، منقول ہے کہ کچھ لوگ سعدون خولانی علیہ الرحمہ کے پاس مقام منستیر میں آئے اور اسے بتایا کہ قبیلہ کتامہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اسے جلا دیا، وہ ساری رات جلتا رہا مگر اس پر

آگ کا کچھ اثر نہ ہوا اس کا بدن ویسا ہی سفید رہا، خولانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ شاید اس نے تین حج کئے ہیں، انہوں نے کہا: ہاں، خولانی علیہ الرحمہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کئے اس نے اپنے رب کو قرض دیا اور جس نے تین حج کئے تو اللہ عزوجل اس کے بالوں اور بدن کو آگ پر حرام کر دے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف نظر مبارک ڈالی تو فرمایا: تجھے ایک گھر ہونے کی وجہ سے مرحبا، تیری کتنی بڑی عظمت ہے، تیرا کتنا بڑا احترام ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ عزوجل سے رکن اسود کے نزدیک دعا مانگے گا اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

اسی طرح میزاب (پرنالہ) کے پاس ایک حدیث حضور ﷺ سے مروی کہ جس نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بروز قیامت مامون و محفوظ لوگوں میں حشر ہو گا۔

فقیہ قاضی ابوالفضل (عیاض) یہ فرماتے ہیں کہ قاضی حافظ ابوعلی علیہ الرحمہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی کہ:

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے جو بھی دعا اس ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور قبول ہو گی۔

(سنن بیہقی جلد ۵ ص ۱۹۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے ملتزم کے پاس جو بھی دعا مانگی ہے وہ مقبول ہوئی ہے، حضرت عمرو بن دینار علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ

جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سنا اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی، حضرت سفیان علیہ الرحمہ نے کہا: جب سے میں نے عمرو بن دینار علیہ الرحمہ سے یہ روایت سنی اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور حمیدی علیہ الرحمہ نے کہا: سفیان علیہ الرحمہ سے جب سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور محمد بن ادریس علیہ الرحمہ نے کہا: جب سے حمیدی علیہ الرحمہ سے یہ سنا تو ملتزم کے پاس جو دعا مانگی قبول ہوئی اور ابوالحسن محمد بن الحسن علیہ الرحمہ نے کہا: جب سے میں نے محمد بن ادریس علیہ الرحمہ سے سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی قبول ہوئی، ابواسامہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حسن بن رشیق علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کچھ کہا ہو لیکن میں نے جب سے حسن بن رشیق علیہ الرحمہ سے یہ سنا تو جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی، دنیا کے بارے میں قبول کی گئی مگر مجھے امید ہے کہ آخرت کے بارے میں بھی ضرور قبول کی جائے گی اور عذری علیہ الرحمہ نے کہا: جب سے میں نے ابواسامہ علیہ الرحمہ سے یہ سنا مقام ملتزم پر جو دعا مانگی ضرور قبول ہوئی اور ابوعلی علیہ الرحمہ نے کہا کہ میں نے اس مقام پر بہت یہ دعائیں مانگی ہیں، کچھ تو مقبول ہوگئیں اور جو باقی ہیں اللہ عزوجل کے وسیع فضل سے امید ہے وہ بھی قبول ہوں گی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم نے تھوڑے نکات بیان کئے ہیں اگرچہ ان کا تعلق اس باب سے نہ تھا بلکہ اس فصل سے تھا جو اس سے پہلے گزری مگر فائدے کی تکمیل کی خاطر لکھ دیا، واللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ بِرَحْمَتِہٖ۔

قسم سوم

وہ امور جو آپ ﷺ پر جائز یا ممتنع ہیں اور احوال بشریہ کا بیان

اس حصہ میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی کریم ﷺ کے لئے واجب محال، جائز یا ممتنع ہیں اور ان کیفیات و حالات بشریہ کا بیان جن کی نسبت آپ ﷺ کی جانب کرنا صحیح ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ﴾

اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (آل عمران: ۱۴۴)

اور فرماتا ہے:

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾

مسیح بن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (المائدہ: ۷۵)

اور فرمایا:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔(الفرقان:۲۰)

اور ارشاد ہوا:﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى﴾

تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے۔(الکھف:۱۱۰)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور انسانوں کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ ان سے جنگ و جدال کی طاقت نہ رکھتے اور نہ وہ ان کی ہدایتیں قبول کرتے اور نہ ان کی جانب توجہ کرتے،اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا﴾

اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے۔(الانعام:۹)

یعنی وہ فرشتہ بھی انسانوں ہی کی صورت میں ہوتا تا کہ تم اس سے مل جل سکتے کیونکہ تم فرشتے سے جنگ و جدال، سرور،انس و میلان اور فرشتے کی اپنی صورت دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ہو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾(الاسریٰ:۹۵)

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم بھی فرشتہ اتارتے۔

سنت الٰہیہ یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے مگر یہ کہ وہ رسول اس نوع کی جنس میں سے

ہو یا وہ شخص ہو جسے اللہ عزوجل رسالت کے لئے خاص کر لے اور اس کے لئے برگزیدہ کر کے اسے مقابلہ کی طاقت مرحمت فرمادے جیسے انبیاء ورسل ہیں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) پس انبیا و رسل اللہ عزوجل اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو کہ مخلوق کو اللہ عزوجل کے احکام، منہیات اور وعدہ و وعید پہنچاتے ہیں اور انہیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جان سکتے ہیں یعنی اس کے احکام اس کی تخلیق، اس کا جلال، اس کی ہیبت و جبروت اور اس کی حکومت وملکوت وغیرہ۔

پس انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام اور تخلیق انسانی بشری اوصاف سے متّصف ہوتے ہیں اور ان پر وہ تمام باتیں طاری ہوتی ہیں جو انسانی عوارضات کے لئے خاص ہیں، مثلاً بیماریاں، موت، فنا وغیرہ، لیکن ان کی ارواح قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کی ان اعلیٰ درجہ کی صفات پر فائز ہوتی ہیں جو ملاء اعلیٰ سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ صفات فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں، جو ہر قسم کے تغیر و آفات سے منزہ و محفوظ ہیں، اکثر حالات میں بشری کمزوریاں اور انسانی ناطاقتی ان تک پہنچ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر ان کا باطن بھی ان کے ظاہری انسانی اعضاء کی طرح خالص ہوتے تو یقیناً وہ ملائکہ سے (وحی) لینے، ان کو دیکھنے، ان سے کلام کرنے اور ان سے میل جول (دوستی و انس) کی طاقت نہ رکھتے جس طرح دوسرے عام انسان و بشر اس کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ان کے اجسام اور ظاہری حالت ملائکہ پر انسانی صفات کے خلاف ہوتے تو ہرگز انسان و بشر اور وہ لوگ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے ان سے ملنے جلنے کی طاقت نہ رکھتے، جیسا کہ اللہ عزوجل کے ارشاد میں پہلے گزر چکا ہے۔

تو وہ اپنی ظاہری حالت اور اجسام کے لحاظ سے تو بشر و انسان کے مشابہ ہیں لیکن اپنی باطنی حالت اور ارواح کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ ملتے ہیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو فلیل (دوست) بناتا تو یقیناً ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو میں خلیل و دوست بناتا لیکن یہ

اسلامی بھائی ہے، تمہارا مصاحب رحمن عزوجل کا خلیل ہے۔

اور فرمایا کہ میری آنکھیں توسوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہرگز تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام جلد۳ص ۳۴:۳۳، مسلم کتاب الصیام جلد۲ص ۷۷۴)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ (ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی باطنی حالت (انسانی، بشری حالت سے) پاک ومنزہ اور ہر عیب ونقص اور علتوں سے مبرا ہے، یہ ایک ایسا مجمل بیان ہے کہ ہر ذی ہمت کے لئے اس کا مضمون ہرگز کفایت نہیں کرے گا بلکہ اکثر لوگ بسط وتفصیل کی ضرورت محسوس کریں گے، چنانچہ ہم آگے اس خصوص پر دو باب بیان کرتے ہیں۔ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام

حضور سید عالم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے امور دینیہ اور عصمت کے بیان اور جو اس سلسلہ میں گفتگو و کلام ہے، یہ ہے کہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ بتوفیقہ تعالی فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ لوگوں پر جو تغیرات اور آفتیں آتی ہیں وہ اس سے باہر نہیں کہ یا تو بغیر قصد و اختیار ان کے جسم و حواس پر طاری ہوتی ہیں، جیسے امراض و عوارض وغیرہ یا قصد و اختیار کے ساتھ ہوں گی۔

در حقیقت میں سب کے سب ہیں تو عمل و فعل لیکن مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کو تین قسموں پر تنقسم کرتے ہیں۔ (۱) عقد بالقلب، (۲) قول باللسان اور (۳) عمل بالجوارح۔

انسان پر جو بھی آفت و تغیر واقع ہوتا ہے خواہ وہ اس کے قصد و اختیار سے ہو یا بغیر قصد و اختیار کے ان تین ہی قسموں پر منحصر ہیں۔ نبی کریم ﷺ اگرچہ نوع انسان میں سے بشر ہیں اور آپ ﷺ کی جبلت (طبیعت) پر ان باتوں کا اطلاق جائز و ممکن ہے جو دیگر انسانوں کی جبلت و طبیعت پر ہوتی ہیں لیکن یقینی طور پر دلائل قاطعہ قائم ہو چکیں ہیں اور کلمہ اجماع پورا ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ عام انسانوں کی جبلت و طبیعت سے باہر ہیں اور ہر اس آفت سے منزہ و مبرا ہیں جو قصد و اختیار سے یا بغیر قصد و اختیار کے واقع ہوں، جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ عزوجل تفصیل کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی دلی پختگی

نبی کریم ﷺ کی ولی پیشگی اظہار نبوت کے وقت سے ہی تھی، چنانچہ ہمیں اور تمہیں اللہ عزوجل کی توفیق کے ساتھ معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سید عالم ﷺ کو توحید باری علم وصفات النبی، ایمان باللہ اور جو کچھ آپ ﷺ پر وحی کی گئی ان سب پر اعلیٰ درجہ کی معرفت، علم واضح اور یقین کامل حاصل تھا، ان میں نہ تو کسی قسم کی جہالت تھی اور نہ شک وشبہ، اس معرفت ویقین کے جو مخالف ہوسکتا تھا ان سب سے آپ ﷺ معصوم اور منزہ تھے، یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین واضح سے یہ بات صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتقاد اس کے سوا ہو، اب یہ اعتراض بے جا ہے اگر کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ پر معترض ہو کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ:

﴿ بَلٰی وَ لٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ﴾

یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔ (البقرہ:۲۶۰)

اس لئے (۱) کہ اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ عزوجل کی خبروں میں قطعاً تک نہ تھا ان کی مراد تو اطمینان قلب اور مردوں کے مشاہدہ سے متنازعہ کو ختم کرنا تھا اور نہ انہیں اس واقعہ سے پہلے علم حاصل تھا، اب ان کیفیات احیاء موتی کے مشاہدہ کے ذریعہ مزید علم کا حصول مقصود تھا۔

(۲) دوسری وجہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں اپنی قرب و منزلت معلوم کرنی مقصود تھی اور یہ کہ اس کی بارگاہ الٰہی میں اپنے سوال کی مقبولیت کا علم حاصل کرنا تھا (کہ اپنا مرتبہ پہچانیں) اس وجہ کی بنا پر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد کہ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ (کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟) یعنی اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم اس مرتبہ اور اپنی اس برگزیدگی و خلت پر یقین نہیں رکھتے جو میری بارگاہ میں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کی زیادتی اور اطمینان کی تقویت کا سوال کیا اگرچہ انہیں پہلے ہی سے شک نہیں تھا کیونکہ علوم ضروریہ اور نظریہ کبھی اپنی قوت میں بڑھتے رہتے ہیں اور ضروریات میں شکوک کا جاری رہنا محال اور نظریات میں جائز ہوتا ہے، لہٰذا نظر یا خبر سے مشاہدہ کی طرف جانے اور علم الیقین سے عین الیقین تک ترقی کرنے کا ارادہ کیا، اس لئے کہ خبر ہرگز مشاہدہ کا مقام نہیں رکھتی، اسی بنا پر تو سہل بن عبداللہ نے کہا کہ انہوں نے آنکھوں سے ظاہری پردے اٹھا دینے کا سوال کیا تاکہ نور یقین کے ساتھ اپنی اس حالت پر مزید یقین حاصل ہو جائے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ مشرکوں پر اس طرح پر حجت قائم کر دی جائے کہ یوں اللہ عزوجل زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس بنا پر انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تاکہ اعلانیہ طور پر ان پر حجت قوی ہو جائے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ کہ بعض کا قول ہے کہ ان کا یہ سوال بطریق ادب تھا لیکن مراد یہ تھی کہ اے خدا تو مجھے مردے زندہ کرنے کی قدرت مرحمت فرما اور "لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ" سے یہ مراد تھی کہ میرا دل اس تمنا سے تسلی پائے۔

(۶) چھٹی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے دل میں شک دیکھا، حالانکہ انہیں شک نہ تھا مگر یہ کہ اس طرح پر شک دور کر کے قرب مزید کا حصول ہو جائے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نَحۡنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنۡ اِبۡرَاهِيۡمَ (ہم حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے شک کے زیادہ مستحق ہیں) یہ در حقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہے اور کمزور طبیعتوں کی مقام معرفت سے دوری ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ایسے گمان کی نسبت کریں۔

مطلب یہ کہ ہم اٹھائے جانے اور اللہ عزوجل کے احیاء موتی پر یقین رکھتے ہیں، پس اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا تو یقیناً ہم ان سے زیادہ شک کریں گے بہ بطریق ادب فرمایا یا اس سے آپ کی وہ امت مراد ہے جن پر شک جائز ہے یا طریق تواضع و شفقت فرمایا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ان کی اپنی حالت کی آزمائش ہے بالیقین کی زیادتی پر محمول کیا جائے۔

اس کے بعد اگر تم یہ کہو کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ﴾

اور اے سننے والے! اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا۔ (یونس:۹۴)

اے پڑھنے والے تو اس سے خوفزدہ رہ اور تیرے دل کو اللہ عزوجل مضبوط رکھے کہ تیرے دل میں اس خطرے کی گنجائش نکلے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا کہ جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے بارے میں (معاذ اللہ) شک کا اثبات ہے اور یہ کہ آپ ﷺ بشر ہیں اس قسم کے خطرات کا آپ ﷺ پر اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے وحی کے بارے میں ہرگز شک نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ نے کسی سے استفسار کیا۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۳۸۹ یونس ۹۴)

اسی طرح ابن جبیر اور جریج رحمہما اللہ سے مروی جسے قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ

نے فرمایا کہ نہ کبھی مجھے شک گزرا اور نہ اس بارے میں کسی سے دریافت کیا۔ (تفسیر در منثور جلد ۴ ص ۳۸۹)

بالعموم مفسرین اس قول پر ہیں، البتہ مفسرین نے اس کے معنی میں کئی قول بیان کئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شک کرنے والوں کو فرما دیجئے اگر تم شک کے مریض ہو تو..... الآیہ، مفسرین نے کہا کہ اس سورۃ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس تاویل پہ دلالت کرتی ہو اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان کہ:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِيۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِيۡ﴾

اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو۔ (یونس:۱۰۴)

اس تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل عرب کو خطاب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں ہے، جیسا کہ خود ہی فرمایا: ﴿لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر:۶۵)

اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اگر چہ اس آیت میں مخاطب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر مراد حضور کے سوا ہیں، اس کے مثل یہ قول باری ہے:

فَلَا تَكُ فِيۡ مِرۡيَةٍ مِّمَّا يَعۡبُدُ هٰٓؤُلَآءِ: تو اے سننے والے دھوکے میں نہ پڑ اس سے جسے یہ کافر پوجتے ہیں، اس طرح کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔

بکر بن العلاء علیہ الرحمہ کہتے ہیں تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ عزوجل فرما رہا ہے:

﴿وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾

اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنھوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں۔ (یونس:۹۵)

حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وہ ہیں کہ جس دعوت کی تبلیغ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

تکذیب کرتے ہیں پھر آپ ﷺ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ان مکذبین کی ہمنوائی کرنے والوں میں سے ہو جائیں، یہ تمام دلیل اس بات پر شاہد ہیں کہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ فرمان کہ:

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا﴾

وہ بڑی مہر والا تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔ (الفرقان:۵۹)

ایسا جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے سوا لوگ ہیں تا کہ وہ حضور ﷺ سے سوال کریں اور نبی کریم ﷺ تو خبر دینے والے اور مسئول عنہ ہیں نہ کہ خبر طلب کرنے والے اور سوال کرنے والے، ایک قول یہ ہے کہ یہ شک جس کے ساتھ غیر نبی کو ان لوگوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو کتاب پڑھتے ہیں سو وہ اس بارے میں ہے جن کا اللہ عزوجل نے قصہ بیان کیا ہے یعنی امتوں کی خبریں وغیرہ نہ کہ وہ امر جس کی طرف آپ کو بلایا ہے یعنی توحید و شریعت، اسی کے مثل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ﴾

اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ (الزخرف:۴۵)

عتبی علیہ الرحمہ کے قول کے بموجب بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد مشرکین ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم سے ان نبیوں کے بارے میں دریافت کرو جو آپ ﷺ سے پہلے ہم نے بھیجے ہیں یہاں خافض (یعنی حرف جر "عن" "مَنْ أَرْسَلْنَا میں) محذوف ہے اور کلام پورا ہو گیا، پھر شروع کیا کہ ﴿اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ﴾ کیا ہم نے رحمن کے سوا کچھ اور خدا ٹھہرائے۔

(پ۲۵ الزخرف:۴۵)

یہ بطریق انکار ہے یعنی ہم نے نہیں کیا، اسے مکی علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ شب معراج انبیا علیہم السلام سے اس بارے میں استفسار فرمائیں، مگر آپ کا یقین اس سے زیادہ پختہ تھا کہ آپ ان سے استفسار کے محتاج ہوں، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں سوال نہیں کروں گا مجھے اس پر یقین ہے۔ اسے ابن زید علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کی امتوں سے دریافت کیجئے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے، اسی معنی میں مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اسی آیہ کریمہ اور ماقبل کی آیت کے معنی و مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ آگاہ فرمانا تھا کہ اس کے ساتھ تمام رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے، بلاشبہ اللہ عزوجل نے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا، دراصل اس میں مشرکین عرب وغیرہ کا رد فرمانا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ﴾ (الزمر:۳)

ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیہ کردیں۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔ (الانعام:۱۱۴)

مطلب یہ کہ ان کے علم میں یہ شک ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کے رسول نام نہیں، اگرچہ وہ زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں، اس سے حضور ﷺ کا شک مراد ہیں جیسا کہ پہلی آیت میں

مذکور ہوا اور ممکن ہے یہ آیت بھی پہلے معنی کی طرح حامل ہو۔

یعنی اے حبیب ﷺ! آپ ان لوگوں سے فرمادیں جو اس میں شک و تردد رکھتے ہیں کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس پر پہلی آیت دلیل بن جائے گی، ارشاد ہوا:

﴿اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا﴾

تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔ (الانعام:۱۱۴)

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس طرح پر دوسروں کو خطاب فرمارہے ہیں، بعض نے کہا کہ یہ تقریر و بیان ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰـہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾

کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا۔ (المائدہ:۱۱۶)

یقیناً انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے نہیں فرمایا، ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو تو شک نہیں ہے، پس سوال کرو تمہارا اطمینان و علم اپنے علم و اطمینان کے ساتھ زیادہ ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تم کو اس بارے میں شک ہے کہ جو ہم نے تم کو شرافت و فضیلت عنایت فرمائی تو ان سے اپنی صفت اور فضیلت کے بارے میں سوال کرو جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَکٍّ سے مراد آپ ﷺ کے غیروہ لوگ ہیں جن پر ہم نے اتارا ہے، اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں کہ

﴿حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَایۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا﴾

یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے غلط کہا تھا۔ (یوسف:۱۱۰)

توہم کہیں گے کہ اس کے دو معنی ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ کیا رسول اپنے رب عزوجل سے یہ گمان کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول جب مایوس ہو گئے تو گمان کیا کہ وہ متبعین جنہوں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے جھوٹ بولا تھا، اس قول پر اکثر مفسرین ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ظَنُّوْا کی ضمیر متبعین اور امتوں کی طرف راجع ہے نہ کہ انبیاء ورسل کی طرف۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور نخعی، ابن جبیر رحمہا اللہ اور ایک جماعت علماء کا ہے، اسی معنی کی رعایت سے مجاہد علیہ الرحمہ نے کَذَبُوْا (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے بعد اب تیرا دل کسی شاذ تفسیر کی طرف راغب نہیں ہونا چاہئے، جب یہ علماء کے منصب کے لائق نہیں تو انبیاعلیہم السلام کے ساتھ کیونکر درست ہوسکتا ہے، اسی طرح جو سیرت کی حدیث اور ابتداء وحی کے حال میں وارد ہے کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ”میرے دل میں خوف گزرا تھا“، اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کو فرشتہ کی رویت کے بعد اللہ عزوجل جو آپ کو عطا فرمائے گا اس میں کوئی شک تھا، لیکن ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت مقابلہ وملک اور تنزیل وحی کی وجہ سے ہو کہ شاید کہ قلب اطہر برداشت نہ کرسکے یا جان چلی جائے، یہ اس روایت کی تاویل ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی یا یہ کہ فرشتہ کی ملاقات اور اللہ عزوجل کی نبوت سے اطلاع کی خبر دینے سے پہلے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عجائبات پیش ہو رہے تھے کہ شجر و حجر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواہیں اور بشارتیں آنی شروع ہو گئیں، اس وقت فرمایا ہو جیسا کہ اس حدیث کی دیگر سندوں میں مذکور ہے کہ یہ باتیں پہلے تو خواب میں ہوئیں اس کے بعد بیداری

میں، اس طرح دوبارہ دکھائی گئیں تاکہ آپ ﷺ بعد کو یکدم اعلانیہ اور بالمشافہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو اور خلقت بشری کی بنا پر ممکن ہے کہ برداشت نہ فرماسکیں۔

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء جو ہوئی تو رویائے صادقہ (سچی خواب) سے ہوئی، فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو تنہائی (خلوت) محبوب ہوگئی، فرماتی ہیں یہاں تک کہ حق (قرآن یا فرشتہ یا وحی) غار حرا میں آنے لگا آخر حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی جلد ا صفحہ ۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا ص ۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر ہے آواز سماعت فرماتے اور سات سال تک صرف روشنی ملاحظہ فرماتے کچھ اس میں نظر نہ آتا اور آٹھ سال تک آپ پر وحی کی گئی۔ (طبقات ابن سعد)

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے کسی صحابی سے روایت کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور قریبی مقام غار حرا کا ذکر کیا، فرمایا کہ پس میرے پاس فرشتہ آیا در آنحالیکہ میں سو رہا تھا، مجھ سے کہا: اِقْرَاْ (پڑھو) میں نے کہا:

مَا اِقْرَاْ (میں نہیں پڑھوں گا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مثل بیان کیا کہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو چپٹایا اور قرات کرائی کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق:۱) تین مرتبہ ایسا کیا۔

فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں نیند سے بیدار ہوگیا گویا کہ وہ سورت میرے دل نشین ہوگئی، حالانکہ میرے نزدیک شاعر اور دیوانہ پن سے بڑھ کر کوئی شخص مبغوض نہ تھا، میں نے خیال کیا کہیں قریش مجھ سے ہمیشہ ایسا گمان نہ کرنے لگیں اگر قریش نے ایسا گمان کیا تو یقیناً میں کسی بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے کو گرا کر ہلاک کر لوں گا، میں ایسا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آسمان سے ایک ندا سنی:

اے محمد ﷺ! تم اللہ عزوجل کے رسول ﷺ ہو اور میں جبریل ہوں، اس وقت اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ مرد کی صورت میں جبریل علیہ السلام ہیں (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۳۱) اور حدیث کو بیان کیا، اس کے بعد (راوی حدیث حضرت اسحاق علیہ الرحمہ) نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا یا جو ارادہ کیا وہ تو اس وقت کا حال ہے جب کہ آپ ﷺ کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اللہ عزوجل کے آپ ﷺ کو اپنی نبوت سے خبردار اور اس کے اظہار اور رسالت کے ساتھ سرفرازی کی خبر سے مطلع فرمانے سے پہلے کی بات تھی۔

اور اسی طرح عمرو بن شرجیل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک ندا سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے خدا کی قسم کہ یہ کوئی خاص بات ہے۔ (دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۱۵۸)

حماد بن مسلمہ علیہ الرحمہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں ایک آواز سنتا ہوں اور ایک (خاص قسم کی) روشنی دیکھتا ہوں مجھے خوف ہے کہ یہ کہیں میرا جنون نہ ہو، اس کی اس طور پر تاویل کی جائے گی کہ آپ کا قول جو ان بعض احادیث میں ہے چونکہ ایسی باتیں شاعر اور مجنون سے بہت دور ہوتی ہیں اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جن سے شک کے معانی اس امر کی تصحیح میں جس کو آپ نے دیکھا سمجھے جاتے ہیں (اس کی یوں تاویل کریں گے کہ) یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے ابھی فرشتے سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ ﷺ اس کے رسول ﷺ ہیں اور ان الفاظ کے بعض طریقے صحیح نہیں ہیں لیکن اللہ عزوجل کی اطلاع اور فرشتے کی ملاقات کے بعد اس میں اصلا شک نہ ہوا تھا اور اس پر شک جائز بھی نہیں ہے، جو آپ ﷺ پر القاء (وحی) فرمائی گئی تھی۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے اپنے مشائخ حدیث سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں منتر تھا نزول قرآن سے پیشتر منتر کیا جاتا تھا جب قرآن پاک نازل ہوا اور آپ ﷺ کو وہی (آنکھ کی) تکلیف ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ کی خدمت میں اس شخص کو بھیجوں جو آپ ﷺ پر منتر کرے، فرمایا: اب کوئی ضرورت نہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ انہوں نے اپنا سر کھول کر جبریل علیہ السلام کا امتحان لیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸-۱۳۷) (آخر حدیث تک) تو یہ حدیث صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خاص ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تحقیق کی آیا کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہی ہے، (یا کوئی اور) سوا ان کا شک جاتا رہا، یہ اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے لئے کیا تھا اور یہ کہ اس طرح پر آپ ﷺ کے حال کی خبر چاہی تھی بلکہ عبداللہ بن محمد بن یحیی بن عروہ علیہ الرحمہ کی حدیث میں جو کہ ہشام علیہ الرحمہ سے اور وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تم اس معاملہ کا اس طرح امتحان کرو۔

اور اسماعیل بن ابو حکیم علیہ الرحمہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے ابن عم! کیا آپ یہ کر سکتے ہیں کہ جب آپ کے صاحب (جبریل علیہ السلام) آئیں تو آپ مجھے فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کو خبر دی، تب انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ میرے پہلو میں بیٹھیں اس کے بعد پوری حدیث بیان کی، (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۵)، اس حدیث میں یہ ہے:

کہ اے ابن عم! یہ شیطان نہیں فرشتہ ہی ہے آپ ﷺ ثابت قدم اور خوش رہے اور وہ آپ

ﷺ پر ایمان لے آئیں، یہ بات تو اس کی پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا اپنے لئے طلب ثبوت تھا، اس طرح وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتی تھیں نہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کے لئے تھا۔

انقطاع وحی (وحی کا نہ آنا)

انقطاع وحی میں معمر رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک اس کا اتنا غم کیا کہ کئی مرتبہ عزم کیا کہ بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ کر گر پڑیں، وہ اس کی اصلیت میں قدح (تردید، اعتراض وغیرہ) نہیں کرتے کیونکہ معمر علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۲، ص ۱۵۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد صفحہ ۲۱۷) انہوں نے اس کی نہ تو حضور ﷺ تک اسناد کی ہے اور نہ اس کے راوی بیان کئے ہیں اور نہ اس کا ذکر کیا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے اور نہ یہ کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس قسم کی روایت نبی کریم ﷺ سے معروف ہے باوجودیکہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء امر کی بات ہو، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا ہو جن کو آپ ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا﴾

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔ (الکہف:۶)

اس تاویلی معنی کی تصحیح وہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے شریک علیہ الرحمہ نے محمد بن عبد اللہ بن عقیل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مشرکین مکہ جب دار الندوہ میں مشاورت کے لئے جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ سب کہیں کہ (معاذ اللہ حضور ﷺ) ساحر ہیں۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ لابی نعیم جلد ۱ ص ۳۱۷) یہ بات آپ ﷺ پر غایت درجہ گراں خاطر ہوئی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور بدن اقدس کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تلاوت کی کہ **يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ** (اے جھرمٹ والے نبی) **يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** (اے کمبل پوش نبی) یا یہ کہ انقطاع وحی کا سبب کسی ایسے سبب سے نہ ہوا جس کا صدور آپ ﷺ سے ہوا ہو تو اس سے خائف ہوئے کہ یہ انقطاع وحی کہیں خدا کی جانب سے بطور مواخذہ نہ ہو تو اس وقت آپ ﷺ نے ایسا ارادہ کیا حالانکہ اس وقت تک شریعت میں ایسے خیال کرنے کی بھی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی جس کی بنا پر کوئی اس پر اعتراض لازم آسکے۔

اسی سلسلہ میں سے حضرت یونس علیہ السلام کا اس اندیشہ سے بھاگنا کہ کہیں ان کی قوم ان کی تکذیب نہ کرے، جو کہ انہوں نے عذاب الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزوجل کا فرمان کہ:

﴿ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾

تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ (الانبیاء:۸۷)

اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ہم ان پر سختی نہ فرمائیں گے، اس میں مکی علیہ الرحمہ کا یہ قول ہے کہ انہوں نے اپنے فرار (چلے جانے میں) میں رحمت الٰہی کی خواہش سمجھی کہ ان کے چلے جانے سے اللہ عزوجل ان کی قوم پر تنگی نہ فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم

ان کی قوم پر وہ عذاب لائیں گے جس میں ان کی قوم مبتلا کی گئی، نَقۡدِرُ کو نُقَدِّرُ (دال کی تشدید کے ساتھ) بھی پڑھا ہے، یعنی انہوں نے گمان کیا کہ ان پر یہ عذاب مقدر نہ کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی سے ہیں کہ ہم ان کے فرار اور غصہ پر مواخذہ نہ کریں گے اور ابن زید علیہ الرحمہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ اَفَظَنَّ کیا انہوں نے گمان کیا یعنی یہ کلام بطور استفہام صادر ہوا ہے اور ہمزہ استفہام تخفیف کے لئے محذوف ہے (یہ مسلمہ امر ہے کہ) کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی نبی علیہ السلام پر یہ گمان کرے کہ نبی اپنے رب عزوجل کی صفات میں سے کسی صفت سے ناواقف ہوتا ہے، اس سلسلہ میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے کہ ﴿اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ (الانبیاء:۸۷)

اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ان کے کفر کی بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے یہی قول ابن عباس، ضحاک رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنے رب عزوجل سے ناراض ہو کر چلے گئے اس لئے کہ اللہ عزوجل سے ناراضگی تو اس سے عداوت وبغاوت ہے اور اللہ عزوجل سے عداوت کفر ہے، یہ تو مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم سے حیا کی وجہ سے چلے گئے کہ انہیں کوئی جھوٹا نہ کہ دے یا انہیں قتل نہ کر دے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی بادشاہ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اس کو جو اللہ عزوجل نے کسی نبی علیہ السلام کی وساطت سے حکم الٰہی بجالانے کا حکم دیا تھا (اور اس نے ان کی نافرمانی کی تھی) تو اس سے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے فلاں نبی علیہ السلام اس (بادشاہ) پر زیادہ قوی ہے تو اس نے ان پر سختی کی تو وہ اس بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت کی بعثت اس کے بعد ہوئی کہ مچھلی نے ان کو اپنے شکم سے باہر نکال دیا تھا، اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ:

﴿ فَنَبَذۡنٰهُ بِالۡعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيۡمٌ (۱۴۵) وَ اَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ (۱۴۶) وَ اَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ (۱۴۷) ﴾

پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ (الصّٰفّٰت ۱۴۵-۱۴۷)

اور اس سے بھی استدلال کیا کہ: ﴿ وَ لَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ﴾

اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا۔ (قلم:۴۸)

اس کے بعد قصہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴾

تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا۔ (قلم:۵۰)

پس واقعہ قبل نبوت کا ہے۔

اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میرے دل پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ (جس کی وجہ سے میں) اپنے رب عزوجل سے استغفار دن میں سو مرتبہ کرتا ہوں (صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۴ صفحہ ۲۰۷۵) اور ایک روایت میں ہے ستر مرتبہ سے زیادہ ہر دن کرتا ہوں۔

تو اے پڑھنے والے! تو اس وسوسہ سے اپنے کو محفوظ رکھ تاکہ تیرے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ "غین" وسوسہ یا شک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں گزرتا ہے بلکہ اس جگہ "غین" سے مراد وہ شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے، ابو عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ "غین" غین السما (آسمان کے بادل) سے مشتق ہے، وہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

دوسروں نے کہا کہ "غین" ایک ایسی شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے مگر اسے چھپاتی نہیں جیسے ہلکا بادل

جو ہوا میں چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاع کو روکتا نہیں ہے، اسی طرح اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ آپ ﷺ کے قلب اقدس پر ہر دن سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ غین طاری ہوتا ہے کیونکہ لفظ مذکور جس کو ہم نے بیان کیا اس کا مقتضی نہیں ہے اور وہی اکثر روایتوں میں آیا ہے، اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ یہ تعداد استغفار کی ہے نہ کہ غین کی۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اس غین سے مراد غفلات قلبی، فترات نفسانی اور سہو انسانی ہے جو بوقت ذکر و مشاہدۂ حق آپ پر بوجہ مقاسات بشری، سیاست امت، شفقت اہل و عیال، مقارمت دوست و دشمن، مصالحت نفس کی وہ کلفتیں جو خاص آپ ﷺ کو عطا ہوئیں ادائے رسالت حمل امانت وغیرہ ہو۔

آپ ﷺ ان سب حالتوں میں اپنے رب عزوجل کی طاعت اور اپنے خالق کی عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کا مرتبہ و مقام بارگاہ الٰہی میں تمام مخلوق سے زیادہ ارفع و اعلیٰ تھا اور آپ ﷺ کو اللہ عزوجل کی معرفت سب سے زیادہ حاصل تھی اور آپ ﷺ کی وہ حالت جب کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک ملاحظہ غیر سے خالی ہوتا اور آپ ﷺ کی ہمت رفیع اس کے ماسوا سے فارغ ہوتی اور آپ ﷺ اپنے رب عزوجل کے ساتھ متفرد اور ہمہ تن ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوتے اور آپ ﷺ کی وہ حالت ان دونوں حالتوں سے رفع تر ہوتی تھی، تو آپ ﷺ اس حالت فترت اور شغل بالغیر کو اپنی حالت رفیعہ اور مرتبت جلیلہ کا نقصان اور انحطاط خیال فرماتے، اس بنا پر آپ ﷺ اپنے رب عزوجل سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث کے معنی و مفہوم کے بیانات میں سے یہ معنی و مفہوم سب سے زیادہ قوی اور مشہور تر ہے، اسی معنی مذکور کی طرف اکثر علماء کا میلان ہے، اگرچہ وہ اس کے ارد گرد گردش کرتے رہے ہیں لیکن جو بیان ہم نے کیا ہے اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی، بلاشبہ ہم نے اس کے گہرے معنی کو فہم سلیم کے

قریب کر دیا ہے اور اس شخص کے لئے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے بالکل روشن کر دیا ہے، یہ تاویل اور توجیح اس پر مبنی ہے کہ طریق تبلیغ کے سوا اور امور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو و نسیان اور غفلت کا طاری ہونا جائز ہے جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

اور ارباب باطن و مشائخ تصوف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فہم کی غفلت اور فترت سے بھی مبرا اور منزہ ہیں ان کا مذہب ہے کہ اس سے وہ غم و افکار مراد ہیں جو کہ وفور شفقت و راحت کی وجہ سے امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و دماغ پر وارد ہوتے رہتے ہیں، مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ استغفار ان کے لئے فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں "غین" سے مراد سکینہ و اطمینان ہو جو کہ آپ کے قلب سلیم کو حاصل ہوتا تھا، اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾

تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا۔ (التوبہ: ۴۰)

اس توجیح پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار کرنا اظہار عبودیت و احتیاج رب کے لئے ہوگا، ابن عطاء علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار فرمانا تعلیم امت کے لئے ہے تاکہ انہیں استغفار میں رغبت ہو علاوہ بریں دوسروں نے بھی کہا کہ اس سے مقصود بچاؤ کی دریافت اور جائے امن کی طرف میلان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "غین" سے مراد حالت خشیت اور وہ عظمت الٰہی مراد ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر وارد ہوتی ہو ایسی حالت میں ادائے شکر اور التزام عبودیت کے لئے استغفار فرماتے ہوں جیسا کہ عبادت کے (دوام) پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، انہیں آخری وجوہات پر وہ حدیث محمول ہے جو اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے دل میں ایک خاص حالت دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہوتی ہے، اس وقت میں اللہ عزوجل سے

استغفار کرتا ہوں"، اگر تم دریافت کرو کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ سے جو یہ فرمایا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ:

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾

اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن۔ (انعام:۳۵)

اور حضرت نوح علیہ السلام والسلام سے فرمایا کہ

﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (ہود:۴۶)

تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔

تو واضح ہونا چاہئے کہ اس بارے میں اس قائل کی طرف توجہ نہ کی جائے گی جو ہمارے نبی ﷺ کے بارے آیت کی تفسیر میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے جاہل ہیں، اگر اللہ عزوجل چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہ آپ ان میں سے نہ بنیں جو اس سے جاہل ہیں، یقیناً اللہ عزوجل کا وعدہ حق ہے کیونکہ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ بیشک تیرا وعدہ سچا ہے۔ (ہود:۴۵)

اس تفسیر کی طرف التفات اس لئے نہ ہوگا کہ اس میں اللہ عزوجل کی صفات میں ایک صفت (معاذ اللہ) "جہل" کا اثبات ہوتا ہے جس کا صدور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جائز نہیں اور مقصود تو ان کو نصیحت کرنا ہے کہ وہ اپنے امور میں جاہلوں کی روش کی مشابہت نہ کریں، جیسا کہ فرمایا: اِنِّيْۤ اَعِظُكَ (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اور ان آیتوں میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ وہ اس صفت پر تھے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا بھلا یہ کیسے ان سے ہو سکتا ہے، حالانکہ آیت نوح علیہ السلام اس سے پہلے ہے کہ

﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾

تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔ (ہود:۴۶)

لہذا اس کے مابعد کو ماقبل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا مثل اذن کا محتاج ہوتا ہے اور ابتداء میں اس کا سوال کرنا جائز ہے، لہذا اللہ عزوجل نے ان کو اس سے منع فرمایا جسے اس کا علم حاوی اور اس کا غیب اس پر طاری جو ایسا سبب تھا جس میں ان کے بیٹے کی ہلاکت تھی، اس کے بعد اللہ عزوجل نے ان پر اپنی نعمت یہ بتا کر پوری فرمادی کہ:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾

وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ھود:۴۶)

یہ معنی مکی علیہ الرحمہ نے بیان کئے، اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو دوسری آیت میں آپ ﷺ کی قوم کی روگردانی پر آپ ﷺ کو لزوم صبر کی تلقین فرمائی تاکہ اس وقت آپ ﷺ تنگ دل نہ ہوں کہ لاعلمی میں کہیں شدت کے ساتھ افسردگی نہ فرمائیں، اسے ابوبکر بن فورک علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب آپ ﷺ کی امت کے لئے ہے یعنی تم لوگ جاہلوں میں سے نہ بنو، اسے ابو محمد مکی علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور کہا: قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور اسی فضیلت کی بنا پر نبوت کے بعد قطعی طور پر انبیا علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہونا ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی اس سے عصمت ثابت کی اور یہ کہ ان پر ان باتوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں تو پھر اس وقت اللہ عزوجل کی اس وعید کے کیا معنی ہوں گے جو حضور ﷺ کے لئے فرمائی اگر وہ ایسا کریں، چنانچہ فرمایا:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (زمر:۶۵)

اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اور فرمایا: ﴿وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ﴾

اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے اور نہ برا۔ (یونس:۱۰۶)

اور فرمایا: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ﴾

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔ (الاسراء:۷۵)

اور فرمایا: ﴿لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ﴾

ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔ (الحاقہ:۴۵)

اور فرمایا: ﴿اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾

اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ (الانعام:۱۱۶)

فرمایا: ﴿فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾

اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرما۔ (الشوریٰ:۲۴)

فرمایا: ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾

اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ (المائدہ:۶۷)

فرمایا: ﴿اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ﴾

اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا۔ (الاحزاب:۱)

تو بتوفیق الٰہی معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کی طرف اس امر کی نسبت جائز نہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ نہ کریں اور نہ یہ جائز کہ آپ ﷺ اپنے رب عزوجل کی مخالفت کریں یا اس کے ساتھ کسی

کو شریک کریں یا اللہ عزوجل پر وہ بات لگائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس پر افتراء کریں یا خود گمراہ ہو جائیں یا اللہ عزوجل آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دے یا آپ ﷺ کافروں کی پیروی کرنے لگیں (ان سب باتوں کا صدور آپ ﷺ سے ممکن ہی نہیں) لیکن یہ تمام باتیں اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر منکشف کر کے اور ایک ایک کر کے بیان کر کے مخالفوں پر تبلیغ کرنا آسان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر آپ ﷺ کی تبلیغ اس نہج پر نہ ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے تبلیغ ہی نہیں کی, اس طرح آپ ﷺ پر حقائق واقعیہ واضح کر کے آپ ﷺ کو خوش کر دیا اور آپ ﷺ کے دل کو مضبوط بنا دیا اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (المائدہ:۶۷)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو تا کہ تبلیغ واظہار دین میں ان کی بصیرت قوی ہو جائے اور دشمن کا خوف جاتا رہے جو دلوں کو کمزور بناتا ہے۔

لیکن اللہ عزوجل کا فرمان:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴾

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔ (الحاقہ:۴۴)

اور یہ کہ: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ﴾

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔ (الاسراء:۷۵)

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کا بدلہ ہو گا، اگر آپ ﷺ بھی ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا بھی یہی بدلہ ہو گا، حالانکہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں گے، اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾

اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ (الانعام:۱۱۶)

اس آیت سے آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگ مراد ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو۔۔۔

اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان: فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهِ: اگر اللہ چاہے تو۔

اور یہ کہ: لَئِنْ اَشْرَكْتَ: اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا۔ (الزمر:۶۵)

اس قسم کی دیگر تمام آیتیں در حقیقت آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو شرک کرتے ہیں لہذا نبی کریم ﷺ کی طرف تو اس کی نسبت بھی جائز نہیں ہے اور اللہ عزوجل کا یہ قول کہ: اِتَّقِ اللّٰهَ: یعنی اللہ سے ڈرو۔ (الاحزاب:۱)

اور کافروں کی اطاعت نہ کرو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ان کی اطاعت کر لی ہے، یہ اللہ عزوجل جس سے چاہے جیسا چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو چاہے حکم فرما سکتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾

اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ نے نہ ان کی سرزنش فرمائی تھی اور نہ واقعتہً آپ ﷺ ظالموں سے تھے۔

دوسری فصل

قبل اظہار نبوت انبیا علیہم السلام کی عصمت

عقد قلبی میں سے انبیاء علیہم السلام کا نبوت سے پہلے معصوم ہونا بھی ہے، چنانچہ اس خصوص میں لوگوں کا اختلاف ہے اور مذہب حق و صواب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اللہ عزوجل کی ذات وصفات اور اس میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ان کی ولادت کے وقت سے ہی نہایت قوی و مضبوط آثار و اخبار ہویدا (ظاہر) ہوتے ہیں اور وہ ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوتے ہیں، وہ نہ صرف توحید و ایمان پر ہی پرورش پاتے ہیں بلکہ معارف کے انوار اور سعادت کے الطاف کی بارشوں میں ان کی نشوونما ہوتی ہے، جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے دوسرے باب میں خبردار کیا ہے۔

اہل سیر و تواریخ میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا کہ کبھی بھی کوئی ایسا نبی چنا گیا ہو جو نبوت سے پہلے (معاذ اللہ) کفر و شرک میں معروف و مشہور رہا ہو جو کہ اس باب میں نقل پر اعتماد کیا جائے، حالانکہ بعض علماء استدلال میں کہتے ہیں کہ جس میں اس قسم کی عادت ہوتی ہے اس سے لوگ نفرت کیا کرتے ہیں۔

لیکن میں (فقیہہ قاضی عیاض) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قریش نے ہر قسم کے افتراعات اور بہتان اٹھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر قسم کے طعن کئے اور نیز انبیاء سابقین علیہم السلام کے کفار نے بھی اپنے اپنے نبی علیہ السلام پر جو ان سے ممکن تھا قسم قسم کی الزام تراشی کی جیسا کہ اللہ عزوجل

نے بیان فرمایا یا اہل سیر و تواریخ نے ہم سے نقل کیا، لیکن ہم نے ان پر اٹھائے گئے مطاعن میں یہ کہیں نہیں پایا کہ کسی نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے اپنے معبود حقیقی یا اس حکم کی سرتابی کی ہو جو وہ لائے تھے اور اگر ایسا کہیں ہوا ہوتا تو یقیناً ایسے الزام دھرنے سے وہ بھی نہ چوکتے اور اس پر انہیں عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے کہ ان کا کیا اعتبار! یہ تو اپنے معبود کے بارے میں ہی غیر مستقل ہیں، بلا شبہ وہ کفار اپنے نبی ﷺ کی اس پر زجر و توبیخ کرنے میں، جس کی پرستش سے وہ نبی روکتے تھے ان کی حمایت کی خاطر زیادہ رسوا کن اور مضبوط دلیل ہوتی، حالانکہ انبیاء کرام ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے معبودان باطل کی پرستش پر برابر منع کرتے رہے ہیں، اب ان تمام کفار کا بالاتفاق اس طعن سے اعراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو ایسا اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک منقول ہوتا اور وہ بھی اس سے پہلو تہی نہ کرتے جیسا کہ بوقت تحویل قبلہ خاموش نہ رہے اور کہہ اٹھے جیسا کہ اللہ عزوجل نے نقل فرمایا کہ ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ﴾

کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے۔ (البقرہ: ۱۴۲)

قاضی قشیری علیہ الرحمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت و تقدس پر اللہ عزوجل کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ: ﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ ﴾

اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے۔ (الاحزاب: ۷)

اور فرمایا:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ﴾

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف

لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماتے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (آل عمران:۸۱)

قاضی قشیری علیہ الرحمہ نے کہا، اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو روز میثاق پاک فرمایا اور یہ بات تو بعید ہے کہ اللہ عزوجل آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی ولادت سے قبل عہد لے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس پر عہد لے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی نصرت و مدد کریں گے، اپنے عہد کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر شرک و معاصی وغیرہ کی نسبت کرنا جائز ہو سکے، ایسی نسبت کو وہی شخص جائز رکھ سکتا ہے جو ملحد ہو، یہ قشیری علیہ الرحمہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اس کے علاوہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی صغر سنی میں آکر شق صدر کر کے اس سے علقہ (لوتھڑا) نکالا اور آپ ﷺ سے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کے بعد اسے غسل دے کر ایمان و حکمت سے پر کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۴۷)، جیسا کہ ابتدائی خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے جب کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا: یہ ہے رب؟ اگرچہ اس پر ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ علیہ السلام کی ابتدائی عمر تھی جو بچپنے کی فکر و نظر ہے اور یہ عمر تکلیفات شرعیہ کے لازم ہونے کی نہیں ہوتی لیکن اعاظم تبحر علماء و مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کو عاجز کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا اور اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ایسا استفہام ہے جو انکار کے موقع پر بولا جاتا ہے، مطلب یہ کہ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے؟ (یعنی ہرگز

نہیں) اور زجاج علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا قول "هٰذَا رَبِّی" کے معنی یہ ہیں تمہارے قول کے مطابق۔

جیسا کہ فرمایا اَیْنَ شُرَکَائِیَ یعنی جو کہ تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ آپ علیہ السلام نے ایک آن کے لئے کبھی کسی معبود باطل کی عبادت نہ کی اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو خدا کا شریک بنایا اس پر خدا کا یہ فرمان شاہد ہے کہ:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ (الشعراء:۷۰)

یعنی جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسے پوجتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔ فرمایا:

﴿قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ(۷۵) اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ(۷۶) فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ(۷۷)﴾

تو کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم۔ (الشعراء ۷۷-۷۵)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾

جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر۔ (الصفت:۸۴)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔ (ابراھیم:۳۵)

اگر تم کہو کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ ﴿لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾

اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا۔ (الانعام:۷۷)

تو اس کا جواب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مدد سے میری نصرت نہ فرماتا تو میں گمراہی اور عبادت میں تمہاری طرح ہو جاتا، آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل خوف خدا تھا ورنہ آپ علیہ السلام تو روز ازل سے ہی ضلالت وغیرہ سے معصوم تھے اور اگر تم یہ کہو کہ اس فرمان الٰہی کے کیا معنی ہیں کہ

﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ ﴾

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔ (ابراہیم:۱۳)

اس کے بعد اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کی جانب سے فرمایا:

﴿ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ﴾

ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آجائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔ (الاعراف:۸۹)

تو تم اس شک میں نہ پڑنا کہ "لوٹ آنا" (عود) اس کا مقتضی ہے کہ وہ اس دین پر لوٹ آئیں گے جس پر وہ پہلے سے تھے کیونکہ محاورہ عرب میں یہ لفظ بھی اس محل پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ ہو اس وقت اس عود کے معنی صیرورت یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانے کے ہوتے ہیں، جیسا کہ جہنمیوں کے لئے فرمایا کہ عَادُوْا حُمَمًا (بخاری کتاب الرقاق الفتح جلد ا صفحہ ۳۱۶، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۷۰) (یعنی وہ کوئلہ ہو جائیں گے) (اس جگہ پر عاد کا لفظ فرمایا گیا) حالانکہ وہ اس سے پہلے ایسے کوئلہ نہ تھے اور جیسا کہ شاعر نے کہا:

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَاقَعْبَانِ مِنْ لَّبَنٍ شِيْبَابِمَاءٍ فَعَادَا بَعْدُ اَبْوَالًا

یعنی یہ مکارم جمیلہ اس دودھ کے برتنوں کے مانند نہیں ہیں جس میں پانی ملایا گیا، پھر اس کے بعد وہ پیشاب بن گئے ہوں حالانکہ اس سے پہلے وہ بول نہ تھا۔

اگر تم کہو کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں:

﴿ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ (الضحیٰ:۷)

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

یہاں ضال کے معنی وہ گمراہی نہیں ہے جو کہ کفر ہے، ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے وارفتہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی طرف ہدایت فرمائی، اسے طبری علیہ الرحمہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ اے محبوب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمراہوں میں پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان سے حفاظت کر کے ایمان وارشاد کی راہ دکھائی اسی طرح سدی وغیرہ سے منقول ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شریعت سے بے خبر تھے یعنی آپ جانتے نہ تھے تو ہم نے اس کی طرف ہدایت کی اور ضلال کے معنی اس جگہ حیرانی کے ہیں۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں خلوت گزریں ہو کر اس چیز کے خواہش مند ہوتے تھے جو اپنے رب عزوجل کی طرف راہ دکھائے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسلام کی طرف راہ دکھائی، یہ مطلب قشیری علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کو نہ جانتے تھے تو اللہ عزوجل نے اس کی طرف ہدایت فرمائی، یہ معنی خدا کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ:

﴿ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ (النساء:۱۱۳) اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

اسے علی ابن عیسی علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گمراہی معصیت نہ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ "ہدایت فرمائی" یعنی دلائل کے ساتھ احکام کو

واضح کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ یا مدینہ اختیار کرنے میں سرگرداں پایا تو اللہ عزوجل نے مدینہ کی طرف ہدایت فرمائی، ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت ہوئی۔

جعفر بن محمد علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ آپ کو اپنی محبت سے جو ازل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی بے خبر پایا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے نہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی معرفت کرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان فرمایا اور حسن ابن علی علیہ الرحمہ نے **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى** پڑھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمراہ نے پایا تو آپ کے سبب وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور ابن عطا علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وارفتہ پایا یعنی "میری معرفت کا دوست پایا" ضال کے معنی دوست کے ہیں۔

جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴾

آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔ (یوسف:۹۵)

یہاں دین میں گمراہی کے معنی نہیں ہیں اگر (برادران حضرت یوسف علیہ السلام) اس معنی میں اللہ عزوجل کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کہتے تو یقیناً وہ سب کافر ہو جاتے، اسی طرح ابن عطا علیہ الرحمہ کے نزدیک اللہ عزوجل کا قول یہ ہے کہ: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

ہم تو اسے صریح خود رفتہ پاتے ہیں۔ (یوسف:۳۰)

اور حضرت جنید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس چیز کے بیان کرنے میں متحیر پایا جو نازل ہوئی تو اس نے اس کے بیان کی راہ دکھائی، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ﴾ اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن اتارا۔ (النحل:۴۴)

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے ساتھ کوئی جانتا ہی نہ

تھا حتی کہ ہم نے تمہیں ظاہر کر دیا اب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سبب سے نیک بخت ہدایت یافتہ ہو گئے۔

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ) میں کسی ایسے مفسر کو نہیں جانتا جس نے اس جگہ ضلال کے معنی ایمان سے گمراہ کئے ہوں اور اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ:

﴿ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾

میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔(الشعرا:۲۰)

یعنی ان خطاروں میں سے تھا جو بلا قصد و ارادہ کوئی کام کر لیتے، اسے ابن عرفہ علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور زہری نے اس کے معنی بھولنے والوں میں سے بیان کئے ہیں اور ایک قول وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھولنے والا پایا تو راہ دکھائی، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ﴾

کہیں ان میں ایک عورت بھولے۔(البقرہ:۲۸۲)

اگر تم کہو کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ ﴾

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔(الشوری:۵۲)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمرقندی علیہ الرحمہ نے اس کے معنی میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وحی سے پہلے جانتے نہ تھے کہ قرآن کو پڑھو گے اور کیونکر مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دی جائے گی۔

قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ نے اسی طرح کہا اور فرمایا کہ اس ایمان کو نہ جانتے تھے جو فرائض و احکام ہیں، کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہلے توحید الہی پر ایمان رکھتے تھے، اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے جن کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہلے جانتے نہ تھے، اب مکلف بنا کر ایمان میں زیادتی فرمائی اور یہی بہترین توحید ہے، اگر

تم کہو کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴾

اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔ (یوسف:۳)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ:

﴿ وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ﴾

اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔ (یونس:۷)

بلکہ ابوعبداللہ ہروی علیہ الرحمہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے بے خبر (غافل) تھے، ایسے کہ آپ کو معلوم نہ تھا مگر جبکہ ہم نے وحی فرمائی، اس طرح وہ حدیث جسے عثمان بن ابی شبہ علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ ایک دن مشرکوں کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لے جارہے تھے تو سنا کہ دو فرشتوں نے جو آپ کے پیچھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا: تم جاؤ اور اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: میں کیسے کھڑا ہو جاؤں حالانکہ اس کا زمانہ بتوں کے چھونے کے قریب ہے، اس کے بعد آپ کبھی ان کے جلسوں میں نہیں گئے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی جلد۲ صفحہ ۳۵، ابن عدی فعفاء الرجال جلد۴ صفحہ ۱۴۴۷)

یہ حدیث بھی وہ ہے جس کا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے شدت سے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے اور دارقطنی علیہ الرحمہ نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ عثمان (راوی حدیث نے) اس کی سند میں وہم کیا اور حدیث فی الجملہ منکر ہے اس کی اسناد پر اتفاق نہیں، لہذا یہ ناقابل توجہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کے برعکس علماء میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے بت پرستی سے طبع

طور پر نفرت تھی اور دوسری اس حدیث میں جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے چچا (ابو طالب) اور ان کی اولاد نے جب اپنی عید کے دن حضور ﷺ سے تشریف لے جانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے نفرت کا اظہار فرمایا تو انہوں نے قسم کے ساتھ اصرار کیا تب آپ ﷺ ان کے ساتھ گئے اور خوفزدہ واپس آئے۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: جب کبھی بھی میرا کسی بت کے نزدیک گزر ہوا تو ایک طویل قامت سفید روپ شخص نے ظاہر ہو کر چلا کر کہا: پیچھے ہٹو اسے نہ چھوؤ، اس کے بعد پھر کبھی ان کی کسی عید پر نہیں گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد صفحہ ۱۵۲)

اور بحیرہ کے قصہ میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کو لات و عزی کی قسم دلائی تھی (طبقات ابن سعد جلد اص ۱۵۴، دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵) اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ آپ ﷺ اپنے چاچا (ابو طالب) کے ساتھ شام کے سفر میں صغر سنی میں تشریف لے گئے تھے اور آپ ﷺ سے علامات نبوت ہو پیدا ہوئے تھے تو اس بحیرہ نے امتحاناً آپ ﷺ کو قسم دلائی تھی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لات و عزی کی قسم دے کر سوال مت کرو، خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں ہے، اس پر بحیرا نے کہا تمہیں خدا کی قسم تم مجھے وہ بات بتلاؤ جو میں دریافت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب جو چاہو پوچھو۔

اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت میں توفیق الٰہی سے یہ معروف و مشہور ہے کہ آپ ﷺ اظہار نبوت سے پہلے حج کے مواقع پر مزدلفہ میں مشرکین کے وقوف کے مخالف تھے اور آپ ﷺ عرفہ میں وقوف فرماتے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا۔

تیسری فصل

انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے

قاضی ابوالفضل توفیق الٰہی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام توحید و ایمان اور وحی میں مضبوط تھے لیکن قطع نظر اس بات کے جو ان کے قلوب صافیہ کا اعتقاد و یقین ہے وہ تو علم یقین سے علی وجہ الکمال بھرا ہوا ہے اور یہ کہ یہ حضرات قدس دین و دنیا کے امور کی معرفت و علم میں اس قدر حاوی تھے کہ کوئی ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا، جس نے خبروں کا مطالعہ اور حدیث میں غور و فکر کیا ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اس نے اس پر گہری نظر و فکر کی ہے تو اسے ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس کتاب کے چوتھے باب کی قسم اول میں جو تنبیہات کی ہیں اس کے لئے کافی ہیں مگر اب ہم ان کے ان حالات کو ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر ان معارف سے مختلف اور امور دنیا سے متعلق ہیں۔

(تو معلوم ہونا چاہئے) انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیاوی امور کی معرفت میں عصمت شرط نہیں ہے کیونکہ انبیاء کو ان میں سے بعض امور کی یا تو اطلاع نہیں ہوتی ہے یا ان کا اعتقاد اس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بات ان کے لئے اصلا عیب نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے تمام عزائم امور آخرت، ان کی خبریں، امور شریعت اور اس کے قوانین و احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور ان سب کی ضد اور غیر ہے بخلاف ان کے سوا اہل دنیا کے۔

﴿یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ هُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ﴾
جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(الروم:۷)

جیسا کہ ہم عنقریب دوسرے باب میں انشاءاللہ عزوجل بیان کریں گے لیکن بایں ہمہ انبیا علیہم السلام کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ وہ دنیاوی امور کو بالکل جانتے ہی نہ تھے، اگر ایسی بات ہو تو میں ان کو غفلت اور نادانی کی طرف لے جائے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے پاک و منزہ ہیں بلکہ ان کو تو دنیا والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور ان کی سیاست (حکومت) و ہدایت اور ان کی دینی و دنیاوی اصلاح کی ذمہ داری انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اور ان امور کی بجا آوری کلیۃ دنیاوی امور سے لاعلمی کی صورت میں ہو نہیں سکتی، اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات اور سیرتیں معلوم ہی ہیں۔

ان کی ان سب سے واقفیت مشہور ہے لیکن اگر یہ اعتقاد دین سے متعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا معلوم ہونا ہی کہنا صحیح ہو گا اور فی الجملہ، ناواقفیت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا جائز نہ ہو گا، اس لئے کہ لامحالہ اس کا علم اللہ عزوجل کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہوا ہو گا اور اس میں شک و شبہ کرنا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزرا، تو اب ناواقفیت کہاں رہی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم الیقین ہو گیا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے اجتہاد سے کیا ہو گا تو یہ اس وقت ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو تو اس قول کی بنا پر محققین کے نزدیک وقوع اجتہاد جائز ہے۔

جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اقتضاء ہے کہ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنے اجتہاد سے تمہاری ان باتوں کا فیصلہ کرتا ہوں جہاں مجھ پر وحی نہیں آتی (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵)، اس کی تخریج ثقہ راویوں نے کی ہے، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۵) اور

جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کو اذن دے دینا ہے (تفسیر ابن جریر سورۃ توبہ آیت ۸ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹)، یہ بعض کی رائے پر ہے تو یہ بھی جس پر آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہے یقیناً حق وصحیح ہوگا اور یہ ایسا حق وصحیح ہے کہ کسی مخالف کی خلاف رائے کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کے قول کے موافق جو کچھ مجتہدین کے صواب کی طرف گیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک حق وثواب ہے اور نہ دوسرے قول پر کہ حق ایک طرف ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا شرعیات میں اجتہاد فرمانا خطا سے معصوم ہونا ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی تو شریعت سے ثابت ہو جانے پر ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر واجتہاد تو ان امور میں ہوتی ہے جہاں آپ ﷺ پر وحی سے کچھ حکم نہ ملا ہو اور نہ اس سے قبل جب کہ آپ ﷺ نے دل سے ارادہ فرمایا کوئی حکم مشروع ہوا ہو لیکن وہ امور شرعیہ جن پر آپ ﷺ کا دل مضبوط نہیں وہ بیشک ابتداء میں آپ ﷺ اس سے لاعلم تھے مگر جب ان کو اللہ عزوجل نے تھوڑا تھوڑا علم مرحمت فرما دیا تو اب ان کا علم بھی آپ ﷺ کو مکمل حاصل ہو گیا یا تو وحی کے ذریعہ یا کسی کام کو شروع کرنے کی اجازت مرحمت فرمانے کی صورت میں آپ ﷺ نے اس پر حکم فرمایا ہو جو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو دکھایا اور بلاشبہ آپ اکثر امور میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

بایں ہمہ آپ ﷺ نے اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں فرمایا جب تک کہ آپ ﷺ کو تمام علوم حاصل نہ ہو گئے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ کو تمام معارف ثابت نہ ہوئے اور ہر قسم کا شک وشبہ اور علی وجہ الکمال جہل کا انتفاء آپ ﷺ سے نہ ہو گیا، حاصل کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ سے وہ تفصیلات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا، ان سے ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ آپ ﷺ نے ان امور کی دعوت دی جن کو آپ ﷺ (معاذ اللہ) خود نہ

جانتے تھے۔

لیکن وہ امور جو آپ ﷺ کے اعتقاد سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں، زمینوں کے ملکوت مخلوقات الہیہ، اس کے اسماء حسنیٰ اور آیات کبریٰ کی تعیین، امور آخرت، علامات قیامت، نیک و بد کی حالت، علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ یعنی گزشتہ و آئندہ کی خبریں، ان سب کا علم آپ کو وحی الٰہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے بیان کے موافق اس میں بھی آپ معصوم ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو علم دیا گیا اس میں اصلا شک و شبہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کو وہ یقین کی اعلیٰ منزل پر معلوم ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ان سب کی تفصیل کا آپ ﷺ کو علم ہو، اگرچہ آپ ﷺ کو اس کا اتنا علم ہے کہ کسی اور بشر کو ہرگز اتنا علم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا کہ مجھے میرے رب عزوجل نے علم دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی انسان کے دل پر گزرا ہے۔

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾

توکسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔ (السجدہ:۱۷)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾

کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں معلوم ہوئی۔ (الکہف:۶۶)

اور حضور اکرم ﷺ کا قول ہے کہ اے خدا بواسطہ اپنے اسماء حسنیٰ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے اسماء کا علم سکھا خواہ میں اسے جانتا ہوں یا اس کا مجھے علم نہیں ہے (دیلمی کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۱۹) اور ارشاد ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام کا جو تو نے اپنا رکھا ہے اسے ترجیح دی ہے علم

غیب میں جو تیرے پاس ہے۔ (مسند امام احمد جلد صفحہ ۳۹۱) اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ف

﴿فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ﴾ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (یوسف: ۷۶)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم کی آخری حد اللہ عزوجل کی ذات پر ہے اس لئے کہ معلومات الٰہیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے، یکم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے جو توحید، شریعت اور امور دینیہ کے معارف و لطائف کے سلسلہ میں ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ اثر شیطان اور ہر شر و فساد پر معصوم تھے

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کا شیطان سے محفوظ و معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل ہی آپ ﷺ کا محافظ ہے شیطان نہ تو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کسی قسم کی اذیت پہنچا سکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

حدیث : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہمنشیں جِن ّ نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے لئے بھی ہے؟ فرمایا: ہاں لیکن اللہ عزوجل نے میری مدد فرمائی اور وہ اسلام لے آیا۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۳ صفحہ ۲۱۶۷)

دوسری حدیث میں منصور علیہ الرحمہ سے اتنا زیادہ ہے کہ اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے معنی میں مروی اور یہ کہ فَاَسۡلَمُ میم کے پیش کے ساتھ یعنی میں اس سے بچتا ہوں اور بعض نے اس روایت کی تصحیح کی اور اس کو ترجیح دی ہے اور مروی ہے کہ وہ اسلام لے آیا یعنی وہ اپنی حالت کفر سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا ہے اب وہ صرف خیر کی تلقین کرتا ہے، فرشتہ کی طرح، یہ ظاہر حدیث میں ہے اور بعض نے فَاسۡتَسۡلَمَ یعنی "فرمانبردار ہو گیا ہے"، روایت کی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ شیطان جو آپ ﷺ کا ہمنشیں ہے اور جو کہ بنی آدم پر مسلط ہے اس کا یہ حکم ہے تو اس کا کیا حال ہو گا جو آپ ﷺ سے دور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی محبت کو لازم نہ کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی جا سکے کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ شیاطین نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے نور کو بجھانا چاہا اور آپ ﷺ کو ہلاک کرنے اور شغل میں مبتلا کرنے کی کوشش میں آپ ﷺ کا پیچھا کیا تھا، جب وہ آپ ﷺ کے اغوا کرنے سے مایوس ہو گیا تو وہ ناکام ہو کر رہ گیا جیسا کہ آپ ﷺ کو نماز میں ورغلانا چاہا تو آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور صحاح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس شیطان آیا۔

(صحیح بخاری بدء الخلق جلد ا صفحہ ۹۹ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۳۸۵)

عبدالرزاق علیہ الرحمہ نے کہا کہ وہ بلی کی صورت میں تھا تو اس نے مجھ پر حملہ کیا تا کہ نماز قطع کرا دے تو اللہ عزوجل نے مجھے اس پر غلبہ عنایت فرمایا اس کے بعد اسے چھوڑ دیا اگرچہ یہ قصہ ہوا کہ اسے ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح کے وقت سب اسے دیکھیں، لیکن اس وقت مجھے اپنی بھائی سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا کہ "رَبِّ هَبْ لِيْ مَلِكًا"، یعنی اے میرے رب مجھے ملک عنایت فرما غرضیکہ اللہ عزوجل نے شیطان کو ناکام لوٹا دیا اور ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس میرے پاس آگ کا شعلہ لایا تا کہ وہ میرے چہرہ پر مارے درآنحالیکہ حضور ﷺ نماز میں تھے، آپ ﷺ نے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" اور اس پر لعنت کا ذکر کیا، پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس کے بعد مذکورہ حدیث کے مطابق ذکر ہے اور فرمایا: بلاشبہ صبح کے وقت تک بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد جلد

صفحہ ۳۸۵) اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ عفریت (شیطان) نے ایک آگ کے شعلہ کی جستجو کی اس وقت جبریل علیہ السلام نے اعوذ باللہ کے پڑھنے کی ترغیب دی یہ موطا (امام مالک) میں مذکور ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۹۵، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۱۹) جبکہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذا پہنچانے پر قادر نہ ہوا تو پھر اس نے آپ کے دشمنوں کو ایذا رسانی پر برانگیختہ کر کے ذریعہ بنایا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاملہ میں قریش کے ساتھ مکہ میں شہید کرنے کے قصہ میں ہوا اور شیطان شیخ نجدی کی صورت میں آیا اور دوسری مرتبہ یوم بدر میں سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۱) اور خدا کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾

جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے۔ (الانفال: ۴۸)

ایک مرتبہ بیت عقبہ کے وقت قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان و شوکت سے ڈراتا تھا ان تمام واقعات میں اللہ عزوجل نے شیطان کے شر اور نقصان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کفایت کرتے ہوئے معصوم و مصئون رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا جب کہ وہ آیا تھا کہ بوقت ولادت ان کو پہلو سے چھوئے مگر اس نے حجاب (پردے) میں چھوا (صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۳ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۸) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوا (لُدّ) پلائی گئی اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے باز پرسی کے وقت کہا گیا کہ اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ (خدانخواستہ) آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ذات الجنب تو شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے اور مجھے تو اللہ عزوجل نے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ شیطان مجھ پر غالب آسکے۔ (بخاری جلد ۷ ص ۱۰۱ مسلم کتاب السلام جلد ۴ ص ۱۷۳۳)

اب اگر کہا جائے اس ارشاد باری کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ﴾

اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ۔ (الاعراف:۲۰۰)

تو اس کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ:

﴿وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ﴾

اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ (الاعراف:۱۹۹)

اس کے بعد کہا کہ اگر تمہیں نزغ پہنچ جائے یعنی اگر تم کو غضب ہلکا کرے جو کہ ان سے اعراض کے ترک پر برانگیختہ کرے تو اللہ عزوجل سے پناہ مانگو، بعض نے کہا نزغ کے معنی فساد کے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا: "اس کے بعد کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالے"، اور ایک قول یہ ہے کہ نزغ سے مراد ابھارنا اور جوش میں لانا ہے اور نزغ وسوسہ کا ادنی درجہ ہے تو اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جب دشمن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ حرکت میں لے آئے یا شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں پریشان کرے تو اللہ عزوجل سے پناہ مانگو اور خطرات تو وسوسہ سے کم درجہ پر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو اس کا بھی راستہ نہیں جب ہی تو پناہ مانگنے کا حکم دیا، لہذا اللہ عزوجل اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفایت فرمائے گا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کی تکمیل کا سبب بنے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعراض سے بڑھ کر وہ غلبہ نہیں پا سکتا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہرگز قدرت نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی اس آیت کی تفسیر میں اقوال ہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شیطان فرشتہ کی صورت میں ظاہر ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شبہ ڈالے نہ یہ قبل رسالت صحیح ہے اور نہ یہ بعد رسالت، اور اس میں اعتماد و دلیل

معجزہ ہے بلکہ نبی کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوتا، کہ فرشتہ جو کچھ اللہ عزوجل کی طرف سے لاتا ہے وہ حقیقتاً اس کا قاصد ہے یا تو اس بدیہی علم سے کہ اللہ عزوجل ان کے لئے پیدا فرما دیتا ہے یا ان دلائل سے جس کو ان پر اپنی جانب سے ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب عزوجل کے کلام کو سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں، اللہ عزوجل کے کلام میں تبدیلی نہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ (الحج:۵۲)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگوں کے لئے اس آیت کی تاویل میں چند قول ہیں ان میں سے کچھ تو نرم وسہل ہیں اور کچھ سخت و بھاری ہیں، سب سے بہتر وہ قول ہے جس پر جمہور مفسرین ہیں وہ یہ کہ آرزو سے مراد تلاوت ہے اور دخل شیطانی سے مطلب یہ کہ وہ پریشان خاطر کرے اور تلاوت کرنے والے کو دنیاوی امور یاد دلائے یہاں تک کہ اس پر تلاوت میں وہم و نسیان داخل ہو جائے یا سننے والے پر اس کے سوا تحریف اور بری تاویل داخل کر دے جن کو اللہ عزوجل زائل اور منسوخ کر دیتا ہے اور اس کا شبہ دور کر دیتا ہے اور آیات کو کم کر دیتا ہے، اس آیت پر عنقریب گفتگو آنے والی ہے، انشاء اللہ عزوجل۔

سمرقندی علیہ الرحمہ نے اس قول کا انکار کیا جس میں یہ کہا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر شیطان نے تسلط کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اس قسم کے تمام قصے غلط ہیں اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور اس شخص کا قول بھی ذکر کیا ہے جس نے

یہ کہا کہ جسم سے مراد وہ لڑکا ہے جو ان کے پیدا ہوا تھا۔

ابو محمد مکی علیہ الرحمہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے اور ان کے اس قول میں کہ:

﴿اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ﴾

مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔ (ص:۴۱)

کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ تاویل کرے کہ شیطان نے انہیں بیمار کیا تھا اور ان کے بدن کو اذیت پہنچائی تھی، حالانکہ یہ صرف اللہ عزوجل ہی کے حکم سے ہوا تھا تاکہ وہ ان کا امتحان لے اور انہیں ثواب مرحمت فرمائے، اسے مکی علیہ الرحمہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے جو انہیں تکلیف دی تھی وہ ان کی بیوی کا وسوسہ تھا۔

اگر تم سے کہو کہ اللہ عزوجل کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ﴿وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ﴾

اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا۔ (الکہف:۶۳)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ:

﴿فَاَنۡسٰهُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّهٖ﴾

تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے ذکر کرے۔ (یوسف:۴۲)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان جب کہ ایک وادی میں سو جانے کی وجہ سے نماز سے رہ گئے تھے کہ یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۱۴۱، موطا امام مالک ص ۳۲) اور حضرت موسی علیہ السلام کا قول جب کہ انہوں نے گھونسا مارا تھا کہ ﴿هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ﴾

یعنی یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا (القصص:۱۵)

تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایسا کلام ہے جسے اہل عرب اپنے کلام میں ہر بری بات کو جو کسی سے صادر ہو یا کوئی برا فعل ہو جائے تو وہ اس کو ہمیشہ شیطان کی طرف سے سمجھا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ﴾

اس کا شگوفہ جیسے دیووں کے سر۔(الصفت:٦٥)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس شخص کے لئے جو نمازی کے آگے سے گزرے) کہ اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۴ ص ۹۷ صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۲) اور یہ بھی ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے قول کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں، اس لئے کہ اس وقت تک ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی تھی اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰىهُ﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا۔(الکھف:٦٠)

چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تب وہ نبی ہوئے اور ایک قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ان کی نبوت سے پہلے تھے جو قرآن کی دلیل سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے اور اللہ عزوجل کے قول ﴿فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ﴾ (یوسف:۴۲)، (ان کو شیطان نے بھلا دیا) کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ ہے کہ جسے شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا تو وہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے ایک کے لئے ہے اور رب سے مراد بادشاہ ہے یعنی بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بیان کرنے سے شیطان نے بھلا دیا اور یہ بھی ہے کہ اس قسم کے فعل شیطان سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر

وسوسوں نے غلبہ کر لیا تھا بلکہ ان کا دل کسی دوسرے امور میں مشغول ہو گیا تھا، اب ان دونوں کو ان امور کو یاد دلانا مقصود ہے جس نے ان کو بھلا دیا تھا لیکن حضور ﷺ کا فرمان کہ "یہ ایسی وادی ہے کہ جس میں شیطان ہے"، سو اس میں یہ کہاں ذکر ہے آپ ﷺ پر وہ غلبہ پا گیا تھا اور نہ یہ کہ اس نے وسوسہ میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اگر اس کو اس کے ظاہری معنی کے اقتضاء پر رکھیں تو اس سے تو صرف شیطان کا کام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ شیطان بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور انہیں تھپک تھپک کر سلا دیا جیسے بچے کو سلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سو گئے (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۷۴، موطا امام مالک ص ۳۲) تو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کا اس وادی پر غلبہ صرف بلال پر تھا جو کہ نماز فجر کے ادائیگی پر مقرر تھے۔

یہ اس صورت میں تاویل ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد کہ "اس وادی میں شیطان ہے" قضاء نماز پر نیند کو سبب بنا کر تنبیہ قرار دیں لیکن اگر اس کو ہم وادی سے کوچ کرنے پر تنبیہ قرار دیں اور اس کوچ کو وہاں نماز نہ پڑھنے کی عدت ٹھہرائیں تو یہ دلیل زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق کی بنتی ہے تو اب اس پر اس بات میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیان ظاہر ہے اور اشکال اٹھ جاتا ہے۔

پانچویں فصل

حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت

لیکن نبی کریم ﷺ کے اقوال میں عصمت کا ثبوت تو آپ ﷺ کی سچائی پر صحیح معجزہ کے ساتھ واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے طریق تبلیغ پر امت کا اجماع ہے کہ جو خلاف واقعہ خبریں ہوں ان کو خبر دینے سے آپ ﷺ معصوم ہیں نہ تو قصدا، نہ سہواً اور نہ بطور غلط لیکن عمدا خلاف کہنا تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ دلیل ہے اس پر کہ وہ اللہ عزوجل کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اور بالاتفاق تمام اہل ملت کا اس پر اجماع ہے، اور جو قول غلطی و سہو سے واقع ہو جائے تو استاد ابو اسحٰق اسفرائنی علیہ الرحمہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ (اور حضور ﷺ اس سے بھی پاک و منزہ اور معصوم ہیں، مترجم)

قاضی ابو بکر باقلانی علیہ الرحمہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ محال ہونا بسبب اجماع اور شریعت میں اس کی نفی وارد ہونے اور عصمت ہی والا کی جہت سے ہے نہ یہ کہ فی نفسہ معجزہ کے اقتضاء کی وجہ سے، اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ کی دلیل کے اقتضاء میں اختلاف ہے ہم اس بحث میں اپنے بیان کو طویل نہیں کرنا چاہتے ورنہ اس بحث میں ہم کتاب کی غرض سے خارج ہو جائیں گے لہذا جس پر مسلمانوں کا اجتماع واقع ہو گیا ہے اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

یعنی یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ جائز نہیں کہ تبلیغ شریعت میں اور جو رب عزوجل کی طرف سے ہم کو

پہنچائیں اور وہ جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف آئے قصد و بلا قصد سے خلاف قول واقع ہو خواہ آپ ﷺ خوشی یا غصہ کی حالت میں ہوں یا صحت و مرض کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں، فرمایا: ہاں، عرض کیا: خواہ آپ ﷺ خوشی میں ہوں یا غصہ میں، فرمایا: ہاں، کیونکہ میں ان تمام حالات میں سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتا (مستدرک کتاب العلم جلدا صفحہ ۱۰۵) اور مناسب ہے کہ معجزہ کے دلیل ہونے کے بیان میں جیسا اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ کچھ مزید بیان کیا جائے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کے صدق پر معجزہ قائم ہو چکا اور یہ کہ آپ ﷺ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ اللہ عزوجل کی جانب سے تبلیغ احکام میں صدق ہی صدق ہے اور یہ کہ معجزہ قائم مقام اللہ عزوجل کے اس فرمان کے ہے کہ "اے رسول (ﷺ)! تم نے جو کچھ میری طرف سے پہنچایا پہنچایا" چنانچہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کا قول نقل فرماتا ہے: ﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ﴾

میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔ (الاعراف:۱۵۸)

اور فرمایا: ﴿وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾

میں تو تمہیں اپنے رب کے پیام پہنچاتا ہوں۔ (الاحقاف:۲۳)

اور جو تمہارے لئے اترا ہے اسے تمہارے لئے ظاہر کر دوں۔

﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (النجم:۳-۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾

تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے۔(النساء:۱۷۰)

اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

اور جو کچھ تمہیں رسول عطاء فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔(الحشر:۷)

لہذا اس باب میں خلاف واقع جو خبر بھی پائی جائے گی خواہ وہ کسی درجہ سے ہو صحیح نہ ہو گی، اگر معاذ اللہ ہم غلط اور سہو کو آپ ﷺ پر جائز رکھیں تو یقینا ہمیں غیر سے فرق کی تمیز نہ ہو گی اور لا محالہ حق باطل کے ساتھ مل جائے گا لہذا فی الجملہ معجزہ آپ ﷺ کی تصدیق پر بغیر کسی تخصیص کے مکمل شامل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ان سب امور سے پاک و منزہ اور معصوم ہونا دلیل سے بھی واجب ہے اور اجماع امت سے بھی، جیسا کہ ابو اسحٰق اسفرائنی علیہ الرحمہ نے نقل کیا۔

چھٹی فصل

معترضین کے جوابات

اب ہم معترضین کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سورہ نجم تلاوت فرمائی (تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۳۹) اور ارشاد باری سنایا کہ:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى (۱۹) وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (۲۰)﴾

توکیاتم نے دیکھالات اور عزیٰ اور اس تیسری منات کو۔ (النجم: ۱۹-۲۰)

توکہا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعَلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْجٰى اور یہ بھی مروی کہ لَتُرْجٰى کی جگہ لَتُرْضٰى کہا اور ایک روایت میں ہے اِنَّ شَفَاعَتَهَا تُرْجٰى وَاِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِيْقِ الْعُلٰى اور ایک روایت میں ہے وَالْغَرَانِقَةِ الْعُلٰى تِلْكَ شَفَاعَةَ تُرْجٰى پس جب سورۂ مبارکہ ختم فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

جب کفار نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر القا کر دیا (معاذ اللہ) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خواہشمند تھے کہ کوئی ایسی چیز نازل ہو جائے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کے درمیان نزدیکی ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (چاہتے تھے) کہ کوئی چیز ایسی نازل ہو جس سے کفار کو نفرت پیدا ہو اور اس قصہ کو بیان کیا کہ اور جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس آئے ان کو یہ سورۃ سنائی تو جب ان دو کلموں پر پہنچے تو کہا یہ تو میں لے کر نہیں آیا، اس وقت نبی کریم ﷺ غمزدہ ہوئے، اس پر اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (الحج:۵۲)

اور فرمایا کہ: ﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ﴾

اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے۔ (بنی اسرائیل:۷۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ اس مشکل روایت میں کلام کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ماخذ (دلیلیں) ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی کمزور ضعیف ہے دوسری یہ کہ ہم اس کو تسلیم کریں، لیکن پہلے ماخذ (دلیل) میں تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایت کسی صحاح میں محدث نے نقل نہیں کی اور نہ اس کی سند میں معتبر راوی ہیں اور نہ درستی کے ساتھ متّصل ہے، صرف ان مفسرین و مورخین نے جو عجیب و غریب روایتوں اور خبروں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ ہر صحیح و ضعیف روایت کو کتابوں سے نقل کر لیتے ہیں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

قاضی بکر بن العلاء مالکی علیہ الرحمہ نے کیا ہی بات کہی ہے کہ بلاشبہ کچھ اہل ہوا بیوقوف و احمق لوگ ان تفسیروں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور اس سے بعض ملحد باوجود ضعیف راویوں کے اور مضطرب و منقطع السند روایتوں کے اختلافی کلمات سے چمٹ گئے ہیں، چنانچہ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ:

(۱) آپ ﷺ نے اسے نماز میں پڑھا

(۲) اور کسی نے کہا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اپنی قوم کو بلا کر ان کے جلسہ میں پڑھا

(۳) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی تھی اس میں یہ پڑھا۔

(۴) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ دل میں باتیں کر رہے تھے جب بھول کر یہ پڑھا۔

(۵) اور کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر سے کلمات ڈال دیئے تھے۔

جب آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی تو اس نے کہا: میں نے تو یہ آپ ﷺ کو نہیں سنایا تھا اور جب یہ بات آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: واللہ اس طرح نازل نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ مختلف روایتیں ہیں اور جس مفسر یا تابعی نے اس حکایت کو آپ ﷺ سے نسبت دی ہے کسی نے بھی اس کی سند صحابہ تک یا آپ ﷺ تک متّصل و مرفوع نہیں بیان کی اور ان سے اکثر طریقے اس میں ضعیف اور موضوع ہیں۔

اس سلسلہ میں صرف شعبہ علیہ الرحمہ کی حدیث مرفوع ہے جو ابی بشر علیہ الرحمہ سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس حدیث میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مشکوک ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے (صحیح بخاری تفسیر سورہ النجم جلد ۲ ص ۱۱۸) اور پورا قصہ بیان کیا۔

اس بارے میں ابوبکر بزار علیہ الرحمہ نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ تک متّصل السند ہو جس کا بیان کرنا جائز ہو اور شعبہ علیہ الرحمہ سے امیہ بن خالد علیہ الرحمہ وغیرہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی جس کو وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال بیان کرتا ہے، یہ حدیث صرف کلبی علیہ الرحمہ سے وہ ابوصالح علیہ الرحمہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پہچانی جاتی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا جو ابوبکر علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ یہ روایت کسی بھی ایسی سند سے مروی نہیں جس کی بنا پر اسے بیان کرنا بھی جائز ہو، سوائے اس طریق کے اور اس میں بھی کمزوری اور ضعف ہے جس پر انہوں نے تنبیہ کی ہے نیز یہ مشکوک بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، لہذا یہ روایت نہ تو قابل

اعتماد ہے اور نہ ہی اس میں کچھ واقفیت ہے، اب رہی کلبی علیہ الرحمہ کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ متہم بالکذب ہے جیسا کہ بزار علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا اور وہ جوان سے بیچ میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورہ نجم کو مکہ میں پڑھا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں اور مشرکوں اور جن و انسان کے ساتھ سجدہ کیا تو نقل کے لحاظ سے ہی کمزور ہے۔

اب رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ اس قسم کی رذیل روایتوں سے منزہ و معصوم ہیں لیکن آپ ﷺ کی یہ تمنا کہ آپ ﷺ پر معبودان باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ پر شیطان غالب آ جائے اور آپ ﷺ پر قرآن مشتبہ کر دے یہاں تک کہ آپ ﷺ قرآن میں وہ داخل کر دیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپ ﷺ اس قسم کا اعتقاد کر لیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں جو قرآن کی نہیں ہیں حتی کہ جبریل علیہ السلام اس پر آپ ﷺ کو خبر دار کریں، یہ تمام باتیں حضور ﷺ کے حق میں محال اور ممتنع ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں یہ بھی کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں آپ ﷺ ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

بلا شبہ ہم نے براہین اور اجماع سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب و زبان سے کلمہ کفر کا اجراء خواہ عمداً ہو یا سہواً یا آپ ﷺ کو جو فرشتہ وحی لائے اس میں شیطانی القاء ہو جائے یا شیطان کو غلبہ کا آپ ﷺ پر کوئی راستہ مل جائے یا اللہ عزوجل پر آپ ﷺ اپنے دل سے ایسی باتیں گھڑ کر نسبت کریں جو آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ﴾ اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔ (الحاقہ: ۴۴)

اور فرمایا کہ: اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔ (الاسراء:۷۵)

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ نظر اور طرف کے لحاظ سے یہ قصہ ہی ناممکن الوجود ہے، اس لئے کہ اگر یہ کلام ایسا ہو جیسا کہ قصہ میں مذکور ہے تو یہ باہمی اتصال سے بعید ہو گا کیونکہ یہ متناقض الاقسام ہے کہ تعریف و مذمت یکجا ہوں جو کہ تالیف و نظم کے خلاف ہے، اگر یہ بات ہوتی تو یقینا نبی کریم ﷺ اور موجود مسلمانوں اور مشرکوں سے پوشیدہ نہ رہتی جبکہ یہ بات ادنی تامل (غور) کرنے والے پر مخفی نہیں ہے تو اس ذات مبارکہ کا کیا حال ہو گا جس کا علم سب سے زائد جس کا علم بیان و معرفت اور فصاحت کلام میں اعلی درجہ پر فائق ہو۔

اور تیسری وجہ کہ منافقوں، دشمن مشرکوں، کمزور دل اور جاہل مسلمانوں کی عادت معلوم ہے کہ پہلی ہی دفعہ ان کو نفرت ہو جاتی اور قلیل فتنہ کی خاطر نبی کریم ﷺ پر باتیں ملا دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو عار دلاتے تھے اور ان کے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ جو دل کے روگی ہوتے تھے مگر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ادنی شبہ پڑ جانے سے مرتد ہو جایا کرتے تھے لیکن اس قصہ میں سوائے اس کمزور روایت کے اور کچھ منقول نہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً قریش اس بنا پر مسلمانوں پر غالب آجاتے اور یہودی ضرور ان پر حجت قائم کرتے جیسا کہ انہوں نے قصہ معراج میں مکابرہ کیا تھا، یہاں تک کہ کچھ ضعیف الایمان لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر واقعہ ہوا، بلا شبہ اس فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہ ہوتا اگر اس کا وجود ہوتا اور اگر دشمن موقع پاتے تو اس سے زیادہ شدید موقع شور مچانے کا نہ ہوتا، مگر کسی دشمن سے اس

قصہ میں ایک کلمہ بھی منقول نہیں اور نہ کسی مسلمان سے اس سلسلہ میں کوئی بات منہ سے نکلی، یہ ایسی باتیں ہیں جو اس قصہ کے باطل ہونے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ شیاطین انس وجن نے اس روایت کو بعض بیوقوف نادان محدثین کے دل میں ڈال دیا تاکہ ضعیف الایمان مسلمان اس سے شبہ میں پڑ جائیں۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ کے راویوں نے بیان کیا کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ (بنی اسرائیل: ۷۳) نازل ہوئی، حالانکہ یہ دونوں آیتیں اس واقعہ کا رد کررہی ہیں جو یہ بیان کررہے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے تھے تاکہ آپ ﷺ اللہ عزوجل پر افتراء کریں، (معاذ اللہ) اگر آپ ﷺ کو خدا ثابت قدم نہ رکھتا تو مائل ہی ہوجاتے، اس کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اس امر سے معصوم رکھا کہ آپ ﷺ خدا پر افتراء کریں اور آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنی جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔

وہ اپنی اس والی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودان باطلہ کی تعریف میں میلان و افتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اللہ عزوجل پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی" (معاذ اللہ) حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف یہی بات اس روایت کو بتا دیتی، اب جب کہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اس کا حال ظاہر ہے اور یہ بات اس آیت کی مثل ہے جو دوسری جگہ ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ (النساء: ۱۱۳)

اور اے محبوب! اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکہ دے دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی قرآن کریم میں لفظ کاد آیا ہے، اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ واقع نہ ہوگا۔

چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿یَکَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔ (النور:۴۳)

حالانکہ وہ نہیں لے گئی اور فرمایا: "اَکَادُ اُخْفِیْهَا" "عنقریب اسے مخفی کردوں گا" حالانکہ نہیں کیا۔

قاضی قشیری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ قریش اور بنی ثقیف نے اس وقت التجا کی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کی طرف گزرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف چہرۂ انور تو پھریں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے، ابن الانباری علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ نہ تو ان کے قریب ہوئے اور نہ اظہار میلان کیا۔

اور اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بیوقوفی کی تردید کر رہی ہے، بلاشبہ اللہ عزوجل نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثابت قدم رکھ کر احسان فرمایا، اس سے ہماری مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت ہے، یہی آیت کا مفہوم ہے۔

لیکن دوسرا ماخذ (دلیل) تو وہ پر بنائے تسلیم حدیث بشرط صحت ہے اور اللہ عزوجل نے ہمیں اس کی صحت سے ضرور پناہ دی ہے لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں جس میں کچھ

ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے جو قتادہ اور مقاتل بنانے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ کی قرات کے وقت اونگھ آگئی تھی اور یہ کلام نیند کی وجہ سے آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔

یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر یہ کسی حال میں جائز نہیں اور نہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی زبان پر اسے پیدا کیا اور نہ یہ جائز ہے کہ خواب یا بیداری میں آپ ﷺ پر شیطان غلبہ پا سکے کیونکہ اللہ عزوجل نے اس باب میں آپ ﷺ کو ہر عمد و سہو سے معصوم کیا۔

اور کلبی علیہ الرحمہ کے قول میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے یہ بات بنائی لہذا یہ شیطان کا آپ ﷺ کی زبان پر القا ہے (معاذ اللہ) اور ابن شہاب علیہ الرحمہ کی وہ روایت جو ابوبکر بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے ہے، کہا کہ آپ ﷺ کو سہو ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اسے شیطان نے زبان پر جاری کر دیا اور اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمد سہو سے ایسا فرما سکیں اور نہ شیطان ہی آپ ﷺ کی زبان پر قابو پا سکتا ہے۔

ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کے دوران کفار کی مضبوطی اور تنبیہ کے طور پر ایسا فرمایا ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہے) اس کی کئی تاویلیں ہیں اور ان کا یہ قول کہ ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا﴾ بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہو گا۔ (الانبیاء: ۶۳)

(تو آپ نے) سکوت اور دو کلاموں کے درمیان وقفہ کر کے فرمایا، اس کے بعد تلاوت جاری رکھی، ایسے وقفہ وفعل کے بعد ممکن ہے اور قرینہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قرآن سے نہیں ہے، یہ ایک تاویل ہے جسے قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو

نماز میں پڑھنے کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس وقت تک نماز میں کلام کی مخالفت وارد نہ تھی۔

اور وہ بات جو قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ اور دیگر محققین کے نزدیک اس کی تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح تسلیم روایت میں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمان الٰہی کے مطابق قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرتے اور اپنی قرات میں ایک ایک آیت جدا جدا کر کے تلاوت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کی، پس ممکن ہے کہ شیطان اس گھات میں رہتا ہو کہ حضور ﷺ کے سکتہ اور وقفہ کے درمیان اپنی طرف سے کلام بنا کر حضور ﷺ کی آواز کے مشابہ کر کے داخل کر دیتا ہو تاکہ قریب کے کفار سن لیں اور وہ گمان کر لیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے اور اس کی وہ اشاعت کرتے ہوں تو یہ بات مسلمانوں کے نزدیک ہرگز عیب نہیں کیونکہ سورۃ اترتے ہی اس واقعہ سے پہلے مسلمانوں نے اسے حفظ کر لیا تھا اور ان کو یہ بات ثابت تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں بتوں کی مذمت اور ان کے عیوب بیان کرتے ہیں یہ بات خوب مشہور تھی۔

موسیٰ بن عقبہ علیہ الرحمہ نے اپنی مغازی میں اس کے مثل بیان کر کے کہا کہ مسلمانوں نے اسے نہیں سنا، وہ تو شیطانی القا ہے جسے مشرکین کے کان اور دلوں نے سنا تھا اور جو مروی ہے کہ اس کی اشاعت، شبہ اور فتنہ کے سبب آپ غمزدہ ہو گئے تھے اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول اور نبی بھیجے۔ (الحج:۵۲)

تو معلوم ہوا کہ "تَمَنّٰی" کے معنی یہاں تلاوت ہے، اللہ عزوجل نے خود فرمایا:

﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾

جو کتاب کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا۔ (البقرہ:۷۸)

اور فرمایا: ﴿ فَيَنْسَخُ اللهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ﴾

تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو۔ (الحج:۵۲)

یعنی اسے محو کر دیتا ہے اور اس کے فریب کو زائل کر دیتا ہے اور دینی آیتوں کو محکم بنا دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جو سہو بوقت تلاوت ہو جاتا تھا معلوم ہونے پر اس سے آپ ﷺ رجوع کر لیتے تھے، سو یہ کلبی علیہ الرحمہ کے قول کی طرح ہے جو کہ آیت کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے دل سے باتیں کیں اور کہا: جب آپ ﷺ نے تمنا کی یعنی دل سے باتیں کیں اور ابوبکر ابن عبدالرحمن علیہ الرحمہ کی روایت میں بھی اس طرح ہے کہ قرآت میں سہو جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ اس کے معانی اور لفظوں میں تغیر و تبدل اور ایسی زیادتی ہو جو قرآن میں نہ ہو بلکہ ہو تو یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا کلمہ کی تلاوت رہ جائے لیکن ایسا سہو قائم و باقی نہیں رہتا بلکہ اس پر فوراً خبردار کر کے یاد دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب ہو کے جواز و عدم جواز پر آپ ﷺ کے حق میں بحث کریں گے۔

اس روایت کی تاویل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو مجاہد علیہ الرحمہ نے اس قصہ میں بیان کیا کہ "وَالْغَرَانِقَةُ الْعُلٰى وَإِنْ شَفَاعَتَهُنَّ تُرْتَجٰى" اس سے فرشتے مراد ہیں۔

اس روایت کے موافق کلبی علیہ الرحمہ نے تفسیر کی کہ اس سے فرشتے مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے اور یہ بت اللہ عزوجل کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ اللہ عزوجل ان کی حکایت کر کے اس سورۃ میں رد فرماتا ہے: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴾ کیا تم کو بیٹا اور اس کو بیٹی۔ (النجم:۳۰)

اللہ عزوجل نے ان کی یہ تمام باتیں مردود فرما دیں اور فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے اور جب مشرکوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں ذکر سے مراد ان کے معبود ہیں اور شیطان نے انہیں فریب اور شبہ میں ڈال دیا اور ان کے دلوں کو یہ اچھی معلوم ہوئی جو ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالی تو

اللہ عزوجل نے اسے منسوخ کر دیا جسے شیطان نے ڈالا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اور ان دونوں لفظوں کی تلاوت کو جن سے شیطان نے راہ پائی تھی اشتباہ کی وجہ سے اٹھالیا۔

جیسا کہ قرآن میں اکثر نسخ واقع ہوا اور اس کی تلاوت اٹھالی گئی، اللہ عزوجل کے اس اتارنے میں بھی حکمت تھی اور منسوخ کرنے اور اٹھانے میں بھی حکمت ہے تاکہ وہ یہ دیکھے اس طرح پر کون گمراہ ہوتا ہے اور کون راہ یاب ہوتا ہے۔

﴿وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾

اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے علم ہیں۔(البقرہ:۲۶)

نیز فرمایا: ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾

اور بے شک ستم گار ادھر کے (پرلے درجے کے) جھگڑالو ہیں۔(الحج:۵۳)

اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے وہ اسے اپنے رب عزوجل کی طرف سے حق جانیں تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس سورۃ کی تلاوت کی اور اس آیت کریمہ "اَللّٰتَ وَالْعُزّٰی" پر پہنچے تو کفار ڈرنے لگے کہ اس کے بعد ان کی مذمت میں آیت آئے گی تو انہوں نے جھٹ ان کی مدح میں ان دو کلموں کا اضافہ کر دیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت میں گڈ مڈ ہو جائے، پھر وہ کفار اپنی عادت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعنہ زنیاں کریں، جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾

یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل (شور) کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔(حم السجدہ:۲۶)

اس فعل کی شیطان کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ اس نے ان کو اس پر پر انگیختہ کیا اور اس نے

اسے شائع و ذائع کیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے جب اسے کہا تو آپ ﷺ ان کے اس افتراء اور کذب پر غمگین ہوئے۔ اس پر اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی یوں تسلی فرمائی کہ:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (الحج:۵۲)

اور قرآن کی حفاظت فرمائی اپنی آیتوں کو حکم بنایا اور جو دشمنوں نے اشتباہ ڈالا اسے دفع فرمایا، جیسا کہ اللہ عزوجل خود اس کا ضامن ہے کہ:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر:۹)

اسی قبیل سے وہ روایت ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے اپنے رب عزوجل کی طرف سے عذاب کا وعدہ کیا، جب انہوں نے توبہ کرلی تو ان سے عذاب دور کر دیا تب کہا کہ میں ان کی طرف جھوٹا بن کر کبھی نہ جاؤں گا اور غصہ ہو کر چلے گئے۔

خدا تمہیں عزت دے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات کسی روایت تواریخ میں مذکور ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے کہا ہو کہ اللہ عزوجل ان کو ہلاک کرنے والا ہے اس میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے ان کو ہلاک کر ڈالنے کی استدعا کی تھی اور دعا ایسی خبر نہیں جس کے صدق و پورا ہونے یا جھوٹے ہونے کا مطالبہ کیا جا سکے لیکن ان سے یہ کہا تھا۔

فلاں روز صبح کے وقت ایسا ایسا عذاب آنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا، پھر اللہ عزوجل نے ان سے عذاب کو دور کر کے ان پر مہربانی فرمائی، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ﴾

یونس کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا۔ (یونس:۹۸)

اخبار و سیر میں ہے کہ انہوں نے عذاب کے دلائل و علامتیں دیکھی تھیں، اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا (تفسیر در منثور جلد ۴ ص ۳۹۲-۳۹۱)، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ اس روایت کے کیا معنی ہیں کہ عبداللہ بن سرح جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا پھر وہ مرتد اور مشرک ہو کر قریش سے مل گیا، ان سے کہا کہ میں حضور (ﷺ) کو جس طرف چاہتا تھا پھیر لیتا تھا آپ اگر **عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ** لکھاتے تو میں کہتا یا **عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ** ہے، فرماتے: ہاں ٹھیک ہے، دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے فرماتے: ایسا لکھو، تو وہ کہتا: ایسا لکھ دوں، تب آپ ﷺ فرماتے: جیسا تو چاہے لکھ، مثلاً آپ ﷺ فرماتے: **عَلِیْمًا حَکِیْمًا** لکھو، تو وہ کہتا: کیا **سَمِیْعًا بَصِیْرًا** لکھ دوں، فرماتے: جیسا چاہے لکھو اور صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک نصرانی اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ کا کاتب بنا پھر وہ مرتد ہو گیا اور وہ کہتا کہ حضور ﷺ تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں انہیں لکھ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ ص ۱۶۲)

تو اے مسلم تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے اور شیطان کو ہم پر راہ نہ دے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کر دے کہ اس قسم کی حکایتیں اولاً تو مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک ڈال ہی نہیں سکتیں کیونکہ یہ حکایتیں ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو مرتد ہو گئے اور انہوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو کذب وغیرہ کے ساتھ مہتم ہو چہ جائے کہ اس کافر کے افتراء کو مانیں جس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر بہتان باندھا، وہ تو اس سے بڑھ کر ہے اور ہر ایسے سلیم العقل پر تعجب ہے جس نے ایسی

حکایتوں کی طرف توجہ بھی کی، بلاشبہ یہ حکایتیں دشمن، کافر اور دین اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھنے والے سے صادر ہوئیں اور کسی مسلمان سے اس قسم کی کوئی روایت منقول نہیں اور نہ کسی صحابی نے ایسا تذکرہ کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اس نے اللہ عزوجل کے نبی یہ پر افتراء کیا۔

﴿اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ (النحل:۱۰۵)

جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں۔

اور وہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو یہ ظاہر حکایت ہے اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ اس کا شاہد ہے کہ انہوں نے جو حکایت کر دی، حالانکہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس پر اس کا کوئی تابع نہیں ہے اور اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور کہا کہ میرا گمان ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض علیہ الرحمہ) بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اسی وجہ سے کسی اہل صحاح نے اس روایت کو نہ تو ثابت رضی اللہ عنہ سے اور نہ حمید رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کی اور صحیح حدیث عبداللہ بن عزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، اسے اہل صحت نے تخریج کی ہے اور ہم نے اسے بیان کیا ہے، اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی قول نہیں ہے، صرف مرتد نصرانی کی حکایت ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ اس میں نبی کریم ﷺ کی نسبت جو آپ ﷺ پر وحی ہوئی وہم گمان ہوتا ہے اور نہ اس میں آپ ﷺ کی تبلیغ پر سہو غلطی اور

تحریف کا جواز ہے اور نہ کوئی نظم قرآن کے منجانب اللہ عزوجل ہونے میں طعن ہے۔

اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ کاتب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا: یَا عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اسے لکھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایسا ہی ہے تو یہ ایک یا دو کلموں پر سبقت لسان یا قلم نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اظہار فرمانے سے قبل اس لئے کہ جو کچھ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھائی ہے وہ اس پر دلالت کر رہی تھی اور اس کلمہ کا تقاضا کرتی تھی، اس میں تو کاتب کے کلام کی معرفت وقوت اور ذہانت وفطانت پائی جاتی ہے، جیسا کہ بسا اوقات ایسا اتفاق کسی سمجھ دار آدمی کے لئے ہو جاتا ہے جبکہ وہ کوئی شعر سنتا ہے تو اس کے قافیہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے یا جب وہ کسی عمدہ کلام کے ابتدائی حصہ کو سنتا ہے تو ایسے جملہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے جس سے کلام پورا ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق پورے کلام میں نہیں ہوتا جیسا کہ ایک آیت یا ایک سورۃ میں نہیں ہوتا۔

یہی صورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کی ہے اگر وہ صحیح ہو "کہ سب ٹھیک ہے" تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت کے آخر میں دو وجہیں یا دو قراتیں ایک ساتھ حضور پر نازل ہوئی ہوں ان میں سے ایک تو لکھا دی اور دوسری کی طرف کاتب کی اپنی ذہانت اور دانائی کہ مقتضائے کلام کے موافق ذہن دوڑ گیا، تو اس نے اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذکر کیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تصویب کر دی، اس کے بعد اللہ عزوجل نے جسے چاہا حکم فرما دیا اور جسے چاہا منسوخ اور محو فرما دیا، جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری حصہ میں پایا جاتا ہے، مثلاً اللہ عزوجل کا یہ فرمان کہ:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (المائدہ:۱۱۸)

یہ جمہور کی قرات ہے اور قاریوں کی ایک جماعت نے فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے حالانکہ یہ مصحف میں نہیں ہے، یہی صورت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو وجہوں پر آئی ہیں، جس میں سے ایک کو تو جمہور نے پڑھا اور مصحف میں برقرار رکھا (اور دوسرا مصحف میں نہیں ہے) مثلاً وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور نُنْشِزُهَا دونوں ہیں، اور يَقْضِ الْحَقَّ اور يَقُصُّ الْحَقَّ دونوں ہیں، یہ اختلافات شک کے موجب نہیں اور نہ ہی کریم ﷺ کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جاسکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے یہ ان خطوط میں لکھا گیا ہو جو حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کی طرف قرآن کے سوا لکھا گیا ہو اور اس میں اس نے خدا کی تعریف و تسمیہ میں جو چاہا لکھ دیا ہو۔

ساتویں فصل

دنیاوی امور میں صدق مقال اور احوال بشریہ

یہ بحث تو اس کلام میں تھی جو تبلیغ سے متعلق تھا لیکن وہ جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہے یعنی وہ خبریں جو نہ تو احکام سے متعلق ہیں اور نہ وہ امور آخرت سے اور نہ وحی کی طرف اس کی اسناد ہے بلکہ وہ دنیاوی امور اور آپ ﷺ کے حالات میں وارد ہیں تو ان میں بھی نبی کریم ﷺ کو منزہ سمجھنا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی خبر خلاف واقع ہو نہ عمدانہ سہوا اور نہ غلطا اور یہ کہ آپ ﷺ خوشی، غصہ محبت، مزاج اور مرض وغیرہ ہر حالت میں معصوم تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

یہ یوں ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دین اور عادت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے تمام حالات کی تصدیق میں سبقت کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہر بات پر ان کو بھروسہ اور اعتماد تھا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور کسی جانب سے واقع ہو اور ہرگز انہیں کسی وقت بھی توقف اور تردد نہ ہوتا تھا اور نہ وہ اس وقت اس بات کا ثبوت مانگا کرتے تھے کہ کہیں اس میں سہو ہے یا نہیں؟

جب ابن ابی الحقیق یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے نکالا تو اس نے آپ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو برقرار رکھا تھا (اور آپ نکال رہے ہیں) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا، تو یہودی نے کہا: یہ تو ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کا مذاق تھا، تب

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۶۹)

آپ ﷺ کے اخبار و آثار، سیر و شمائل وہ ہیں جن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی غلطی کا تدارک کیا ہو یا جو فرمان بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو خبر بھی آپ ﷺ نے دی ہے اس میں وہم کا اقرار کیا ہو، اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ بھی منقول ہوتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک مرتبہ انصار سے کھجور کے پیوند لگانے کے قصہ میں رجوع کرنا منقول ہے حالانکہ یہ بھی ایک مشورہ تھا نہ کہ خبر تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۵)

اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں جو اس باب سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں، خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ میں قسم کھالوں پھر اس کے سوا دوسری طرف بھلائی کو دیکھوں تو قسم کو توڑ کر اسے کرلوں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا (صحیح بخاری کتاب ایمان جلد ۸ ص ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۴ ص ۱۳۲۹) اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۷) اور یہ فرمانا کہ اے زبیر (ﷺ)! اپنی کھیتی کو اتنا پانی دے کہ پانی دیوار کو پہنچ جائے (بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۳۹، صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۴ ص ۱۸۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۴ ص ۵۲، سنن ترمذی کتاب الاحکام جلد ۲ ص ۴۰۸، سنن نسائی کتاب القضاء جلد ۸ ص ۲۳۸، سنن ابن ماجہ کتاب الرعود جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) وغیرہ۔

جیسا کہ ہم ہر وہ قصہ جو اس باب میں مشکل نظر آتا ہے اور جو اس کے بعد ہے ان دونوں شبہوں کے ساتھ انشاء اللہ عزوجل بعد میں بیان کریں گے۔

ایک یہ بھی بات ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی جھوٹی خلاف واقعہ خبر معروف ہو جائے تو اس کی باتوں

میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ حدیث میں مجمم کہلاتا ہے، اس کا قول لوگوں کے دلوں میں نہیں پڑے گا، لہذا محدثین اور علماء کرام نے باوجود ثقہ ہونے کے وہم وغفلت سوء حفظ اور کثرت غلط کی وجہ سے ایسوں سے حدیث لینے کو ترک کر دیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ عمدا دنیاوی امور میں جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بکثرت جھوٹ بولنا بالا جماع گناہ کبیرہ ہے اور مروت کو ساقط کر دیتا ہے اور ان سب امور میں منصب نبوت پاک و منزہ ہے اور جبکہ ایک مرتبہ جھوٹ بولنا جس میں برائی اور شناعت ہوا سے (منصب نبوت کو) داغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے اور اس کے قائل کو گنہگار کر دیتا ہے وہ اس کے ساتھ ملتا ہے جو اس مرتبہ پر نہ پہنچے پھر اگر ہم اس کو صغیرہ میں شمار کریں تو کیا اس کا حکم ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے حکم میں ہو گا اور مختلف فیہ بن جائے گا؟ لہذا صحیح بات یہی ہے کہ نبوت کو اس کے تھوڑے اور بہت سے اور سہو و عمد سے منزہ رکھا جائے اس لئے کہ نبوت کا مقصود تبلیغ، اخبار اور تصدیق ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں، اگر اس میں (سہو و عمد) سے کچھ جائز رکھا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف اور شک پیدا کرنے والی اور معجزات میں متناقض ہو گا۔

لہذا ہمارا یقینی طور پر اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال میں کسی وجہ سے خلاف نہیں ہے نہ قصداً اور نہ بدون قصد کے اور جو لوگ سستی کرتے ہیں اور اس کو جائز رکھتے ہیں کہ جو امور تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں اس میں سب ممکن ہے ہم نے اس سے تسامح نہیں کرتے البتہ بعد نبوت ہرگز نہیں اور اس کے باوجود نبوت سے پہلے بھی ان پر جھوٹ جائز نہیں اور نہ ان کی طرف امور دنیا اور ان کے حالات میں اس کی نسبت کرنی جائز ہے، اس لئے کہ یہ بات ان کو عیب دار اور شکی بناتی ہے لوگوں کے دل بعد کو ان کی رسالت و تبلیغ کی تصدیق سے نفرت کرنے لگیں گے، نبی کریم ﷺ کے ہم زمانہ قریش وغیرہ امت دعوت پر ذرا غور کرو اور ان کے سوالات کو دیکھو کہ وہ کس طرح آپ ﷺ سے

حالات اور آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے، انہوں نے معروف باتوں کا اقرار کیا تھا۔

ناقلین کا ہمارے نبی ﷺ کی عصمت پر قبل نبوت اور بعد ثبوت اتفاق ہے اور ہم نے ان آثار کو اس کتاب کے پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان کیا ہے اب اس بات کی صحت کو جس کی طرف ہم ارشاد کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل

سہو حدیث

اب اگر تم یہ کہو کہ سہو حدیث میں حضور ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اس پر ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا آپ نے نماز کو قصر فرمایا یا آپ کو سہو ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰-۵۹، صحیح مسلم کتاب المساجد مجلد ا ص ۴۰۴) دوسری حدیث میں ہے کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو ہوا۔

آپ ﷺ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی کہ ان میں سے کوئی بات نہیں حالانکہ ان میں سے ایک بات ضرور ہوئی جیسا کہ ذوالیدین نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ان میں سے کچھ تو ہے، تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں اور تمہیں خیر کی توفیق بخشے کہ علماء کرام کے اس واقعہ میں چند جواب ہیں جن میں سے کچھ تو منصفانہ ہیں اور کچھ نہایت ظلم اور متعصبانہ ہیں۔

باخبر رہو میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس میں آپ ﷺ پر وہم وغلط کو ان باتوں میں جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں جائز رکھا ہے تو اس کو تو ہم نے دو قولوں سے کمزور کر دیا ہے، لہذا اس بنا پر تو اس قسم کی حدیث پر اعتراض وارد نہیں ہوتا، لیکن اس مذہب کی بنا پر جس میں سہو ونسیان حضور ﷺ کے

تمام افعال میں ممنوع ہے ان کے نزدیک تو اس قسم کی بظاہر نسیان کی صورتوں میں قصد او عمداً افعال کئے گئے ہیں تاکہ سہو میں سنت کی تعلیم مل جائے لہٰذا آپ ﷺ اپنی خبر میں صادق ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ سے سہو ہوا اور نہ قصر فرمائی لیکن اس قول پر یہ فعل قصد و ارادہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تاکہ اس شخص کو جسے ایسی صورت پیش آجائے سنت ہو جائے، یہ ناپسندیدہ ہے ہم اسے اپنی جگہ پر بیان کریں گے، لیکن آپ ﷺ پر اقوال میں سہو کا محال ہونا اور غیر میں سہو کا جائز ہونا "ہم عنقریب انہیں بیان کریں گے" اس (واقعہ مذکورہ) میں بھی کئی جواب ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اعتقاد اور اپنے ضمیر سے خبر دی لیکن قصر سے انکار کرنا تو یہ صحیح ہے جو ظاہر و باطن پر صادق ہے، رہا نسیان تو اس کی آپ ﷺ نے اپنے اعتقاد سے خبر دی کہ آپ ﷺ نے اپنے گمان میں سہو نہیں فرمایا گویا کہ اس خبر کو آپ ﷺ نے اپنے گمان سے قصد و عمد مراد لیا، اگرچہ الفاظ میں اس اعتقاد و ظن کا ذکر نہیں، یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ میں بھولا نہیں سلام کی طرف راہ ہے یعنی میں نے قصداً سلام پھیرا ہے اور تعداد رکعات میں سہو واقع ہوا یعنی نفس سلام میں سہو واقع نہیں ہوا، یہ توجیہ محتمل اور بعید ہے۔

اور تیسری توجیح اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس کی طرف علماء گئے ہیں کہ الفاظ ہی محتمل ہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کچھ نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قصر و نسیان دونوں جمع نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ایک ہے لفظوں کا یہ مفہوم دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا: نہ تو نماز قصر کی ہے اور نہ سہو واقع ہوا، یہ باتیں میں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں، یہ سارے وجوہ (وجہیں) لفظ کے لئے محتمل ہیں باوجود اس کے بعض بعید ہیں اور بعض میں تعسف و عناد ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض رحمہ اللہ) بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ جو میں کہوں گا اور جو مجھے ظاہر ہوا وہ ان تمام وجوہات میں سب سے زیادہ قریب ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں اس لفظ کا انکار ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے اپنے آپ سے نفی کی ہے اور دوسروں پر آپ ﷺ نے اپنے قول سے اس کا انکار کر کے کہ "تمہارے لئے یہ بری بات ہے کہ تم یوں کہو کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہو" لیکن یوں کہو کہ میں بھلایا گیا ہوں، چونکہ آپ ایک نے دوسری حدیثوں کی روایتوں میں فرمایا کہ میں بھولا نہیں کرتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

پھر جب آپ ﷺ سے سائل نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نماز قصر کی ہے یا سہو واقع ہوا تو آپ ﷺ نے قصر کا انکار کیا جیسا کہ واقعہ میں تھا اور آپ ﷺ کا نسیان سو یہ اپنے نفس کی جانب سے تھا اگر کوئی بات اس میں سے جاری ہو گئی تو یقیناً آپ بھلائے گئے، یہاں تک کہ دوسرے نے سوال کر ہی لیا تو متحقق ہو گیا کہ آپ ﷺ بھلائے گئے تھے اور اس میں سے کچھ جاری کر دیا گیا تاکہ مسنون ہو جائے۔

اب حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ "تو نہ بھولا ہوں اور نہ قصر کی ہے ان میں سے کچھ بات نہیں"، صدق وحق ہے کیونکہ آپ نے نہ تو قصر کیا اور نہ حقیقۃً بھولے ہیں لیکن آپ ﷺ بھلائے گئے ہیں۔

اور ایک اور وجہ بھی ہے جسے میں نے بعض مشائخ کے کلام سے اشارۃً سمجھا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو سہو تو ہوتا تھا لیکن بھولتے نہ تھے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے نفس سے نسیان (بھول) کی نفی فرمائی۔

بعض مشائخ نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ نسیان ایک غفلت اور مصیبت ہے اور سہو وہ ایک شغل ہے، فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن اس سے غفلت اور نسیان واقع نہ ہوتا تھا

کیونکہ آپ ﷺ کو نماز کی حرکات کی ادائیگی میں کمال استغراق ہوتا تھا لہذا اس مشغولیت کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا نہ کہ اس سے غفلت ولا پروائی کی بنا پر۔

اب اگر یہ معنی تحقق ہو جائیں تو حضور ﷺ کے اس فرمان میں کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا کوئی اختلاف نہیں رہتا اور میرے نزدیک حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا، اس کے معنی اس ترک کے ہیں جو نسیان کی دو وجہوں میں سے ایک ہے، واللہ اعلم

کہ آپ ﷺ کی یہ مراد ہو کہ میں نے نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور نہ پوری نماز کا تارک ہوا ہوں لیکن میں بھلایا گیا ہوں اور یہ میرے نفس کی جانب سے نہ تھا اس پر آپ کی یہ صحیح حدیث دلالت کر رہی ہے جو آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت بناؤں۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ ص ۱۵۸-۱۵۹، صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ ص ۵۴۵)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مذکورہ کلمات جو کہ تین کذب تھے جس میں سے دو قرآن میں منصوص میں ایک یہ کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت:۸۹) میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ کہ ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا﴾ (الانبیاء:۶۳) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا اور تیسرا وہ قول جو بادشاہ سے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ میں "میری بہن ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ ص ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۰)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے یہ تمام باتیں کذب سے خارج ہیں نہ قصدا صادر میں نہ بغیر قصد کے بلکہ میدان معارضات میں داخل ہیں جو کذب سے خارج ہیں اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت:۸۹) "میں بیمار ہوں" کے قول میں حسن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں یعنی ہر مخلوق کو مرض لاحق ہوا ہی کرتا ہے تو انہوں نے اپنی قوم سے ان کے ساتھ ان کے میلے میں

جانے سے اس طرح عذر کیا، ایک قول یہ ہے کہ میں بیمار ہوں یعنی مجھ پر موت مقدر ہو چکی ہے ایک قول یہ ہے کہ انہیں ایک ستارہ معلوم کے طلوع کے وقت بخار آجایا کرتا تھا، پس جب انہوں نے وہ ستارہ طلوع ہوتا دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق عذر کر دیا، ان تمام صورتوں میں کذب کہاں ہیں بلکہ ایک خبر صحیح وصادق ہے اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بیماری کے ساتھ ان پر تعریضا حجت قائم کی اور ان کی اس دلیل کو کمزور ثابت کیا جو وہ ستاروں کی وجہ سے مشغول رہا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اس دیکھنے کی حالت میں اور پہلے اس کے کہ آپ کی تحت ان پر قائم ہو کہ پیاری اور مرض کی حالت میں ہیں باوجودیکہ خود آپ کو شک نہ تھا نہ آپ کا ایمان ضعیف تھا لیکن جو استدلال ان کے سامنے پیش کیا تھا اس میں ضعف تھا اور اس کی دلیل کمزور تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے دلیل کمزور ہے اور نظر معلول ہے حتی کہ اللہ عزوجل نے انہیں ان کے استدلال کی صحت و حجت ہونے پر ستاروں، سورج و چاند کے ساتھ وحی فرمائی جس کا خدا نے ذکر کیا ہے، اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اب رہا آپ علیہ السلام کا یہ قول کہ ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ (الانبیاء: ۶۳) سو یہ خبر گویائی کے ساتھ مشروط فرمائی گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا کہ اگر وہ بول سکتا ہے تو اس نے یہ کیا ہے لہذا یہ قول اپنی قوم کو جھڑکنے کے لئے تھا، یہ کلام بھی صادق ہے اس میں بھی کوئی خلاف واقع نہیں۔

اب رہا تیسرا قول یہ "میری بہن ہے" سو اس کی وجہ تو حدیث میں ہی مذکور ہے کہ آپ نے کہا تو اسلام میں میری بہن ہے، یہ بھی سچ ہے کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰)

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان کا کذب رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے ہیں اور حدیث شفاعت میں فرمایا کہ وہ اپنے ان کذبوں کو یاد کریں گے۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید جلد ۹ صفحہ ۱۰۶) سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان تین کلموں کے سوا بھی

اور کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو صورۃ تو کذب ہو مگر باطن میں واقعہ وہ حق ہو اور جبکہ ان کے ظاہری معنی ان کے باطنی مفہوم کے خلاف تھے بنا بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خوفزدہ ہو گئے لیکن وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے سوا دوسری طرف بطور توریہ ذکر کیا کرتے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ ص ۳۹، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۱۲۸) تو اس میں بھی کوئی خلاف گوئی نہیں کیونکہ یہ تو اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے تھا تاکہ دشمن اپنے بچاؤ کا سامان نہ تیار کر لے اور اپنے جانے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دوسری جگہ کا ذکر بطریق سوال کرتے اور اس کے حالات پر بحث اور اس کے ذکر کا توریہ کرتے تھے اور یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں جنگ کے لئے چلو اور ہمارا ارادہ فلاں مقام کا ہے جس جانب آپ ارادہ نہ رکھتے ہوں، لہذا یہ نہ ہوتا تھا اور یہ توریہ خبر نہیں ہے جس سے خلاف گوئی پائی جائے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے؟ فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں (صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ ص ۱۲۳، صحیح مسلم کتاب الفصائل جلد ۴ صفحہ ۱۰۶)، اس پر اللہ عزوجل نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف نہیں کی۔

اس میں یہ ہے کہ فرمایا بلکہ مجمع بحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے، یہ وہ خبر ہے جسے اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کی بعض دوسری صحیح سندوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہے کہ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو تم سے زیادہ عالم ہے پس جبکہ ان کا جواب ان کے علم پر ہے تو وہ خبر حق و صادق ہے اس میں نہ خلاف گوئی ہے اور نہ شبہ ہے اور دوسری سندوں کی بنا پر تو اس کا

محمول ان کا گمان و اعتقاد ہے جیسا کہ اگر آپ اس کی تصریح کر دیتے، اس لئے کہ نبوت و اصطفاء میں ان کی حالت اس کی مقتضی ہے، لہذا ان کا اس امر کی بابت خبر دینا بھی اپنے اعتقاد و گمان کے موافق سچ تھا اس میں کوئی خلاف کوئی نہیں ہے کبھی "انا أعلم "میں زیادہ عالم ہوں" سے مراد وہ امور لئے گئے ہیں جو ان کے مقتضی تھے یعنی نبوت کے وظائف مثلاً علوم توحید، امور شریعت اور سیاست امت اور حضرت خضر علیہ السلام دوسرے امور کو ان سے زیادہ جانتے تھے جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر عطائے الٰہی کے ساتھ علوم غیبیہ کا جاننا، جیسے وہ قصے جو ان دونوں کے حال میں مذکور ہیں، لہذا فی الجملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلم تھے جیسا کہ گزرا اور حضرت خضر علیہ السلام خصوصی طور پر اعلم تھے جیسا کہ انہیں سکھایا گیا، اس پر اللہ عزوجل کا یہ فرمان شاہد ہے: ﴿وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾

اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (الکہف: ۶۵)

اور اللہ عزوجل کا ان (موسیٰ علیہ السلام) کو اس پر عتاب کرنا جیسا کہ علماء نے کہا تو یہ ان کے اس قول کے انکار پر ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا: ﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ (البقرہ: ۳۲)

یا یہ اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول شرعاً اللہ عزوجل کو پسند نہ آیا (واللہ اعلم) کیونکہ وہ شخص جو ان کے کمال کو ان کے تزکیہ نفس اور ان کے بلند درجے تک امت میں سے نہیں پہنچتا اس میں ان کی اقتداء کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس میں انسان کا اپنے نفس کی تعریف کرنا پایا جاتا ہے جس سے اس کو کبر و عجب، تعاطی اور دعوی پیدا ہو جائے گا۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ان رزائل سے منزہ ہے لیکن دوسرے لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں اور ان کا اندھیرے میں گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جسے اللہ عزوجل اپنی حفاظت میں لے۔

لہذا اپنے نفس کی اس سے حفاظت کرنا بہتر ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے،اسی بنا پر ان جیسی باتوں سے حفظ ماتقدم کے لئے نبی کریم ﷺ نے ان باتوں میں جن کو آپ نے جان لیا تھا،فرمایا:"اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ" میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخر نہیں کہتا،اور یہ حدیث قائلین نبوت حضرت خضر علیہ السلام کے دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ میں موسی علیہ السلام سے زیادہ عالم ہوں حالانکہ ولی نبی سے زیادہ عالم نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام معرفتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر) اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ "یہ کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا"، تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے وحی سے کیا اور جو حضرت خضر علیہ السلام کو نبی نہیں کہتے انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ کام کسی دوسرے نبی کے حکم سے ہو اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی اور نبی موجود ہو اور کسی اہل سیر نے اس بارے میں ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے اور جبکہ ہم نے "اعلم منك" (تم سے زیادہ عالم) کو عموم پر نہیں رکھا بلکہ اسے خصوص پر محمول کیا جو خاص خاص واقعات میں ہے تو اب ہمیں حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں،اسی بنا پر بعض مشائخ نے فرمایا کہ موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اللہ عزوجل سے احکام لینے میں زیادہ عالم تھے اور حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسی علیہ السلام سے ان قضایا میں جو انہیں دیئے گئے تھے زیادہ عالم تھے اور کچھ نے یہ کہا کہ حضرت موسی علیہ السلام حصول ادب کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مجبور کئے گئے تھے نہ کہ حصول تعلیم کے لئے۔

نویں فصل

حضور ﷺ کے اعضاء و جوارح کی عصمت

نبی کریم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے عمل سے متعلق عصمت کا بیان یہ ہے اور اسی قبیل سے وہ زبانی ارشادات بھی ہیں جو پہلے خبروں میں بیان ہو چکے ہیں اور وہ قلبی اعتقادات توحید کے ماسوا جو مخصوص معارف کے ضمن میں پہلے مذکور ہو چکے ان کے سوا ہیں۔(یہ تمام اعضاء مبارکہ کے اعمال میں سے ہیں) کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ مہلکہ سے معصوم و منزہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں جمہور کی دلیل یہی اجماع ہے جسے ہم نے بیان کیا اور یہی قاضی ابو بکر علیہ الرحمہ کا مذہب ہے اور دیگر علماء نے اجتماع کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی ان سب کی ممانعت اور عصمت ثابت کی ہے یہی قول سب کا ہے اور اس کو استاذ ابو اسحاق علیہ الرحمہ نے مختار رکھا ہے۔

اسی طرح تمام علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام رسالت کے چھپانے اور تبلیغ میں کمی کرنے سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ عصمت کا اقتضاء ہی یہ ہے اور اس سلسلہ میں سب سے اجماع کے ساتھ معجزہ (ثابت) ہے۔

اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان برائیوں سے جہاں وہ اللہ عزوجل کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں وہاں وہ با اختیار خود اور بکسب خویش بھی معصوم ہوتے ہیں سوائے حسین نجار علیہ

الرحمہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں معاصی پر سرے سے قدرت ہی نہیں ہوتی۔

اب رہا گناہ صغیرہ! تو سلف صالحین وغیرہ کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کو جائز رکھا ہے اور یہی مذہب ابو جعفر طبری علیہ الرحمہ وغیرہ فقہاء و محدثین و متکلّمین کا ہے، ہم عنقریب ان کے دلائل بھی بیان کریں گے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں اور ایک گروہ توقف کی طرف گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ محال عقلی نہیں ہے اور نہ شریعت سے کوئی قطعی دلیل متعدّد وجوہ سے وارد ہے اور محققین فقہاء و متکلّمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انبیا علیہم السلام گناہ کبیرہ سے عصمت کی طرح گناہ صغیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ صغیرو اور کبیرہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف و اشکال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ جس سے خدا کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ ہے اور ان میں سے وہ صغیرہ ہے جو کبیرہ کی نسبت چھوٹا ہو اور جس میں کسی امر الٰہی کی مخالفت ہو ضروری ہے کہ وہ کبیرہ ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ ص ۱۱۲ صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ ص ۱۶۵۶) اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ عزوجل کی نافرمانیاں چھوٹی (صغیرہ) ہیں بجز اس معنی کے کہ جب کبیرہ سے اجتناب کیا جائے تو وہ بخشے جا سکتے ہیں، اس کے لئے بھی یہ بات نہیں کہ اس کے بخشے جانے پر کوئی خدا کا حکم ہے، بخلاف کبائر کے کہ جب تک وہ ان سے توبہ نہ کرے تو کوئی شے ان کو مٹا نہیں سکتی، البتہ ان کی معافی اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے، یہی قول قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ اور ائمہ اشعریہ کی ایک جماعت اور بکثرت ائمہ فقہا کا ہے اور کچھ مالکی ائمہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ دونوں قولوں کی بنا پر ضروری نہیں کہ اس میں اختلاف ہو کہ انبیا علیہم السلام صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان (صغائر) کی تکرار اور کثرت کبیرہ تک پہنچا دیتی ہے۔

اور اس صغیرہ میں بھی اختلاف نہیں جو حیاء و عزت کو زائل کرے، مروت کو کم کرے اور برائی و کمینہ پن کو لازم کرے لہذا انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے بھی معصوم ہوتے ہیں، اس پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ باتیں ان کے بلند و بالا مرتبے کو گراتیں، عیب دار بناتیں اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام ان باتوں سے منزہ و پاک ہیں، بلکہ ان کی اس عصمت و تنزیہ میں کچھ مباح چیز میں شامل ہو جاتی ہیں جو پھر اس مباح کے کرنے سے اسم مباح سے نکل کر حرام تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور کچھ علماء کا یہ مذہب ہے کہ مکروہات میں قصداً پڑنے سے معصوم ہیں، بعض ائمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے صغائر سے معصوم ہونے پر اس سے دلیل پکڑی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ ان کے افعال کی پیروی اور ان کے نقش قدم کا اتباع اور ان کی خصلتوں، سیرتوں اور عادتوں کا مطلقاً اتباع کیا جائے، یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اصحاب بدون التزام قرینہ شرعیہ کے اور بعض کے نزدیک مطلقاً ہے، اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے۔

ابن خُوَیْزَ مِنْدَاز اور ابوالفرج رحمہم اللہ، امام مالک علیہ الرحمہ سے اس میں التزام کو واجب نقل کرتے ہیں، یہی قول ابہری، ابن قصار رحمہا اللہ اور اکثر مالکیوں کا ہے اور یہ قول اکثر اہل عراق ابن سریج، اصطخری اور ابن خیران رحمہم اللہ شوافع کا ہے اور اکثر شوافع استحباب پر ہیں اور ایک گروہ اباحت کی طرف گیا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ جو امور دینیہ ہیں اور اس سے قربت کا مقدر پایا جائے اس میں اتباع ہے۔

اور جو افعال میں اباحت کے قائل ہیں انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی اور کہا کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں لیکن ان میں ان کے افعال کی پیروی ممکن نہیں، اس لئے کہ آپ کے افعال میں

کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں آپ کے مقصد میں تمیز ہو سکے، آیا کہ اس میں قربت ہے یا اباحت منع ہے یا گناہ اور صحیح نہیں کہ کسی شخص کو کسی حکم کے بجالانے کا حکم ہو پھر اس میں گناہ بھی ہو، خصوصًا اصولیوں کے قواعد کی روشنی میں کیونکہ وہ فعل کو قول پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ عمل و فعل میں تعارض واقع ہو۔

ہم اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جس نے مغائر کو جائز رکھا اور جس نے اس کی نفی کی سب اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کسی قولی یا فعلی منکر (برائی) پر کسی کو قائم نہیں رہنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کی شان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کسی شے کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس پر آپ ﷺ خاموش رہتے تو وہ اس کے جواز پر دلیل بن جاتی تھی، لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے تو آپ ﷺ کی شان ہو اور خود آپ ﷺ سے منکر (برائی) کا وقوع جائز رکھا جائے، اسی بنا پر مکروہات کے مقامات سے آپ ﷺ کی عصمت واجب ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا اور اس لیے بھی کہ آپ کے افعال کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا فعل مکروہ پر زجر و نہی کے منافی ہے، نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان ان کے دین و طریقے سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ آپ کے تمام افعال کی ایسی ہی پیروی کرتے تھے خواہ وہ کسی جہت سے ہوں یا کسی فن میں ہوں جس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔

بلا شبہ (ایک مرتبہ) جب آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتاری تو تمام صحابہ علیہم الرضوان نے اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں (صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ ص ۱۱۳، صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ ص ۱۶۵۶) اسی طرح جب آپ ﷺ نے اپنی کفش مبارک اتاری تو تمام صحابہ علیہم الرضوان نے اپنی جوتیاں اتار دیں (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۴۲۲، مستدرک کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۰) اور صحابہ علیہم الرضوان نے صرف حضرت ابن عمران کی روایت کو حجت قرار دیا جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف

رخ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا (صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ا صفحہ ۳۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ا صفحہ ۲۲۵)، اس کے علاوہ بہت سے صحابہ علیہم الرضوان نے عبادت و عادت کے بکثرت امور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کو دلیل و ماخذ قرار دیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور فرمایا:

کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں بتائی کہ فرمایا کہ روزے کی حالت میں تقبیل کرتا ہوں (موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۷) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور دلیل فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے (موطا امام مالک کتاب الصیام صلحہ ۲۳۸-۲۳۷) اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر غصہ فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو چاہا حلال کر دیا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے بڑھ کر اس کی حدود کو جانتا ہوں۔

اس بات میں بکثرت احادیث و آثار ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا، لیکن بحیثیت مجموعی قطعی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں آپ ﷺ کے افعال کی پیروی اور اتباع کیا کرتے تھے، اگر وہ اس میں آپ ﷺ کی مخالفت کسی فعل میں جائز سمجھتے تو یہ انتظام نہ ہوتا اور ضرور سے بھی ان سے منقول ہوتا اور ان سے اس میں ان کی بخششیں ظاہر ہوتی اور یقیناً دوسروں پر ان کے قول و اعتذار پر انکار نہ فرماتے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

البتہ انبیاء کرام علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں، اس لئے کہ اس میں اس پر کوئی برائی نہیں آتی بلکہ مباحات میں وہ اجازت یافتہ ہیں اور ان کے ہاتھ دوسروں کے ہاتھوں کی مانند مباحات پر مسلط ہیں بجز اس کے کہ انہیں کسی رفیع المنزلت مرتبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہو اور ان کے سینے انوار معرفت

سے کشادہ کر دیئے گئے ہوں اور وہ خدا اور دار آخرت سے اپنے دلی تعلق کی وجہ سے برگزیدہ کر دیئے گئے ہوں، ایسی صورت میں وہ مباحات کی طرف بھی توجہ نہیں فرماتے مگر اتنا جتنی کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے جس سے کہ ان کو راستہ کے چلنے کی طاقت اور دین کی اصلاح کرنے کی قوت اور دنیاوی ضرورت حاصل ہو جائے اور جو چیز بھی اس راہ میں لے جاتی ہے وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ قربت و عبادت بن جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع کتاب میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصلتوں کے بیان میں ظاہر کیا ہے تو اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر اللہ عزوجل کا کتنا فضل عظیم ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ان کے افعال بھی عبادت اور بندگی میں شامل ہیں جو کہ مخالفت اور معصیت کی راہ سے بہت دور ہیں۔

دسویں فصل

قبل اظہار نبوت کی عصمت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا انبیا علیہم السلام قبل نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ چنانچہ کچھ نے تو اسے محال کیا اور کچھ نے اسے جائز رکھا، لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ مشیت الٰہی سے ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوتے ہیں اور ہر اس برائی سے بھی پاک ہوتے ہیں جو شک کا موجب ہو یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ اس مسئلہ کا تصور بھی محال ہے، اس لئے کہ گناہ اور منہیات تو شریعت کے تقرر کے بعد ہی ہوتے ہیں، نزول وحی سے قبل ہمارے نبی کریم ملک کے حال میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ اس سے پہلے بھی متبع شریعت تھے یا نہیں؟

اس پر ایک جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کسی شے کے متبع نہ تھے یہی قول جمہور کا ہے، اس قول کی بنا پر تو معاصی کا وجود ہی نہیں پایا جاسکتا اور اس وقت آپ ﷺ کے لئے یہ معتبر ہی نہ تھے، اس لئے کہ احکام شریعت او امر و نواہی اور تقرر شریعت سے متعلق ہیں، پھر اس امر کے قارئین کے دلائل میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ سیف السنہ، جماعتہائے امت کے مقتدی، قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے باخبر ہونے کے لئے نقل اور بطریق ساعت حدیث کا وارد ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوئی اور عادتاً اس کا چھپانا ناممکن ہے کیونکہ آپ ﷺ کی روش میں یہ

ایک مہتم بالشان اور بڑا معتبر امر تھا اور اس شریعت کے پیروکار اس پر فخر کرتے اور یقیناً وہ لوگ آپ ﷺ پر اس سے حجت لاتے، (کہ آپ نے پہلے تو اس شریعت پر عمل کیا اب کیوں اسے چھوڑتے ہیں وغیرہ) لیکن اس بات میں اصلاً (ہرگز، مطلقاً، بالکل وغیرہ) کوئی شے مروی ہی نہیں ہے۔

اور ایک جماعت ممتنع عقلی کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے محال عقلی ہے کہ جو متبوع ہو مشہور ہو جائے پھر اس کا تابع بننا بہت دور کی چیز ہے ان کی بنیاد حسن و قبح پر ہے اور یہ راستہ سیدھا نہیں ہے، اس سے تو بہتر "نقل" سے حجت لاتا جیسا کہ قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ کا قول گزرا بہت عمدہ اور ظاہر ہے۔

ایک اور جماعت حضور ﷺ کے لئے توقف کی قائل ہے اور اس میں کسی قسم کے قطعی حکم کی آپ ﷺ پر متروک (رخصت ظاہر) کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں وجہوں کو عقل محال نہیں جانتی اور ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی نقل ظاہر نہیں ہوئی، یہ مذہب ابوالمعالی علیہ الرحمہ کا ہے۔

اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے، اپ کی پہلی شریعت کے عامل تھے، اس کے بعد وہ شریعت کی تعین میں مختلف ہو گئے، آیا آپ کسی خاص شریعت کے پابند تھے یا نہیں؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو شریعت کے تعین میں توقف اختیار کیا اور کچھ نے دلیری اور جزم کیا اور کچھ لوگوں نے متعیّن و مقرر کیا، پھر یقین کرنے والے بھی اس پر مختلف ہو گئے کہ آپ ﷺ نے کس کی شریعت کا اتباع کیا چنانچہ کسی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کہا، یہ خلاصہ ان مذاہب کا ہے جو اس سلسلہ میں ہیں لیکن سب سے زیادہ ظاہر وہ مذہب ہے جس پر قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ وغیرہ میں یعنی پہلے آپ ﷺ نے کسی متعیّن شریعت پر عمل نہ فرمایا۔

اور سب سے زیادہ بعید مذہب، شریعت کی تعین کرنے والوں کا ہے، اس لئے اگر یہ بات ہوتی تو ضرور

منقول ہوتی جیسا کہ پہلے گزرا اور اصلا (ہرگز) یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہتی اور ان کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہتی جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام آخر الانبیاء (بنی اسرائیل) میں تو لازم آتا کہ جو نبی بعد کو آیا اس نے بھی ان کی شریعت کا اتباع کیا ہو جیسا کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی دعوت عام تھی، بلکہ صحیح یہی ہے کہ کسی نبی کی بھی دعوت عام نہ تھی بجز ہمارے نبی ﷺ کی دعوت کے (کیونکہ آپ کی ہی دعوت سارے عالم کے لئے ہے) نیز دوسروں کے لئے یوں بھی حجت نہیں کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾

دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ ہے۔ (النحل:۱۲۳)

اور نہ دوسروں کے لئے حجت ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾

تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا۔ (الشوری:۱۳)

اس لئے کہ اس آیت میں اس کا حل یہ ہے کہ ان کا اتباع صرف توحید میں ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل نے ان کا بھی نام لیا جو مبعوث نہ تھے اور وہ بھی ہیں جن کی کوئی خاص شریعت تھی جیسے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام اس قول کے بنا پر جو ان کی رسالت کا قائل نہیں ہے اور یقینا اللہ عزوجل نے اس آیت میں اس جماعت کا بھی ذکر فرمایا ہے جس کی شریعتیں باہم مختلف تھیں، جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں۔

لہذا اب دلیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ان سب کا مجتمع ہونا توحید و عبادت باری تعالی میں ہی مراد ہے، اس کے بعد اب کیا اس شخص پر یہ قول لازم نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ اب ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی پیروی لازم نہیں ہے یا وہ اس میں مختلف ہیں، لیکن جس نے اتباع کو عقلی طور

پر ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا یہ قاعدہ بلاتردد پر رسول علیہ السلام میں جاری ہو گا اور جو لوگ نقل کی طرف مائل ہوئے ہیں تو اس کے لئے جہاں بھی ایسی صورت پائی گئی وہ اس کا اتباع کرے گا اور جو توقف کے قائل ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور جو اتباع کے وجوب کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پہلی شریعت کا اتباع کرتے تھے تو انہوں نے اس کا التزام کیا کہ وہ اپنی دلیل کو ہر نبی علیہ السلام کے لئے جاری کرے۔

گیارہویں فصل

وہ افعال و اعمال جو بلا قصد و ارادہ صادر ہوئے

یہ حکم توان مخالفتوں کا ہے جنہیں بالقصد عمل میں لایا جائے جن کا نام معصیت ہے جو تحت تکلیف میں لیکن وہ عمل جو بلا قصد و عمد صادر ہوں جیسے وہ معمولات شرعیہ جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے جن کا تعلق خطاب سے نہیں ہے اس میں سہو و نسیان واقع ہو جائے تو ان پر (جب عوام سے) کوئی مواخذہ نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان پر ترک مواخذہ اور عدم عصیان لازمی ہے، اس معاملہ میں وہ امتوں کے ساتھ مساوی حکم میں ہیں۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ امر طریقہ تبلیغ، بیان شریعت، متعلقات احکام اور اس عمل کے ذریعہ تعلیم امت مقصود ہو کہ ان کو دلیل بنا کر ان کی پیروی کی جائے اور دوسرا یہ کہ وہ عمل ان سے خارج ہو اور صرف انبیاء علیہم السلام کی اپنی ذات کے لئے خاص ہو۔

لیکن اول قسم کا عمل علماء کی جماعت کے نزدیک اس بات میں قولی سہو کا حکم رکھتا ہے حالانکہ پہلے ہم نے بالاتفاق نبی کریم ﷺ کے لئے اس کا محال ہونا اور آپ پر قصداً یا سہواً جواز کی نسبت سے آپ ﷺ کا معصوم ہونا بیان کر دیا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اسی زمرۂ قول میں آپ ﷺ کے افعال ہیں جن میں کسی طرح بھی خلاف جائز نہیں ہے، خواہ بالقصد ہوں یا بطور سہو، اس لئے کہ آپ ﷺ کے اعمال بھی ادائے تبلیغ کی جہت سے قول کے معنی میں ہیں، اب اگر ان عوارض کو آپ کے

اعمال پر جاری کر دیا جائے تو یہ شک وشبہ کا باعث اور طعنہ زنی کا موجب بنے گا اور سہوی احادیث میں علماء کرام نے کئی طرح کی تاویلیں کر کے عذر کیا ہے جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے، اسی طرف ابو اسحاق علیہ الرحمہ کا میلان ہے لیکن اکثر فقہاء و متکلّمین کا یہ مذہب ہے کہ بطور سہو بلا قصد، افعال بلاغیہ اور احکام شرعیہ میں مخالفت کا صدور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جائز ہے، جیسا کہ نماز میں کہ سہو کی حدیثوں سے ثابت ہے اور انہوں نے عمل کے اور اقوال بلاغیہ کے درمیان تفریق کی ہے کیونکہ معجزہ قول کے صدق پر قائم ہے اور قول میں مخالفت اس کے برخلاف ہے لیکن افعال میں سہو کا وقوع وہ اس کے برخلاف نہیں ہے اور نہ وہ نبوت کے منافی ہے بلکہ افعال میں غلطی اور دل کی غفلت لازمہ بشریت ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جو بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، لہذا جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ص ۷، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا ص ۴۰۲)

البتہ یہ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نسیان وسہو کی حالت طاری ہونا افادۂ علم اور بیان شرع کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں خود بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ وہ تمہارے لئے سنت بن جائے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا مگر بھلایا جاتا ہوں تاکہ اسے سنت بناؤں (موطا امام مالک کتاب السہو ص ۹۷) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی حالت واقع ہونا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کی زیادتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتمام نعمت ہے جو کہ نقص کی نشانیوں اور طعن کی فرضوں سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے جواز کے ماننے والے حضرات بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ بلاشبہ رسول سہو و غلط پر قائم و ثابت نہیں رہتا بلکہ انہیں اس پر فوراً خبردار کر دیا جاتا ہے اور اس وقت اس کے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے، یہ بعض کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور دوسرے قول پر کہتے ہیں کہ وصال شریف سے پہلے آگاہ کئے جاتے ہیں۔

لیکن وہ افعال جو طریقہ تبلیغ اور بیان احکام سے متعلق نہیں ہیں مگر وہ آپ کے امور دینیہ اور اذکار قلبیہ کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے تو ایسے امور میں علمائے امت کے اکثر طبقے آپ ﷺ پر سہو، غلط، تساہل و تغافل قلبی کے جواز کے قائل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی تکلیف دی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوض کے امور، امت کی سیاست، اہل خانہ پر شفقت اور اعزہ کا لحاظ فرمائیں پھر بھی ایسے امور پے در پے اور متواتر نہیں ہوتے تھے بلکہ شاذ و نادر ہی واقع ہوتے تھے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیت واقع ہوتی ہے کہ میں اللہ عزوجل سے پناہ مانگتا ہوں" اور یہ بات ایسی نہیں کہ آپ ﷺ کے مرتبے میں اس سے کوئی کمی واقع ہو اور معجزات کے مخالف ہو اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی طرف سہو، نسیان، غفلت، تساہل کی نسبت بھی محال ہے، یہی مذہب جماعت صوفیاء اور قلوب و مقامات کے عرفاء کا ہے اور اس بیان میں اور بھی مذاہب ہیں جن کو انشاء اللہ عزوجل بعد میں ذکر کریں گے۔

بارہویں فصل

سہوی احادیث پر مکمل بحث

ہم نے اس سے پہلے متعدّد فصلوں میں بیان کر دیا ہے کہ سہو سے متعلق جواز و محال کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے کیا صورت ہے اور یہ کہ ہمارے نزدیک تمام حدیثوں میں اور تمام دینی ارشادات میں بالکل سہو جائز ہی نہیں ہے اور یہ کہ افعال میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جس کو ہم نے سلسلہ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے، اب ہم ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں جو سہوی حدیث نماز میں مروی ہے وہ تین ہیں، پہلی حدیث وہ جو ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹، مسلم کتاب جلد ا صفحہ ۴۰۴) اور دوسری حدیث ابن بُحَیْنَة کی ہے جس میں آپ نے دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے قیام فرمایا تھا (صحیح بخاری کتاب السہو ج ۲ ص ۲۰، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۳۹۹) اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۵۷، مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۴۰۱)

یہ تینوں حدیثیں سہو پر مبنی ہیں جو کہ افعال میں واقع ہوا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کہ اس میں خدا کی یہ حکمت مضمر تھی اس طرح آپ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے کیونکہ افعال کے ساتھ تبلیغ بہ نسبت قول کے زیادہ روشن اور احتمال کو زیادہ اٹھانے والی ہے، پھر بھی یہ شرط ہے کہ آپ کو سہو پر ثبات

نہیں رہتا، بلکہ فوراً آپ ﷺ کو محسوس ہو جاتا ہے تاکہ اشتباہ جاتا رہے اور حکمت کا فائدہ ظاہر ہو جائے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس قسم کے نسیان اور سہو کا حضور کے افعال میں واقع ہونا آپ ﷺ کے معجزے کے مخالف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے۔

اور بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میں بشر ہی ہوں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو"، لہذا جب بھول واقع ہو تو یاد دلا دیا کرو اور فرمایا کہ اللہ عزوجل فلاں شخص پر رحم فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیت مجھے یاد دلائی جس کو میں نے (سہوا) چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مروی ہے کہ مجھے وہ بھلا دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ میں سنت کر دوں۔

یہ لفظ شک راوی سے ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ میں بذات خود نہیں بھولتا ہوں لیکن بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ سنت بناؤں، ابن نافع اور عیسی بن دینار رحمہا اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شک واقع نہیں ہے اور یہ کہ اس کے معنی میں ہی تقسیم سے یعنی یہ کہ میں خود نہیں بھولتا اور مجھے اللہ عزوجل بھلا دیتا ہے۔

قاضی ابوالولید باجی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ان دونوں ارشادات میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہو کہ بیداری میں تو خود کھولتا ہوں اور خواب میں مجھے بھلایا جاتا ہے یا یہ کہ میں بشری طور پر تو بھول جاتا ہوں کیونکہ انسان سے کسی شے کا ذہول اور سہو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ اس طرف پوری طرح انہماک اور فارغ بال کی بنا پر بھلایا جاتا ہوں، پس آپ نے دونوں نسیان میں سے ایک کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ آپ ﷺ کے لئے اس میں ایک سبب تھا اور دوسرے کی اپنی طرف سے نسبت کے وقوع کی نفی فرمائی کیونکہ اس میں مضطرب کی طرح تھے۔

اور اصحاب معانی و کلام کی ایک جماعت اس حدیث میں اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حالت نماز میں جو سہو واقع ہوا وہ آپ ﷺ خود نہیں بھولے تھے کیونکہ نسیان تو ذہول، غفلت اور

مصیبت ہوتی ہے، حالانکہ آپ ﷺ ان تمام حالتوں سے پاک و منزہ ہیں جو سہو لے آتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نماز کی حرکات و سکنات میں خوب انہماک فرماتے تھے، تو یہ نماز میں غایت انہماک کی بنا پر ہے نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ کے دوسرے قول سے حجت پکڑی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں (بلکہ بھلایا جاتا ہوں)۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ پر یہ تمام باتیں سرے ہی سے محال ہیں، انہوں نے کہا کہ (بظاہر) آپ ﷺ کا یہ ہو تو قصد و عمد کے ساتھ ہوتا تاکہ یہ مسنون بن جائے، یہ قول ناپسندیدہ ہے اور اس کے مقاصد متناقض ہیں، یہ قول بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک حال میں آپ قصداً ساہی (بھولنے والے) بن جائیں تو ان کے اپنے اس قول میں کوئی وزن نہیں کہ آپ قصداً نسیان کی صورت اختیار کر لیتے تھے تاکہ وہ مسنون ہو جائے، اس لئے کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں خود نہیں بھولتا بھلا دیا جاتا ہوں" بلاشبہ دونوں وصفوں میں سے کوئی ایک وصف ضرور پایا جاتا ہے، جس سے تعمد و قصد کے تناقض کی نفی ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہی ہوں جو تمہاری طرح بھول میں واقع ہوتا ہوں، اس پر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام مائل ہیں اور وہ ابوالمظفر اسفرائینی علیہ الرحمہ ہیں اس کے سوا کوئی اس تاویل کو قبول نہیں کرتا اور نہ میں ہی اسے مختار جانتا ہوں اور ان دونوں گروہوں کے لئے حضور ﷺ کے اس فرمان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس میں صرف لفظ نسیان کی نفی اور اس لفظ کی کراہت ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہت برا ہے جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا، البتہ میں بھلایا گیا ہوں (یہ کہنا چاہئے) (صحیح بخاری کتاب الشہادات جلد ۳ صفحہ ۱۵۱، صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۷ ۴۳) یا

یہ بات ہے کہ امر صلوۃ میں آپ ﷺ کے قلب اطہر کی طرف سے غفلت اور قلت اہتمام بسبب انہماک تام فی الصلوۃ کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے سہو فرما گئے، جیسا کہ غزوہ خندق کے موقع پر نماز ترک کرنے کا واقعہ ہوا یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا اور آپ ﷺ دشمن کی مدافعت میں مشغول رہے۔ (صحیح بخاری کتاب المواقیت جلد ا صفحہ ۱۰۲، مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۲۲۷) لہذا آپ ﷺ نے ایک امر کی طاعت میں مشغول رہنے کی بنا پر دوسری طاعت میں تاخیر فرما دی، ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر چار نماز میں قضا ہوئی تھیں یعنی ظہر، عصر مغرب اور عشاء۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۱۵، سنن نسائی جلد صفحہ ۲۹۷) اسی سے خوف کی حالت میں تاخیر نماز کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے جبکہ نماز کو اس کے وقت میں ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو یہ شامیوں کا مذہب ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نماز خوف کا حکم اس کے بعد نازل ہوا لہذا یہ حکم پہلی صورت کا ناسخ ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ وادی (جنگل) کے دن تو نبی کریم ﷺ کے خواب استراحت کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ دونوں آنکھیں سو رہی تھیں مگر میرا دل بیدار تھا (صحیح بخاری ج ا ص ۳۴) تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علماء کرام کے اس باب میں کئی جواب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ حکم تو بوقت خواب آپ ﷺ کے قلب اطہر اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک کا اکثر اوقات کے بارے میں ہے نادر وقت میں آپ ﷺ کا اور حال ہوتا تھا، جیسا کہ نادر صورت میں کسی دوسرے سے کوئی عمل خلاف عادت ہو جائے اس تاویل کی صحیح آپ ﷺ کے فرمان سے ہی نفس حدیث کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ہماری

روحوں کو قبض کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کا یہ قول کہ کبھی مجھ پر ایسی نیند طاری ہی نہیں ہوئی جیسی کہ اب ہوئی، اسی قسم کی باتیں اس وقت صادر ہوتی ہیں جبکہ اللہ عزوجل کسی امر میں اثبات حکم تاسیس سنت اور اظہار شریعت کے لئے ایسا ارادہ فرمائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ضرور ہم بیدار ہو جاتے لیکن اس نے تمہارے بعد والوں کے لئے ایسا ارادہ فرمایا۔

دوسرا جواب ہے کہ آپ کے قلب اطہر پر گہری نیند طاری نہیں ہوتی تھی تا کہ آپ پر نیند میں حدث واقع نہ ہو کیونکہ مروی ہے کہ آپ اس سے محفوظ تھے حالانکہ آپ سو جاتے تھے اور نیند کی آواز بھاری ہو جاتی یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز معلوم ہونے لگتی تھی، پھر بیدار ہو کر یونہی نماز پڑھ لیا کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے (صحیح بخاری کتاب العلم جلد ا صفحہ ۲۹، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۷۵) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی وہ حدیث جس میں اٹھنے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے تو وہ خواب اپنی زوجہ (بیوی) کے ساتھ ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ ص ۵۸، مسلم جلد ا ص ۵۳۹)

لہذا اس سے محض سو جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے پر حجت نہیں لائی جا سکتی کیونکہ ممکن ہے اپنی زوجہ سے ملامت یا کسی اور حدیث کی بنا پر وضو کرنا ہو، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس حدیث کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی یہ آواز سنی گئی، اس کے بعد اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر اس لئے نہیں سوتا تھا کہ خواب کی حالت میں وحی ہوتی تھی، لہذا وادی کے قصہ میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشم ہائے مبارک کی نیند سورج کے نہ دیکھنے میں ہے اور یہ قلبی کیفیات میں سے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ہماری روحوں کو قبض فرما لیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت کے سوا (نماز کے وقت) لوٹا دیتا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر آپ کی نیند میں استغراق کی عادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری صبح کا خیال رکھنا، تو اس کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ صبح کو اندھیرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جس کی آنکھ سو جائے اس پر اول فجر کی رعایت آسان نہیں ہوتی یہ تو بدیہی بات ہے کہ ظاہری اعضاء سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہداشت کا حکم فرمایا تاکہ وہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دیں، جیسا کہ آپ نیند کے سوا میں بھی اگر کسی اور کام میں مشغول ہو جاتے تو اس کی رعایت کراتے تھے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کا اس سے منع فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ "میں بھول گیا ہوں"، حالانکہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں پس جب بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس سے میں بھلا دیا گیا تھا"، تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے، اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ کا ایسے کہنے سے منع فرمانا کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو یہ اس پر محمول ہو گا کہ اس کی تلاوت قرآن سے منسوخ ہو گئی ہے یعنی اس میں آپ کی جانب سے غفلت نہیں ہے لیکن اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اس پر مجبور فرمایا تاکہ وہ جو چاہے (لوح قلب سے) محو فرما دے یا جو چاہے باقی و ثابت رکھے اور جو سہو و غفلت آپ ﷺ کی جانب سے ہو تو اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یوں کہا جائے میں بھول گیا ہوں (حالانکہ سہو و غفلت آپ ﷺ سے واقع ہوتا ہی نہیں بلکہ اللہ عزوجل کی طرف سے بھلا دیا جاتا ہے۔ مترجم)

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ بات بطریق استحباب وارد ہوتی ہے کہ فعل کو اپنے خالق کی طرف

منسوب کریں اور دوسری حدیث میں بطریق جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل ہے اور حضور ﷺ کا تبلیغ شریعت اور بندوں تک پہنچا دینے کے بعد کسی آیت کو چھوڑ نا پھر امت کا آپ ﷺ کو یاد دلانا یا خود بخود یاد آجانا جائز ہے بجز اس کے کہ اللہ عزوجل ہی اسے منسوخ کر کے دلوں سے محو فرما دے اور اس کے ذکر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرما دے۔

بلا شبہ یہ جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرتبہ ایسے طریقہ پر بھلا دیئے جائیں، یہ بھی جائز ہے کہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کے پہنچانے سے پہلے ہی اسے جو نظم میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سے حکم میں خلط ملط نہ ہو اور وہ جو خبر میں خلل نہ ڈالے آپ سے بھلا دے، پھر اسے اللہ عزوجل ہی یاد دلا دے اور یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ ہی بھول جایا کریں کیونکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب (قرآن) کی خود حفاظت فرماتا اور اس کے پہنچانے کی تکلیف نبی کریم ﷺ کو خود دیتا ہے۔

تیرہویں فصل

انبیاء کرام علیہ السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں

اس فصل میں ان لوگوں کا رد ہے جو گناہ صغیرہ کو انبیا علیہم السلام پر جائز بتاتے ہیں اور ان دلیلوں پر بھی بحث کی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

واضح ہونا چاہئے کہ جو فقہاء و محدثین اور ان کے متبعین متکلّمین میں سے حضرات انبیا علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کا صدور جائز رکھتے ہیں، انہوں نے اس پر قرآن و حدیث کے بکثرت صریح نصوص سے استدلال کیا ہے، اگر وہ ظاہری نصوص کا التزام کریں تو اس سے گناہ کبیرہ اور خرق اجماع تک نوبت پہنچتی ہے جس کا کوئی مسلمان قائل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ وہ جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے اقتضاء میں متعدّد احتمالات متقابل ہیں اور ان کے لئے اس التزام کے برخلاف سلف کے بہت سے اقوال وارد ہیں، اب جبکہ ان کے مذہب پر اجماع نہیں اور ان کے استدلال پر پرانا اختلاف چلا آتا ہے اور ان کے اس قول کے خطا و غلط پر اور دوسرے قول کی صحت پر دلائل موجود ہوں تو اس کا ترک واجب اور قول صحیح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اب ہم انشاء اللہ عزوجل ان کے دلائل پر بحث کرتے ہیں، چنانچہ ان کے استدلات میں سے ایک اس آیت کریمہ میں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح:۲)

تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

اور ارشاد ہے: ﴿وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔(محمد:۱۹)

اور فرمایا: ﴿وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ(2) الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ(3)﴾

اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔(الم نشرح:۲-۳)

اور فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔(الانفال:۶۵)

اور فرمایا: ﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔(الانفال:۶۸)

اور فرمایا: ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى(۱) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔(عبس:۱۔۲)

اور کچھ ان قصوں میں مروی ہیں جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے وارد ہیں، مثلاً یہ کہ اللہ عزوجل کا قول ہے: ﴿وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔(طٰہٰ:۱۲۱)

اور فرمایا: ﴿فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾

پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہئے بچہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔ (الاعراف:۱۹۰)

اور یہ کہ: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ﴾

اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ (الاعراف:۲۳)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں کہ:

﴿ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

پاکی ہے تجھ کو بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (الانبیاء:۸۷)

اور حضرت داؤد علیا کے قصہ میں مذکور ہے:

﴿ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴾

اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا۔ (ص:۲۴)

اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ﴾

اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا۔ (یوسف:۲۴)

اور دو قضیہ جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے مابین واقع ہوا اور حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ:

﴿ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾

تو موسی نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔ (قصص:۱۵)

اور حضور ﷺ کا اپنی دعا میں یہ الفاظ لانا، اے میرے خدا میرے اگلے پچھلے چھپے، ظاہر سب گناہ معاف کر دے۔ (صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵۳۶) اسی قسم کی دیگر آپ ﷺ کی دعائیں ہیں اور حدیث شفاعت میں ہے کہ بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ "بعض وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے اس وقت اپنے رب عزوجل سے استغفار کرتا ہوں" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "میں اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہوں اور اس سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں"، اور اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام ہ السلام کی طرف سے فرمایا: ﴿ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ ﴾

اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے۔ (ہود:۴۷)

اور بیشک اللہ عزوجل نے ان سے کہا تھا کہ:

﴿ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾

ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈبوئے جائیں گے۔ (المومنون:۲۷)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ:

﴿ وَ الَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴾

اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (الشعراء:۸۲)

اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہ:

تُبْتُ اِلَیْكَ: تیری طرف رجوع لایا۔ (الاعراف:۱۴۳)

اور فرمایا کہ: ﴿ وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ ﴾ اور بیشک ہم نے سلیمان کو جانچا۔ (ص:۳۴)

اس قسم کی بہت سی ظاہر مثالیں ہیں، (اب ان سب کا جواب سنو) لیکن اللہ عزوجل کے اس فرمان سے

تحت پکڑنا کہ ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح:۲)

تو اس کے معنی و تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ اس سے قبل نبوت اور بعد نبوت مراد ہے اور کچھ نے یہ کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو لغزشیں واقع ہوگئی ہیں اور جو واقع ہوں گی ان سب کی اللہ عزوجل نے اطلاع دے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشے ہوئے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور جو بعد کو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے معصوم ہیں اسے احمد بن نصر علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مراد ہے اور بعض نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہو و غفلت اور تاویل مراد ہے، اسے طبری علیہ الرحمہ نے روایت کیا اور قشیری علیہ الرحمہ نے اسے مختار جانا اور بعض نے یہ کہا کہ "مَا تَقَدَّمَ" (جو پہلے ہوئے) سے مراد آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور "مَا تَاَخَّرَ" (جو پیچھے ہوئے) سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی اور سلمی رحمہما اللہ نے ابن عطاء سے بیان کیا، اس تاویل کے مطابق اللہ عزوجل کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، چنانچہ مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب بھی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے ہی خطاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرمانے کا حکم دیا کہ آپ فرمادیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ صفحہ ۵)

﴿وَ مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ﴾

اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ (الاحقاف:۹)

اس پر کفار بہت خوش ہوئے، تب اللہ عزوجل نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ نازل فرمائی اور مومنین کے انجام کے بارے میں دوسری آیت میں اس کے بعد فرمایا، اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

فرمایا، لہذا آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح مغفور ہیں اگر کوئی لغزش ہو بھی تب بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ مغفرت سے مراد ہر عیب و نقص سے برات ہے۔

لیکن اللہ عزوجل کا یہ فرمان کہ: ﴿ وَ وَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ﴾

اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا۔ (الم نشرح: ۲)

تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ قبل نبوت کی آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں مراد ہیں، یہ قول ابن زید اور حسن رحمہا اللہ کا ہے، اسی معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نبوت سے پہلے بھی محفوظ و معصوم تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقینا آپ کی کمر بوجھل ہو جاتی، اسے سمرقندی علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ کمر توڑنے والے بوجھ سے مراد رسالت کی مشقت ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے ادا فرمایا، اسے ماوردی اور سلمی رحمہا اللہ نے بیان کیا، ایک قول یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے ایام جاہلیت کے بوجھ کو دور فرما دیا، اسے کی ﷺ نے بیان کیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی خفیہ مشغولیتیں، آپ ﷺ کی حیرتیں اور آپ کی شریعت میں جستجو و طلب کا بوجھ مراد ہے یہاں تک کہ ہم نے شریعت کو آپ ﷺ پر واضح فرما دیا، اس معنی میں قشیری علیہ الرحمہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہ بوجھ ہلکا کر دیا جو آپ ﷺ کے ذمہ کیا گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی حفاظت کی جس کا آپ ﷺ کو محافظ بنایا گیا تھا اور اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ (آپ کی کمر کے بوجھل ہونے) کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے اور جس نے اس کے معنی نبوت سے پہلے کے کئے ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے آپ ﷺ کے قبل (اظہار) نبوت وہ امور جن میں آپ پہلے مشغول تھے، اب (اظہار) نبوت کے بعد آپ ﷺ پر وہ ممنوع قرار دے دیئے

گئے، پھر اس کو بوجھ شمار کیا اور آپ ﷺ پر وہ بوجھل ہوئے تو انہیں دور کیا، یا "وضع" سے مراد اللہ عزوجل کی کفایت و عصمت تمام گناہوں سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر ٹوٹ جاتی یا یہ کہ رسالت کا بوجھ مراد ہے یا امور جاہلیت سے جو آپ کا دل بوجھل اور مشغول تھا مراد ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ کو مطلع کر دیا کہ جو وحی آپ پر ہوگی اس کی میں حفاظت کروں گا، لیکن اللہ عزوجل کا فرمان کہ:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذان دے دیا۔ (التوبہ: ۴۳)

تو یہ تو ایسی بات ہے کہ اس سے قبل اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ممانعت فرمائی ہی نہیں تھی جس کو گناہ یا نافرمانی کہا جائے اور نہ اسے اللہ عزوجل نے ہی معصیت شمار فرمایا بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب بھی شمار نہیں کیا، یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو وہ اس طرف گئے ہیں۔

اور نفطویہ علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق بلاشبہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اس سے مبرا رکھا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دی تھی، علماء فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی جس میں کوئی وحی نازل نہ ہو جیسا چاہیں عمل کریں، یہ کیونکر نہ ہو، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾

تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو۔ (النور: ۶۲)

چنانچہ جب آپ ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تب اللہ عزوجل نے آپ کو مطلع فرمایا کہ اے محبوب آپ ﷺ ان کے دل کے بھیدوں سے واقف نہیں، اگر آپ ان کو اذن نہ بھی دیتے تب بھی وہ

ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کو اس پر بھی مطلع فرمایا کہ اب جو کچھ ہو گیا کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس آیت میں عَفَا یعنی معافی کے معنی غَفَرَ یعنی بخشنے کے نہیں ہیں، بلکہ ویسے ہی معنی ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ یعنی گھوڑے اور غلاموں کی زکوۃ سے اللہ عزوجل نے تم کو معاف فرما دیا (سنن ابوداؤد کتاب الزکوۃ جلد ۲ ص ۲۵، سنن ترمذی کتاب الزکوۃ جلد ۲ ص ۷۲، سنن نسائی کتاب الزکوۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکو جلد ا صفحہ ۵۷)، حالانکہ ان پر پہلے سے کوئی فرض نہیں ہوا تھا، یعنی تم پر یہ لازم نہیں ہے، اسی طرح امام قشیری علیہ الرحمہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "عفو" کو صرف اسی معنی میں لینا کہ گناہوں سے ہی معافی ہوتی ہے، اسے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کلام عرب کے محاورات سے نابلد (ناواقف) ہے اور فرمایا: در حقیقت عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور داؤدی علیہ الرحمہ نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی عزت و تکریم ہے، مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے کلام کے طریق پر ارشاد فرمایا گیا جیسے یوں کہا کرتے ہیں "اَصْلَحَكَ اللّٰهُ" خدا تمہیں نیکی کی توفیق دے یا یہ کہ "اَعَزَّكَ" یعنی تمہیں عزت بخشے وغیرہ اور فقیہ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ نے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے معنی سے ہیں کہ عَافَاكَ اللّٰهُ یعنی خدا آپ کو عافیت سے رکھے لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ آیہ کریمہ کہ:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ﴾ (الانفال:۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔

تو اس آیت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے بلکہ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ خدا نے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کو تمام نبیوں پر اس میں فضیلت عطا فرمائی، گویا کہ اللہ عزوجل نے یوں فرمایا کہ آپ کے سوا کسی نبی علیہ الرحمہ پر جائز نہ تھا۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاص میرے ہی لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ پہلے یہ کسی نبی علیہ السلام پر حلال نہ تھا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا: تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو۔ (الانفال:٦٧)

سو اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا جو اس کو مقصود اصلی خیال کرتے تھے اور محض دنیاوی غرض اور اس کی بہتری کے خواستگار تھے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک سے یقینی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین بدر کے دن بھاگے تھے اور لوگ مال غنیمت لوٹنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول اور خطرات جنگ سے بے پروا ہو گئے تھے یہاں تک کہ سیدنا عمر فاوق رضی اللہ عنہ کو خوف پیدا ہو گیا کہ ان پر پھر کفار واپس نہ لوٹ پڑیں، اس کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا۔ (الانفال:٦٨)

(تو کفار لوٹ ہی پڑتے) چنانچہ مفسرین کے اس آیت کے معنی میں مختلف قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اگر میری طرف سے یہ بات نہ گزری ہوئی کہ میں کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دوں گا جب تک کہ انہیں منع نہ کر دوں تو یقیناً تم کو عذاب دیتا، سو اس قول کی بنا پر قیدیوں کا معاملہ تو گناہ رہتا ہی نہیں، اس کی نفی تفسیر کر رہی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ وہی پہلی کتاب ہے پھر تم نے درگزر کرنے کو واجب کر لیا تو یقیناً تم کو مال غنیمت لینے پر عذاب کیا جاتا، اس تفسیری قول اور اس بیان کی مزید وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اگر تم قرآن پر ایمان نہ رکھتے اور ان لوگوں میں سے نہ ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں تو یقیناً تمہیں بھی ویسا ہی عذاب دیا جاتا جیسا ظالموں کو

دیا گیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ بات پہلے سے نہ ہوتی کہ تمہارے لئے یہ مال غنیمت حلال ہے تو لازماً تمہیں سزا دی جاتی یہ تمام تفسیری اقوال گناہ اور معصیت کی نفی کر رہے ہیں اس لئے کہ جو شخص وہ کام کرے جو اس کو حلال ہے تو وہ نافرمان اور گنہگار نہیں ہے، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾

تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔ (الانفال:۶۹)

اور ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ اس میں مختار تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت یقینی طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدر کے دن آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ قیدیوں کے بارے میں مختار ہیں چاہے وہ انہیں قتل کریں چاہے وہ فدیہ لے لیں بایں شرط کہ ان میں سے آئندہ سال ان کے برابر قتل گئے جائیں، تو انہوں نے فدیہ کو قبول کرتے ہوئے اسے منظور کیا کہ ہم سے قتل کئے جائیں۔

(سنن ترمذی کتاب السیر جلد ۳ ص ۲۴، تحفۃ الاشراف جلد ۷ صفحہ ۴۳۱)

یہ قول اس بات کی صحت پر دلیل ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا ہے جس کی انہیں اجازت دی گئی ہے لیکن بعض صحابہ علیہم الرضوان نے دو وجہوں میں سے زیادہ کمزور درجہ کی طرف میلان کیا حالانکہ اس کے سوا دوسری وجہ زیادہ درست و صحیح تھی یعنی انہیں جوش و خروش سے قتل کیا جاتا، اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا اور ان پر ان کے کمزور پہلو کے اختیار کرنے پر واضح کیا گیا اور دوسرے پہلو کی صحت و درستگی بتائی گئی، لہذا میں سب نافرمان اور گنہگار نہیں ہوئے، اس طرف طبری علیہ الرحمہ کا بھی اشارہ ہے۔

لیکن حضور ﷺ کا اس قضیہ میں یہ ارشاد "اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو ہم میں سے بجز حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا"، سو یہ بھی اس رائے کی صحت و درستگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس شخص کی رائے کی طرف جو اس کے موافق ہو کہ اس میں دین کی عزت، اس کے کلمہ کا غلبہ واظہار اور اس کے دشمن کی ہلاکت و بربادی ہے اور اس طرف بھی مشیر (اشارہ) ہے کہ یہ قضیہ اگر عذاب کو واجب کرنے والا ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ہی نجات پاتے ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص تعین اس لئے ہے کہ کفار کے قتل کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دیا تھا لیکن اللہ عزوجل نے ان پر عذاب اس قضیہ میں اس لئے مقدر نہیں فرمایا کہ بیان کے لئے حلال تھا جیسا کہ گزرا۔

داؤدی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اختیار کی یہ روایت ثابت ہی نہیں اگر ثابت ہوتی تو کیونکر یہ گمان کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جائز ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم ایسا جس میں کوئی اشارہ یا صریح دلیل نہیں دیا ہو اور نہ اس میں آپ کی طرف کوئی حکم ہو، یقیناً اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منزہ فرمایا ہے۔

اور قاضی بکر بن علاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ آپ کی تاویل مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کی فرضیت کے موافق ہے، بلاشبہ اس سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں جس میں کہ ابن حضری رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تھے تو حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا گیا تھا (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۷) اس وقت تو اللہ عزوجل نے ان پر عتاب نہیں فرمایا تھا، حالانکہ یہ واقعہ بدر کے سال سے پہلے ہوا۔

لہذا یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل آپ سال کی تاویل اور اپنی بصیرت کی بنا پر تھا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اس وقت اللہ عزوجل نے ان پر انکار نہیں

کیا اللہ عزوجل نے بدر کے معاملہ کو بڑا بنایا چونکہ اس میں قیدی بہت زیادہ تھے اور اللہ عزوجل ہی اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید زیادہ جانتا ہے ان کی تعریف لوح محفوظ میں مرقوم ہے کہ ان کے لئے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہے، اس میں کوئی عقاب انکار اور گناہ نہیں ہے، یہ اس کے کلام کا مفہوم و مراد ہے۔ لیکن اللہ عزوجل کا میدار شاد کہ:

﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی﴾ تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ (عبس:۱)

تو اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے معصیت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو اللہ عزوجل خبر دے رہا ہے کہ آپ کا جو مقابل ہے وہ تو ان میں سے ہے جو بھی پاک نہ ہوگا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصل حال منکشف کر دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریق اولی ان دونوں مردوں میں سے نابینا کی طرف توجہ فرماتے۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کافر کی طرف رخ انور پھیر کر پوری توجہ فرمائی تو یہ اللہ عزوجل کی طاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور کافر کی تالیف قلب کے لئے تھا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ عزوجل نے مشروع فرمایا تو یہ کوئی معصیت اور اس کی مخالفت نہیں ہے، حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بات بیان فرمائی ہے وہ تو دو مردوں کی حالت کا اظہار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کافر کی توہین کرنا اور کافر سے پہلوتہی کرنا مقصود تھی، چنانچہ اللہ عزوجل نے خود ہی فرمایا: ﴿وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی﴾

اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔ (عبس:۷)

اور ایک قول یہ ہے کہ ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی﴾ سے وہ کافر مراد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا اسے ابو تمام (صاحب دیوان حماسہ) نے بیان کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ عزوجل کا یہ

قول ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ ان دونوں نے اس میں سے کھالیا۔(طہ:۱۲۱)

بعد اس کے کہ یہ فرمادیا تھا کہ: ﴿وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔(البقرہ:۳۵)

اور یہ کہ: ﴿اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾

کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا۔(الاعراف:۲۲)

اور اللہ عزوجل کا "معصیت" صاف طور پر فرمانا کہ: ﴿وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔(طہ:۱۲۱)

ایک قول یہ کہ اس نے خطا کی، اس کے بعد اللہ عزوجل نے اس کے عذر کو بیان فرمایا کہ:

﴿وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾

اور بے شک ہم نے آدم علیہ السلام کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔(طہ:۱۱۵)

ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام کی عداوت کو جو وہ آپ کے ساتھ رکھتا تھا اور اس عہد کو بھول گئے جو اس بارے میں اللہ عزوجل نے آپ سے اپنے اس قول کے بارے میں لیا تھا:

﴿اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ﴾

بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔(طہ:۱۱۷)

ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس عہد و دشمنی شیطان کو بایں سبب بھول گئے جو اس نے ان دونوں کو دھوکا دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان کو اس لئے انسان کہا جاتا ہے کہ اس سے جو عہد لیا گیا

تھا وہ اسے بھول گیا تھا (تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۱۰۳ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۵) اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے حلال جان کر اس کی مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو شیطان کی قسم سے دھوکا ہوا کہ اس نے بقسم کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا، حضرت آدم علیہ السلام کا یہ عذر بعض آثار میں بھی مروی ہے اور ابن جبیر علیہ الرحمہ نے کہا کہ شیطان نے ان دونوں سے خدا کی قسم کھائی یہاں تک کہ ان دونوں کو دھوکا دے دیا اور مومن (صادق الایمان) دھوکے میں آ ہی جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کا نسیان تھا مخالفت کی نیت تھی، اس لئے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (طٰہٰ:۱۱۵)

اکثر مفسرین اسی پر ہیں اس جگہ عزم کے معنی حزم و صبر کے ہیں، ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کے کھاتے وقت نشہ میں تھے اس میں ضعف اس وجہ سے ہے کہ اللہ عزوجل نے جنت کی شراب کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ نشہ میں نہیں لائی، لہذا زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ علیہ السلام سے بھول ہو گئی تھی اور بھول معصیت نہیں ہے، اسی طرح اگر آپ علیہ السلام پر غلطی سے یہ امر مشتبہ ہو جائے جب بھی معصیت نہیں کیونکہ بھولنے والا اور سہو میں مبتلا ہونے والا حکم تکلیف سے بالاتفاق نکل جاتا ہے، شیخ ابو بکر بن فورک علیہ الرحمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ امر نبوت سے پہلے ہوا ہو، اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ:

﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (۱۲۱) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى﴾

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (طٰہٰ:۱۲۱-۱۲۲)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے انتہا اور ہدایت کو "عصیان" کے بعد ذکر فرمایا، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تاویلا کھایا کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ وہی درخت ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ ان کی تاویل یہ تھی، اللہ عزوجل نے تو ایک مخصوص درخت کی ممانعت فرمائی ہے نہ کہ جنس درخت کی، اس لئے کہ کہا گیا کہ توبہ ترک تحفظ سے تھی نہ کہ مخالفت و نافرمانی سے، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ عزوجل کی ممانعت اس قسم کی نہیں تھی جس سے حرام ہو جانا پایا جائے۔

اب اگر یوں کہا جائے کہ بہر حال اللہ عزوجل نے تو یہ فرمایا: ﴿وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی﴾

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ (طٰہٰ:۱۲۱)

اور یہ کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰی﴾

اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (طٰہٰ:۱۲۲)

اور یہ حدیث شفاعت میں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کرینگے اور کہیں گے کہ مجھے درخت کے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی مگر میں نے نافرمانی کی، اس جیسے دیگر اعتراضات کا جواب مجملاً آخر فصل میں انشاء اللہ آئے گا۔

جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا کچھ حصہ تو ابھی گزر چکا ہے اور اس قصہ یونس علیہ السلام میں بھی گناہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس واقعہ میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور ناراض ہو کر چلے گئے ہم اس پر بھی بحث کر چکے ہیں۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے ان پر اپنی قوم سے خروج کی بنا پر کہ ان پر عذاب اترے گا ناراضگی فرمائی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ عزوجل نے ان سے عذاب کا وعدہ فرما کر انہیں معاف کر دیا تب کہا کہ خدا کی قسم میں جھوٹا بن کر کبھی ان سے نہ ملوں گا، ایک قول یہ ہے

کہ وہ لوگ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے یوں وہ خوفزدہ ہو گئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بار رسالت کے اٹھانے سے کمزور ہو گئے۔

بلاشبہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، ان تمام باتوں میں کوئی اس کی صراحت نہیں کہ انہوں نے معصیت کی، بجز اس قول کے جو ناپسندیدہ ہے، اور اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ: ﴿اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ (الصفت:۱۴۰)

جب کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔

تو مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ دور ہو گئے، لیکن اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۸۷) بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔

تو ظلم کی تعریف تو "وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ" یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھ دینا ہے، تو اب ان کا اپنے گناہ کا اقرار بعض کے نزدیک تو یہ ہے کہ یا تو اس وجہ میں کہ وہ اپنے رب عزوجل کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکلے تھے یا بایں وجہ کہ وہ بار رسالت کے تحمل کی برداشت نہ رکھتے تھے یا یوں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا مانگی تھی، (اور وہ معاف کر دیا گیا تھا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا مانگی تھی مگر اس پر تو مواخذہ نہیں ہوا تھا۔

واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ کہ انہوں نے ظلم کی نسبت اپنے رب عزوجل کی طرف کرنے سے خود کو منزہ رکھا اور اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت کر کے اقرار کیا اور خود اس (نفس) کو اس کا مستحق جانا، اسی طرح حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا یہ قول ہے کہ:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ﴾

اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ (الاعراف:۲۳)

اس لئے کہ یہ دونوں جہاں اتارے گئے تھے اس کے غیر موضع پر پڑنے اور جنت سے نکلنے اور زمین پر اترنے کا سبب بنے تھے۔

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جسے اہل کتاب کے ان مؤرخین نے لکھا ہے جنہوں نے تغیر و تبدل کیا ہے اور اسے ان سے مفسرین نے نقل کر لیا ہے، حالانکہ اللہ عزوجل نے اس پر کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں آیا ہے اور وہ جسے اللہ عزوجل نے صراحت سے بیان فرمایا وہ تو صرف یہ ہے کہ:

﴿ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ(۲۴)فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ(۲۵) ﴾

اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے یہ معاف فرمایا اور بیشک اس کے لئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔ (ص:۲۵-۲۴)

اور اس کا یہ فرمان کہ فِيْهِ اَوَّابٌ یعنی وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے پس فَتَنّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمایا اور اَوَّابٌ کے معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مطیع ہے، یہ تفسیر بہت بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا کہ میری خاطر اپنی بیوی سے جدا ہو یا اسے میرے ذمہ کر دے اس پر اللہ عزوجل نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آگاہ کیا کہ تم دنیا میں مشغول نہ ہو اس معاملہ میں یہی بات زیادہ مناسب ہے، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغام دے دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ دل سے اسے پسند کیا کہ وہ حاضر ہو اور سمرقندی علیہ الرحمہ نے بیان کیا آپ نے جس گناہ سے استغفار کی وہ

دو شخصوں کا جھگڑا تھا (آپ نے فرمایا کہ اس نے تم پر ظلم کیا تو انہوں نے مقابل کے قول سے ہی ظالم بنایا، ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس کے لئے استغفار کی کہ انہوں نے اپنی جان سے خوف کھایا اور آزمائش کا گمان کیا کہ انہیں ملک اور دنیا دی گئی۔)

اور وہ جو کچھ مؤرخین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس کی نفی میں احمد بن نصر اور ابوتمام رحمہما اللہ وغیرہ محققین گئے ہیں، چنانچہ داؤدی علیہ الرحمہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور کسی نبی سے ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محبت کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرا دیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو شخصوں کا جھگڑا آپ علیہ السلام سے بکریوں کے بچوں کے بارے میں تھا ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ! تو اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں، اب رہے ان کے بھائی تو ان کی نبوت ہی کب ثابت ہے جس کی وجہ سے ان کے افعال پر بحث کریں اور قرآن کریم میں اسباط (اولاد) کا ذکر کرنا اور انہیں انبیاء میں شمار کرنا سو اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ نبی مراد ہیں جو ان کی اولاد میں ہوئے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ وہ فعل کیا تھا تو اس وقت ان کی عمر میں چھوٹی تھیں اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے۔

لیکن اللہ عزوجل کا یہ ارشاد کہ: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾

بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ

لیتا۔ (یوسف:۲۴)

تو اس میں بھی اکثر فقہا و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ نفس کی خواہش پر مواخذ نہیں ہوتا اور نہ یہ گناہ ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے رب عزوجل کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۱۷) تو معلوم ہوا کہ صرف نفس کی خواہش پر گناہ نہیں ہے لیکن فقہا محققین اور متکلّمین کے مذہب کے نزدیک جب قصد پر نفس کا مصمم ارادہ ہو جائے تو وہ گناہ ہے اور جس پر اس کا نفس پختہ نہ ہو تو وہ معاف ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

لہٰذا انشاء اللہ عزوجل حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اسی قبیل سے ہوگا اور فرمان الٰہی کہ:

﴿ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ﴾ اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ (یوسف:۵۳)

یعنی میں اپنے نفس کے اس ارادے سے برات نہیں کرتا یا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے بطریق تواضع فرمایا ہو جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں نفس کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے پاک و منزہ تھا اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ابوحاتم علیہ الرحمہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ارادہ کیا ہی نہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی

﴿ وَ لَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ ﴾ زلیخا نے ان کی طرف قصد کیا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی دلیل نہ دیکھتے تو ضرور اس کی طرف قصد فرماتے، کیونکہ اللہ عزوجل نے زلیخا کے لئے فرمایا کہ: ﴿ وَ لَقَدۡ رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ ﴾

اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا۔ (یوسف:۳۲)

نیز فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ ؕ ﴾

ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ (یوسف:۲۴)

﴿وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ﴾

اور دروازے سب بند کر دیے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ (یوسف:۲۳)

اور رَبِّیْ کی تفسیر میں ایک یہ ہے کہ اس سے اللہ عزوجل مراد ہے اور ایک قول یہ کہ بادشاہ مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ ہم بِھَا اس نے ارادہ کیا یعنی زلیخا کو تنبیہ کرنے کا قصد کیا ہے اور اسے نصیحت کی اور ایک قول یہ ہے کہ ہم بھا کے معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اس سے باز رہنے میں غمزدہ کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کی جانب (غصہ سے) دیکھا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے دھکا دے کر دور کر دیا اور بعض نے کہا کہ یہ تمام قصہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ عورتیں ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مائل بشہوت ہوتی ہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرما کر اس کی ہیبت ڈال دی پھر ہیبت نبوت نے ہر دیکھنے والے کو ان کے حسن و جمال سے غافل کر دیا۔

اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقتول کا قصہ جسے انہوں نے مکا مارا تھا (صحیح بخاری جلد ۵ ص ۱۲۶، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۳) اور اللہ عزوجل نے بیان فرمایا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دشمن تھا، سوا ایک قول تو یہ ہے کہ فرعونی دین پر قائم ایک قبطی تھا، پوری سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے عصا سے پیٹا تھا اور جان سے مار ڈالنے کا قصد نہ تھا، اس بنا پر تو اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ هٰذَا مِنْ

عَمَلِ الشَّيْطَانِ یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔

اور فرمایا: ﴿ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ﴾ میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے۔

(القصص:۱۶)

اس کی تفسیر میں ابن جریج علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ کسی نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم قتل کر دے اور نقاشی علیہ الرحمہ نے کہا کہ ارادہ قتل ہے انہوں نے قصدا قتل نہیں کیا، انہوں نے مکا اس لئے مارا کہ اس کے ظلم کو مکے سے دور کر دیں اور کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے اور یہی اقتضاء تلاوت ہے، اسی قصد میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ اور تجھے خوب جانچ لیا۔ (طٰہٰ:۴۰)

یعنی ابتلا کے بعد دوبارہ ابتلا میں ڈالا اور ایک قول یہ ہے، اس قصہ میں وہ مراد ہے جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈالنا وغیرہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو خوب خالص کر دیا، اسے ابن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنھما نے کہا اور میر اس محاورہ عرب پر مبنی ہے کہ فَتَنَتِ الفِضَّةُ فِيْ النَّارِ إِذَا خَلَصَتْهَا یعنی چاندی کو آگ میں ڈال کر صاف کر لیا جبکہ وہ خوب صاف ہو جائے دراصل فتنہ کے معنی ہی آزمائش اور شئ پوشیدہ کے اظہار کے ہیں، سوائے اس جگہ کے جہاں عرف شریعت میں، اختیار میں کسی ناپسند د مکروہ میں بولا گیا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام ان کے پاس جب آئے تو طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ گدی پر چلی گئی، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے حضرت موسی علیہ السلام کی تعدی یا کوئی فعل غیر واجب ثابت ہوتا ہو، کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلی بات ہے جو عقلا بھی جائز ہے کیونکہ موسی علیہ السلام نے اپنی ان سے مدافعت کی ہے جو ان کی جان لینے آئے تھے اور یقینا وہ آدمی کی صورت میں

آئے تھے، اس وقت علم کی کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ وہ جان لیتے کہ وہ ملک الموت علیہ السلام ہے انہوں نے اپنی پوری پوری مدافعت اس طرح پر کی ہو کہ اس سے اس صورت کی آنکھ پھوٹ گئی ہو جس صورت میں وہ ان کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے، اس کے بعد جب دوبارہ وہ آئے اور اللہ عزوجل نے انہیں علم دیا کہ یہ اس کا قاصد ہے تب انہوں نے سر جھکا دیا۔

اس حدیث کے علماء متقدمین ومتاخرین نے کئی جواب دیے ہیں جس میں میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ بہتر ہے، اور یہ جواب ہمارے شیخ امام ابو عبداللہ ماوردی علیہ الرحمہ کا ہے۔

اور متقدمین میں سے ابن عائشہ وغیرہ نے طمانچہ مارنے اور آنکھ باہر آجانے کی یہ تاویل کی ہے وہ اس پر حجت میں غالب آگئے اور انہوں نے اس کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی، اس قسم کا کلام اس باب میں لغت اور محاورہ عرب میں منقول ہے۔

اب رہا حضرت سلیمان علیہ السلام السلام کا قصہ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا اور میدان کی آزمائش تھی اور وہ روایتیں جنہیں مفسرین نے ان کے گناہ میں بیان کیا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ: ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ﴾ بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا۔ (ص:۳۴)

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور ان کا امتحان میں تھا جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج کی رات سو عورتوں یا ننانوے عورتوں پر گشت کروں گا اور ان سب سے ایک ایک سوار پیدا ہو گا جو اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے گا۔

اس پر ان کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ آپ انشاء اللہ عزوجل بھی فرمایئے، تو انہوں نے یہ نہ کہا جس پر صرف ایک یہ عورت حاملہ ہوئی اور وہ بھی نصف بچہ پیدا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ انشاء اللہ

عزوجل کہہ دیتے تو کے یقیناوہ سب پیدا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اصحاب معانی نے کہا کہ حدیث میں جو لفظ شق وارد ہے اس سے وہ دھڑ مراد ہے جو کرسی پر ڈال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے یہ ان کی عقوبیت و محنت کا ثمرہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ مر گیا تھا اسے مردہ کرسی پر ڈال کر پیش کیا گیا، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس پر حرص و تمنا کی تھی، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلبہ حرص و تمنا میں انشاء اللہ نہ کہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی عقوبت بیٹھی کہ ان کا ملک مسلوب ہوا اور ان کا گناہ ہے کہ انہوں نے دل میں یہ چاہا کہ ان کے سسرال کا حق ان کے دشمنوں پر ثابت ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی بیویوں میں سے کسی ایک کے گناہ پر مواخذہ کیا گیا تھا۔

اور یہ بات صحیح نہیں جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا اور ان کی امت پر ظلم و ستم کا حکم کرنے لگا تھا (تفسیر در منثور جلد ۷ ص ۱۷۹) کیونکہ ایسے امور پر شیاطین کو قدرت نہیں دی جاتی اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام ایسے امور سے معصوم رکھے جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قصہ مذکورہ میں انشاء اللہ کیوں نہ کہا تو اس کے کئی جواب ہیں، ایک وہ کہ جو حدیث صحیح میں مروی ہے کہ وہ کہنا بھول گئے تھے تاکہ اللہ کی مراد پوری ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے مصاحب کی آواز سنی ہی نہیں کیونکہ کسی اور طرف مشغول ہو گئے تھے۔ اور ارشاد کہ:

﴿وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾

اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (ص:۳۵)

تو یہ سوال دنیا طلبی اور اس سے رغبت کی بنا پر نہ تھا لیکن ان کا اس سے مقصد وہ تھا جسے مفسرین نے

بیان کیا کہ اس پر کوئی غلبہ نہ پاسکے جیسا کہ اس ملک پر وہ شیطان مسلط کر دیا گیا تھا جس نے زمانہ امتحان میں آپ سے (ملک) چھین لیا تھا، اس قول کی بنا پر جو اس کا قائل ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ انہوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ عزوجل کی جانب سے کوئی ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا ہو جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بعض خصوصیتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور یہ خصوصیت ان کی نبوت کی دلیل اور حجت سے ہو۔

مثلاً آپ کے والد ماجد کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جاتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مردوں کا زندہ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ سے مخصوص فرمانا وغیرہ فضائل و خصائص ہیں۔

اب رہا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا عذر تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس میں تاویل اور ظاہر لفظ کے ساتھ تمسک کیا تھا، چنانچہ ارشاد باری ہے کہ: اَهْلَكَ: وہ تمہارے اہل ہے۔ (ھود:۴۰)

تو وہ مقتضائے لفظ کے طالب اور اس سے شے کے علم کے خواہاں ہوئے جو ان سے مخفی تھا نہ یہ کہ انہوں نے وعدہ الٰہی میں شک کیا تھا، چنانچہ اللہ عزوجل نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ یہ تمہاری اس اہل میں سے نہیں ہے جس کی نجات کا وعدہ فرمایا تھا کیونکہ وہ کافر ہے اور اس کے اعمال غیر صالح ہیں اور یقیناً اللہ عزوجل نے ان کو آگاہ فرما دیا تھا کہ وہ ظالموں کو ڈبونے والا ہے اور مخاطبت سے آپ کو روک دیا کہ وہ اس تاویل سے تمسک نہ کریں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی قوم کے لئے اس اقدام کے بارے میں سوال کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی۔

اور نقاش علیہ الرحمہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر سے لاعلم تھے اور آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت پر مقتضی نہیں ہیں بجز اس کے جو ہم نے ان کی تاویل اور اقدام سوال بلا اذن کی صورت میں بیان کیا اور یہ ممنوع نہ تھا۔

اب رہی وہ صحیح حدیث جس میں ہے کہ کسی نبی کے چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے ڈیوٹی کی آبادی ہی کو جلا دیا تھا (صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ ص ۴۹، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۴ ص ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد جلد ۵ ص ۴۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب العید جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۵)، اس پر ان کی طرف اللہ عزوجل نے وحی فرمائی کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا مگر تم نے اس کے بدلے میں پوری ایسی جماعت کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

سو اس حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے معصیت ثابت ہو بلکہ انہوں نے وہ کام کیا جو ان کی مصلحت و صواب کا اقتضاء تھا کہ ایسی ایذا رساں جنس ہی کو مار دیا جائے جو اس سے باز رکھے جسے اللہ عزوجل نے مباح کیا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے نیچے پڑاؤ کیے تھے پس جب چیونٹی نے انہیں کاٹا تو انہوں نے دوبارہ کاٹنے کے خوف سے اسے مسل دیا حالانکہ اللہ عزوجل کی ایسی کوئی وحی نہیں ہے جس میں یہ معصیت ہو بلکہ صبر و برداشت اور موانعات کو چھوڑنا مستحب ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ﴾

اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا۔ (النحل:۱۲۶)

لہذا ان کا فعل ظاہر بات ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ایذا پہنچاتی ہے۔ (زیادہ سے زیادہ) انہوں نے یہ کیا کہ اپنی جان کا بدلہ لیا اور اس مضرت کو دور کیا جو بقیہ چیونٹیوں سے جو وہاں موجود تھیں خطرہ تھا تو اس بارے میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں جس سے پہلے منع کیا گیا اور اب اس کے کرنے سے معصیت اور نافرمانی ٹھہرے اور نہ اس بارے میں اللہ عزوجل نے کوئی وحی صراحت سے نازل فرمائی اور نہ ان سے توبہ و استغفار مروی ہے (واللہ اعلم) اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس قول کا کیا معنی نہیں کہ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا وہ گناہ کے قریب نہ گیا بجز حضرت یحیی بن زکریا علیہما السلام کے"، یا جو بھی کچھ آپ نے فرمایا ہو (مسند امام احمد

ج ا ص ۴۹۴-۴۵۴، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۰۹)، تو اس کا وہی جواب ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو گناہ واقع ہوئے ہیں وہ سہو اور مشغولیت کی بنا پر صادر ہوئے۔

چودہویں فصل

دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے ان ذنوب و معاصی کی نفی کر دی جن میں مختلف مفسرین اور محققین کی متعدّد تاویلوں میں بیان کیا ہے تو اب اللہ عزوجل کے فرمان ﴿وَ عَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی﴾، اور وہ امور جو بار بار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ذنوب، توبہ، استغفار، گریہ و زاری وغیرہ میں منقول ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟، حالانکہ وہ ان کا اعتراف کرتے رہے اور ڈرتے رہے کیا کوئی بے گناہ بھی ڈرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے؟

تو ان کا جواب تمہیں معلوم ہونا چاہئے، اللہ عزوجل ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ رفیع اور بلند معرفت الٰہی اور سنت بندگان خدا پر فائز اور اللہ عزوجل کی عظمت و ہیبت اور اس کی مضبوط گرفت و طاقت کا عرفان وہ ان کو اس امر میں خوف و خشیت الٰہی اور اندیشہ گرفت باری تعالی برانگیختہ کرتا رہتا تھا حالانکہ وہ امور ایسے ہوتے تھے کہ غیر انبیاء سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

انبیاء کرام کا تو حال یہ تھا کہ وہ ان امور میں بھی خوفزدہ رہتے تھے جن میں نہ کوئی ممانعت تھی اور نہ انہیں ان کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی ان پر وہ ماخوذ معاتب ہوئے اور انہیں مواخذے سے خوفزدہ کیا گیا حالانکہ یہ انبیاء کرام ان امور کے یا تو بوجہ تاویل یا سہو یا برسبیل زیادتی طلب مباح امور دنیاوی کے مرتکب ہوئے تھے، مگر پھر بھی خائف و لرزاں رہتے تھے اور یہ گناہ بھی ان کے مرتبہ عالیہ کی نسبت سے

ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے وہ معاصی ہیں نہ یہ کہ وہ دوسروں کے گناہ کی طرح گناہ اور معاصی ہیں۔

اس لئے کہ گناہ دنائت اور رذالت سے ماخوذ ہے اور اس سے یہ کہ **ذَنْبُ کُلِّ شَيْءٍ** یعنی ہر شی کی ذنب یعنی آخر اور لوگوں کے اذناب ان کی رذالت ہے گویا کہ یہ لوگوں کے ادنی افعال اور ان کے برے احوال ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام ان کی تطہیر کریں اور انہیں ستھرا بنائیں اور خود انبیا علیہم السلام کی باطنی اور ظاہری حالت عمل صالح کلمہ طیب، ذکر ظاہر وخفی اور خشیت الہی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے، ان کی خشیت الہی باطن و ظاہر میں بڑھتی رہتی ہے اور ان کے سوا دوسرے لوگ کبائر، قبائح اور خواہش سے آلودہ رہتے ہیں، انبیا علیہم السلام کی لغزشیں اور گناہ بہ نسبت دوسرے کے نیکیاں ہوتی ہیں، جیسا یعنی کہ مقولہ ہے کہ: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتِ الْمُقَرِّبِیْنَ: نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

یعنی اپنی علو مرتبت کے لحاظ سے وہ گناہوں کی مثل ہیں، اسی طرح عصیان و ترک مخالفت کا حال ہے، لہذا باعتبار الفاظ وہ کسی طرح کا سہو یا تاویل ہو ان کے حق میں مخالفت اور ترک ہے اور اللہ عزوجل کا ارشاد "**فَغَوٰی**" سو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور غَبِّی کے معنی جہل کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دائمی رہائش کی طلب میں انہوں نے خطا کی، جب انہوں نے کھالیا تو ان کی آرزوئیں رائیگاں گئیں۔

اور یہی صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بیشک اس قول میں ان سے مواخذہ کیا گیا جو انہوں نے قید خانہ میں اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ

﴿ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾

اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیل خانہ میں رہا۔ (یوسف:۴۲)

ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام کو ذکر الہٰی سے بھلا دیا گیا اور ایک قول یہ کہ ان کے ساتھی کو بھلا دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات نہ کہتے تو وہ اتنے عرصہ قید خانے میں نہ رہتے۔

ابن دینار علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو ان سے کہا گیا کہ تم نے میرے سوا دوسرے کو وکیل بنایا تو اب ضرور تمہاری مدت قید کو دراز کروں گا، اس وقت انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب بلاؤں کے اژدھام نے میرے قلب کو بھلا دیا۔ (تفسیر در منثور جلد صفحہ ۵۳۱)

اور بعض علماء نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے ایک ذرہ بھر لغزش پر بھی گرفت ہو جاتی تھی کیونکہ خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باوجود ان سے کئی گنا زیادہ بے ادبی ہونے کے درگزر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی چنداں پروا نہیں ہوتی اور اس پہلے گروہ نے جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ۔

جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ان کے سہو ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کی حالت بہت بلند وبالا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا حال دوسرں سے برا ہے؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ ہم نے یہ تو ثابت نہیں کیا کہ ان پر مواخذہ دوسروں کے برابر ہوتا ہے، بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسی باتوں کا ان پر مواخذہ کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ان کے درجات اور زیادہ بڑھیں اور اس لئے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا

ہے تاکہ ان کے مرتبے اور بلند ہوں، جیساکہ ارشاد باری ہے کہ:

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰی﴾

پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (طٰہٰ:۱۲۲)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ﴾

تو ہم نے اسے یہ معاف فرمایا۔ (ص:۲۵)

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تبت الیک میں تیری طرف رجوع لایا تب اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ﴾

میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا۔ (الاعراف:۱۴۴)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش اور رجوع کے تذکرے کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ (الی) حُسْنَ مَاٰبٍ﴾

تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کردی (اچھا ٹھکانہ ہے)۔ (ص:۳۶)

اور بعض متکلّمین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں ظاہر میں تو لغزشیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور قرب ہیں، جیساکہ ہم نے پہلے بیان کیا نیز یہ کہ ان کے سوا دوسرے انسانوں کو یا ان لوگوں کو جو ان کے درجے میں نہیں (اولیاء و متقین) ہوشیار کیا جاتا ہے کہ ایسی باتوں پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے چاہئے کہ وہ بھی ڈرتے رہیں اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھیں تاکہ اللہ عزوجل کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجالاتے رہیں اور سختیوں پر جبکہ ایسے بلند و بالا منصب والوں پر جو کہ معصوم ہیں شدائد واقع ہوتی ہیں تو وہ بھی صبر کرنا سیکھیں اور جب کہ انبیاء کا یہ حال ہے تو ان کے سوا

دوسروں کا کیا حال ہو گا؟

اسی صالح مری نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ توابین کے لئے بڑی گنجائش ہے، ابن عطاء علیہ الرحمہ نے کہا کہ اللہ عزوجل نے صاحب حوت (حضرت یونس علیہ السلام) کا قصہ ان کی تنقیص شان کے لئے نہیں بیان فرمایا مگر اس لئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا صبر و تحمل اور زیادہ ہو۔

نیز اس گروہ (اعتراض کرنے والے) سے یہ بھی کہا جائے کہ تم اور تمہارے موافقین یہ کہتے ہیں کہ کبائر کے اجتناب سے صغائر معاف کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہیں لہذا اب جو وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہو گا، یعنی یہ کہ ان پر مواخذہ سہو اور تاویل افعال پر ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کثرت سے توبہ و استغفار کرنا دائمی خضوع اور اظہار بندگی کے لئے ہے نہ کہ تقصیر کے اعتراف کی وجہ سے اور یہ اللہ عزوجل کی نعمت پر شکر بجالانا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ میں گزشتہ و آئندہ کے مواخذے سے محفوظ ہوں لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ کو جانتا ہوں۔

حارث بن اسد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف عظمت و جلال کے خوف اور اللہ عزوجل کی بندگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو مامون و محفوظ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی امت کے لئے وہ امر مسنون بن جائے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

نیز توبہ و استغفار میں ایک دوسرے لطیف معنی بھی ہیں جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اس محبت الٰہی عزوجل کی خواہش ہے، جسے اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرہ:۲۲۲)

بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

لہٰذا انبیاء و رسل علیہم السلام کا استغفار و توبہ اور انابت و رجوع میں ہمیشہ مشغول رہنا محبت الٰہی عزوجل کی خواہشمندی کے لئے ہے اور اس میں استغفار کے معنی توبہ و رجوع کے ہیں، یقیناً اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزشتہ و آئندہ کی لغزشوں کی معافی کے مژدہ کے بعد فرمایا:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾

بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان مہاجرین اور انصار پر۔ (التوبہ:۱۱۷)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾

تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر:۳)

پندرہویں فصل

حقوق نبوت ورسالت ﷺ پر تنبیہات

اے پڑھنے والے ہماری اس بحث سے تم کو یقینا اچھی طرح حق ظاہر ہو گیا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ اس امر سے کلیۃ معصوم ہیں کہ آپ ﷺ ذات وصفات باری تعالی سے بے خبر ہوں یا آپ ﷺ کسی ایسی حالت پر ہوں جو کسی نہج سے علم کے منافی ہو،ان باتوں سے نبوت کے بعد آپ ﷺ کا پاک ہونا تو بدلیل عقل و اجماع اور نبوت سے پہلے بدلیل نقل وسمع ثابت ہے اور نہ امور شرعیہ میں سے جن کو آپ نے مقرر فرمایا اور بواسطہ وحی جسے آپ ﷺ نے اپنے رب عزوجل کی طرف سے پہنچایا آپ کا کسی ایسی حالت پر ہونا جائز ہے جو علم کے منافی ہے، یہ بدلائل قطعیہ عقلیہ اور شرعیہ ثابت ہیں۔

اور آپ ﷺ کذب و خلاف گوئی سے بھی بوقت اعطاء نبوت ورسالت قصد و بلا قصد ہر طرح معصوم ہیں اور بالاتفاق آپ ﷺ سے اس امر کا صادر ہونا شرعًا، اجماعًا، عقلا اور برہانا ہر طرح محال ہے اور آپ ﷺ کا قبل نبوت اس سے منزہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور کبائر سے پاک ہونا بطور اجماع اور صغائر سے منزہ ہونا بطور تحقیق ثابت ہے اور ان امور میں جنہیں آپ ﷺ نے امت کے لئے مشروع فرمایا ان پر دائمی سہو و غفلت اور استمرار غلط و نسیان سے معصوم ہیں اور آپ ﷺ ہر حالت خوشی و غضب اور مسرت و مزاح میں ایسی باتوں سے پاک ہیں۔

اب تم کو واجب و لازم ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو پوری قوت سے لازم پکڑو اور ان پر کامل مضبوطی سے عمل پیرا ہو، جیسا کہ کوئی بخیل کسی شے کو پکڑتا ہے اور چاہیئے کہ ان قصوں کی بڑی قدر کرو اور ان کے فوائد عظیمہ سے علم حاصل کرو اور جو ان کی لاعلمی سے خطرات و نقصانات ہیں ان سے بے خبر نہ رہو کیونکہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے حقوق واجبہ یا وہ جو جائز ہے یا وہ جو آپ ﷺ پر محال ہے ان سے غافل و جاہل ہے وہ آپ ﷺ کے احکام کی معرفت کر ہی نہیں سکتا اور وہ شخص خلاف واقع امور کے اعتقاد سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آپ ﷺ کو ان امور سے معصوم جان سکتا ہے جن کا کہ آپ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ کس طرف سے ہلاکت واقع ہوئی اور جہنم کے نچلے تاریک گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے حق میں باطل کا گمان کرنا اور اس شے کا گمان کرنا اور اس شے کا اعتقاد رکھنا جو آپ ﷺ پر ناجائز ہو ایسا اعتقاد رکھنے والا دَارُ الْبُوَارِ (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان دو شخصوں پر احتیاط فرمائی جو مسجد میں معتکف تھے اور انہوں نے آپ کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھا تھا آپ نے ان سے فرمایا: یہ صفیہ (رضی اللہ عنہا) ہے۔ اس کے بعد ان دونوں سے فرمایا: بیشک شیطان بنی آدم کے جسم میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے اور میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں تم قذف کے مرتکب نہ بن جاؤ اگر ایسا تمہارے دل میں واقع ہو گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (بخاری کتاب الاعتکاف جلد ۳ ص ۴۳، مسلم کتاب السلام جلد ۴ ص ۱۷۱۲)

اے قاری! اللہ عزوجل تمہیں عزت بخشے کہ ان فصلوں میں جو بحثیں ہم نے کی ہیں ان سے ایک تو فائدہ یہی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل اپنی لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانے اور انہیں سن کر کہنے لگے کہ ان امور میں گفتگو کرنا فضول اور بے فائدہ ہے اور خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حالانکہ اب تمہیں واضح ہو گیا ہو گا کہ ہم نے کن کن فوائد کے لئے ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں ان باتوں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے اور ان پر بکثرت ایسے مسائل موقوف ہوتے ہیں جنہیں فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ان کے سبب سے مسائل میں شور و شغب اور اختلاف فقہا رحمہم اللہ سے رو خلاصی ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ حکم حقیقۃً اقوال و افعال نبی کریم ﷺ ہی کا نام ہے، یہ ایک عظیم باب اور اصول فقہ کی بڑی اصل ہے جو اسی پر مبنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان امور میں جن کی آپ ﷺ خبریں دیں یا تبلیغ فرمائیں صادق جائیں اور مائیں اور یہ کہ ان امور میں سہو و نسیان کی نسبت آپ ﷺ پر جائز نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ عمداً افعال میں مخالفت کے صدور سے معصوم ہیں اور اختلاف علماء کے لحاظ سے وقوع صغائر مختلف فیہ ہے، اس طرح امتثال فعل میں اختلاف ہے، ان کی تفاصیل کتب اصول میں مذکور ہیں ہم اس سے کلام کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان فصلوں کی حکام اسلام اور مفتیان شرع کو اس شخص کے لئے ضرورت پڑتی ہے جو ان امور میں سے کسی امر کو نبی کریم ﷺ کی جانب نسبت کرے اور ان میں سے کسی کے ساتھ آپ ﷺ کو متّصف کرے، لہٰذا جو یہ نہیں جانتا کہ آپ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اور کس میں اجماع واقع ہے؟ اور کس میں اختلاف ہے؟ وہ کیونکر اطمینان قلب کے ساتھ اس میں فتویٰ دے سکتا ہے اور اسے یہ کہاں سے معلوم ہو گا کہ اس نے جو کہا اس میں نقص ہے یا مدح؟ لہٰذا ایسا نادان شخص یا تو اس پر جرات کرے گا کہ کسی مسلمان کی ناحق گردن مارے یا نبی کریم ﷺ کے حقوق و حرمت کی پائمالی کرے گا اور ارباب اصول اور ائمہ محققین نے جس طرح عصمت و حقوق انبیاء علیہم السلام میں اختلاف کیا ہے، اسی طرح عصمت ملائکہ میں بھی اختلاف واقع ہوئے۔

سولہویں فصل

عصمت ملائکہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کل ملائکہ مومن اور صاحب منزلت ہیں اور کئی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رسل ملائکہ کا حکم عصمت کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے مساوی ہے، جیسا کہ ہم نے ان کی عصمت کے بارے میں بیان کیا ہے اور یہ رسل ملائکہ انبیاء اور ان کی طرف تبلیغ احکام میں ویسے ہی ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ ہیں لیکن غیر رسل ملائکہ میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ معاصی سے معصوم ہیں۔

ان کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہ ہی کرتے ہیں۔ (التحریم:۶)

اور ارشاد ہے کہ:

﴿وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ(۱۶۴)وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ(۱۶۵)وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ(۱۶۶)﴾

اور ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔ (الصفت:۱۶۴تا۱۶۶)

اور ارشاد ہے کہ:

﴿وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ(۱۹) یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ(۲۰)﴾

اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ (الانبیا:۱۹۔۲۰)

اور ارشاد ہے کہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾

بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ (اعراف:۲۰۶)

اور ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ﴾ جو کرم والے نکوئی (نیکی، راستی) والے۔ (عبس:۱۶)

اور فرمایا: ﴿لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (الواقعہ:۷۹)

اور اسی قسم کے دیگر دلائل سمع سے استدلال کیا ہے۔

اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تمام خصوصیتیں رسل و مقربین ملائکہ کے لئے ہیں اور انہوں نے وہ دلائل بیان کئے ہیں جنہیں اہل سیر و اخبار اور مفسرین نے بیان کیا ہے عنقریب بعد کو انشاء اللہ عزوجل بیان کریں گے اور انشاء اللہ اس میں اور بھی وجوہات ظاہر کریں گے۔

مذہب صحیح و صواب یہی ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کا مرتبہ عالی ان تمام برائیوں سے پاک ہے جس سے کہ ان کے رتبہ عالیہ اور منزلت رفیعہ میں فرق آئے اور اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ فقیہ کو ان کی عصمت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی عصمت میں بحث کرنا بھی وہی فوائد رکھتا ہے جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں بجز ان کے افعال و اقوال میں گفتگو کرنے کے کیونکہ وہ یہاں ساقط ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے دلائل جو تمام ملائکہ کے لئے عصمت کے قائل نہیں ہیں ان میں سے ایک دلیل ہاروت و ماروت کا قصہ ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۳۳۴ تفسیر در منثور جلد ا صفحہ ۲۳۹-۲۳۸) جسے اس بارے میں اہل اخبار نے ذکر کیا اور مفسرین نے ان سے نقل کیا اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ان دونوں کی روایت میں ہے کہ دونوں فرشتوں کا امتحان لیا گیا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ عزوجل عزت بخشے کہ ان روایتوں میں کوئی روایت بھی صحیح ہو یا کمزور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہیں ہے اور نہ یہ ایسی چیز ہے جسے قیاس سے معلوم کیا جا سکے اور وہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور بعض علماء کے اقوال کی تنکیر کی ہے اور اکثر علماء سلف نے انکار کیا ہے، جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے اور یہ تمام خبریں کتب یہود اور ان کے اختراعات سے ماخوذ ہیں۔

جس طرح اللہ عزوجل نے یہودیوں کے اختراعات کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کئے ہیں اور بالخصوص یہودیوں کی تکفیر کو ابتدائے آیات میں بیان فرمایا ہے، یہ قصہ بڑی بڑی شناعتوں اور برائیوں پر مشتمل ہے، اب ہم اس قصہ میں ان اشکالات کو بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ عزوجل تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

چنانچہ پہلے تو ہاروت و ماروت میں ہی اختلاف ہے، آیا یہ فرشتے ہیں یا انسان اور آیت میں ملکین سے مراد وہ فرشتے ہیں یا نہیں اور کیا قرآت میں مَلَکَیْنِ ہے یا مَلِکَیْنِ (بمعنی دو بادشاہ) اور کیا آیہ کریمہ وما اُنزل اور ﴿ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ ﴾ (البقرہ ۱۰۲) میں ماء نافیہ ہے یا موجبہ؟

چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک تو یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے انسانوں کا دو فرشتوں کے ذریعہ امتحان لیا کہ وہ

جادو سکھائیں اور انہیں بتائیں اور کہیں کہ عمل کفر سے لہذا جو اسے سیکھے گا کافر ہو جائے گا اور جو اس سے باز رہے گا مؤمن ہو گا اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ: ﴿اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا تَكۡفُرۡ﴾

کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو۔ (البقرہ:۱۰۲)

اور ان دونوں کا لوگوں کو تعلیم دینا ڈرانا ہے یعنی جو بھی اسے طلب کرنے اور سیکھنے ان کے پاس آتا تھا، اس سے وہ دونوں کہتے ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوتی ہے، تو اس قسم کے خیال میں نہ پڑو کیونکہ یہ جادو ہے ایسا کر کے کافر نہ بنو۔

اس تقدیر پر تو ان دونوں فرشتوں کا عمل تو اطاعت الٰہی اور مامور بہ کو عمل میں لاتا ہے اور یہ معصیت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ دوسروں کے لئے فتنہ اور امتحان ہے، ابن وہب علیہ الرحمہ نے خالد بن ابی عمران علیہ الرحمہ سے روایت کی کہ ان کے سامنے ہاروت و ماروت کا تذکرہ ہوا کہ وہ جادو سکھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم ان دونوں کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔

اس پر کسی نے پڑھا کہ ﴿وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ﴾ (البقرہ:۱۰۲) تو خالد علیہ الرحمہ نے کہا کہ جادو ان پر نہیں اتارا گیا، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ خالد علیہ الرحمہ وہ ہیں جو بڑی جلالت علمی رکھتے ہیں، یہ بھی ان دونوں کو تعلیم سحر سے میرا خیال فرماتے ہیں حالانکہ ان کے سوا دیگر علماء ان دونوں کو تعلیم سحر کا ماذون گردانتے ہیں مگر بایں شرط کہ وہ دونوں یہ بھی بیان کر دیں کہ یہ کفر اور تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے ہے، اب یہ علماء کیونکر ان دونوں کو کبیرہ معاصی سے منزہ ہونا ثابت نہ کریں اور ان کفریات سے معصوم بتائیں جسے مؤرخین نے بیان کیا ہے اور فقیہ خالد علیہ الرحمہ کا مذکورہ قول لَمۡ يُنَزَّلۡ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ما نافیہ ہے، یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جسے مکی علیہ الرحمہ نے بیان کیا۔

تقدیر کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سحر سے متلوث بکفر نہیں ہے جسے ان کے ملک میں شیاطین اور اس کے پیرو کار یہود نے گھڑا تھا اور نہ فرشتوں پر کوئی شے اتاری گئی۔

مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے، جن پر یہود نے اس کے لانے کا ادعا (دعوی) کیا تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے دعوی کیا تھا جس کی اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں تکذیب فرمادی۔

﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾

ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔ (البقرہ:۱۰۲)

اور ہاروت و ماروت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مرد تھے جو جادو سکھاتے تھے اور حسن علیہ الرحمہ نے کہا کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ﴾ (البقرہ:۱۰۲) (لام کے زیر کے ساتھ) پڑھا، اس تقدیر پر لفظ "ما" ایجابی یعنی موصولہ ہوگا اور اسی طرح عبدالرحمن بن انبری علیہ الرحمہ کی قرات میں لام کے زیر کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہاں دو بادشاہ سے مراد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، اس تقدیر پر لفظ ما نافیہ ہوگا جیسا کہ گزرا اور ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بادشاہ تھے جنہیں اللہ عزوجل نے مسخ کر دیا، اسے سمرقندی علیہ الرحمہ نے بیان کیا اور لام کے زیر کے ساتھ قرات شازہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کو ابو محمد مکی علیہ الرحمہ کی تقریر پر محمول کرنا اچھا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تزیہ کرتے اور ان سے ہر برائی کو دور کرتے ہیں اور ان کے دامن عصمت کو خوب ستھرا بناتے ہیں، بلاشبہ اللہ عزوجل نے ان کی تعریف و توصیف میں مطھر ان اور كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (عبس:۱۶) اور لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (التحریم:۶) فرمایا ہے۔

اب رہی بات کہ ابلیس کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور ان کا سردار تھا اور یہ کہ وہ جنت کا خازن تھا اور وہ باتیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں کہ اس کو ملائکہ میں سے نکال دیا گیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ (البقرہ:۳۴)

تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے جس پر سب کا اتفاق نہیں ہے، بلکہ اکثر اس کی نفی کرتے ہیں کہ ابلیس جنات کا باپ تھا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں یہی حسن، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے، اور شہر بن حوشب علیہ السلام نے کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جسے فرشتوں نے زمین کی طرف بھگا دیا جبکہ انہوں نے فساد مچایا۔

اور آیت میں استغنا غیر جنس ہے جو کلام عرب میں شائع و ذائع ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ﴾

انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی۔ (النساء:۱۵۷)

اور وہ جو خبروں میں آیا ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی تب وہ جلا دیئے گئے کیونکہ انہیں حکم تھا کہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انہوں نے انکار کیا پس وہ جلا دیئے گئے (تفسیر ابن جریر جلد ا صفحہ ۱۸۰ سورۃ البقرہ آیت ۳۴) اسی طرح دوسرے یہاں تک کہ ان فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا)۔

تو یہ خبریں اس میں سے ہیں جن کی کوئی اصلیت واقعیت نہیں بلکہ صحیح روایتیں اس کو مردود کر رہی ہیں، ہم ان (فضولیات کی طرف) مشغول نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا باب

انبیا علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق

عوارض بشریہ

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام بشر میں سے ہیں اور یہ کہ ان کا جسم اور ظاہری حالت خالص بشری ہوتی ہے اور ان کے جسم و ظاہری حالت پر آفتیں ، تغیرات مصیبتیں اور بیماریاں پہنچنا جائز ہے اور یہ کہ انہیں ذائقہ موت بھی چکھنا ہوتا ہے، جس طرح دیگر انسانوں پر یہ تمام باتیں جائز ہیں باوجود اس کے یہ سب باتیں ان میں نقصان کا باعث نہیں۔

اس لئے کہ کسی چیز کا ناقص کہنا اس نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس سے اتم اور اس نوع میں زیادہ کامل ہو اور یقیناً اللہ عزوجل نے اس دنیا کے رہنے والوں کے لئے:

﴿قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾ (الاعراف:۲۵)

کے بموجب "فرمایا اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں موت واقع ہو گی اور اسی سے نکالے جاؤ گے" اور اللہ عزوجل نے ہر انسان کو تغیر پذیر بنایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیمار بھی ہوئے، گرمی سردی بھی لگی، بھوک و پیاس بھی معلوم ہوئی، غصہ و رنج بھی لاحق ہوا، تھکان و تکلیف بھی پہنچی، ضعف و کبر سنی بھی آئی، آپ ﷺ گھوڑے سے بھی گرے جس سے آپ ﷺ کا ایک پہلو زخمی ہوا (صحیح بخاری کتاب

الاذان جلد۱ ص ۱۱۲، مسلم کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۳۰۸)، کفار نے مجروح کیا، سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہوئے، زہر بھی پلایا گیا، جادو بھی کیا گیا، علاج بھی کیا (صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ ص ۱۰۸، مسلم کتاب السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۳۱)، پچھنے لگوائے (صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ ص ۱۱۳، مسلم کتاب السلام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۳) (جائز طریقہ پر) جھاڑ پھونک تعویذ (صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۳ ص ۲۶۷، سنن نسائی کتاب الاستعاذ و جلد ۸ صفحہ ۲۷۱) وغیرہ بھی ہوا پھر آپ ﷺ پر آخری وقت بھی آیا اور اپنی ظاہری مدت حیات پوری فرما کر رفیق اعلی سے ملے اور اس آزمائش و بلیات کی دنیا سے دستگاری پائی۔

یہ سب وہ بشری کیفیات اور علامتیں ہیں جن سے خلاصی نہیں ہو سکتی اور آپ کے سوا دیگر انبیا علیہم السلام کو اس سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچیں چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا، آگ میں بھی ڈالا گیا اور آرے سے بھی چیرا گیا اور کسی کو اللہ عزوجل نے اس سے بعض اوقات محفوظ بھی رکھا اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے غلبہ کفار کے وقت ان سے بچایا، چنانچہ اللہ عزوجل نے ہی ہمارے نبی ﷺ کو غلبہ کفار کے وقت ان سے بچایا، چنانچہ اللہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے دن ابن قمیہ کا ہاتھ روکا اور اہل طائف کی دعوت و تبلیغ کے وقت دشمنوں کی آنکھوں سے محجوب کیا اور یقینا اللہ عزوجل ہی نے بوقت ہجرت غار ثور کی طرف دیکھنے سے قریش کی آنکھوں کو پکڑ لیا تھا اور اسی نے غورث کی تلوار کے وار سے اور ابوجہل کے پتھر سے اور سراقہ کے گھوڑے سے روکا اور اگر آپ ابن اعصم کے جادو سے نہ بچے تو بلاشبہ اللہ عزوجل نے اس سے برے وقت یعنی یہودیہ کے زہر سے بچایا، اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام مبتلائے آلام کئے گئے اور بچایا بھی گیا۔

یہ اسی کی حکمت تامہ کی وجہ سے ہے تاکہ ایسے مواقع پر ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر اور اس کا حکم واقع ہو جائے اور ان میں سے اس کی بات پوری ہو جائے اور یہ کہ ان امتحانات سے ان کی بشریت تحقق

اور ثابت ہو جائے اور کمزور دلوں کے شبہات جو ان کے بارے میں ہوں جاتے رہیں تاکہ ان کے ہاتھوں پر جو عجائبات ظاہر ہوتے ہیں ان سے گمراہی میں نہ پڑ جائیں، جس طرح حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کی وجہ سے نصاری گمراہ ہوئے اور یہ کہ ان کے مشقت اٹھانے سے ان کی امت کے لئے تسلی ہو اور ان کے رب عزوجل کے حضور ان کا اجر بہت ہو، خدا کا احسان ان پر پورا ہو۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ مذکورہ خواص و تغیرات صرف ان کے اجسام بشریہ کے ساتھ ہی خاص تھے جن سے مشاکلت جنس کے سبب مقاومت بشر اور مخالطت بنی آدم مقصود ہے مگر ان کی باطنی حالت! تو وہ اکثر ان سے منزہ و معصوم اور ملاء اعلی اور ملائکہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملائکہ سے خبریں اور وحی لیتے ہیں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور ارشاد فرمایا علیہ السلام کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے میرا رب سلاتا، کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ میری سنت پر عمل کیا جائے"۔

گویا آپ ﷺ نے یہ خبر دی کہ آپ کا دل اور آپ ﷺ کا باطن اور آپ ﷺ کی روح، آپ ﷺ کے جسم اور ظاہری حالت کے خلاف ہے اور جو آفتیں بھی آپ ﷺ کو پہنچتی ہیں وہ آپ ﷺ کے ظاہری جسم پر ہوتی ہیں، مثلاً ضعف، بھوک، بیداری اور نیند وغیرہ جبکہ وہ آپ ﷺ کے باطن پر قطعاً اثر نہیں ہوتا، بخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے کہ وہ حکم باطن میں آپ ﷺ سے جدا ہیں، اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا سوتا ہے تو نینداس کے جسم اور دل پر بھی غالب ہوتی ہے، حالانکہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حاضر القلب رہتے جس طرح اپنی بیداری میں ہوتے تھے، یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حدث سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو ان کا جسم کمزور اور ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے باعث ان کی ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ آپ ﷺ کی ایسی حالت نہ ہوتی آپ ﷺ کی حالت دوسروں کے برعکس ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں سوتا ہوں تو میرا رب عزوجل مجھے کھلاتا پلاتا ہے اس طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی تمام حالتیں ایسی ہی میں خواہ وہ مرض ہو یا جادو یا غصہ وغیرہ وہ آپ ﷺ کی باطنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہی نہ تھیں اور نہ کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور نہ اس سے غیر مناسب صورت میں آپ ﷺ کی زبان اور اعضاء میں نقصان آتا تھا جس طرح دوسرے لوگوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جسے ہم بعد میں بیان کرتے ہیں۔

پہلی فصل

آپ ﷺ پر جادو کا اثر

اب اگر تم یہ کہو کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالا ستاد مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کچھ نہ کیا ہوتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ کسی بی بی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوئے تھے (آخر حدیث تک) جب مسحور کی یہ حالت ہے کہ اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا حال ہے، ایسی کیفیت آپ ﷺ پر کیسے طاری ہو سکتی ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں اور تمہیں محفوظ رکھے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے، بلاشبہ اس میں ملاحدہ نے طعن کیا ہے اور اپنی حماقت و تلبیس سے اس کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں پر شریعت میں شک ڈالنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے حالانکہ بلاشبہ اللہ عزوجل نے اپنی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک و منزہ رکھا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذات و صفات میں کسی قسم کا شک و شبہ ڈالے در حقیقت جادو بھی دیگر امراض کی مانند ایک مرض ہے یہ بھی اسی طرح آپ ﷺ پر ممکن ہے جس طرح دیگر امراض و عوارض، جن سے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی انکار و قدح لازم نہیں آتا۔

اب رہی وہ بات جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا، تو اس سے آپ ﷺ پر کسی امر میں کوئی قدح لازم نہیں آتا نہ آپ ﷺ کی تبلیغ میں، نہ آپ ﷺ کی شریعت میں اور نہ آپ ﷺ کی صداقت میں، کیونکہ یہ امر دلائل اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں بلکہ یہ باتیں تو آپ ﷺ کے ان دنیاوی امور سے متعلق ہیں جن کا صدور آپ ﷺ پر جائز ہے جس کے لئے آپ ﷺ پر بھی اسی طرح عوارض پیش آتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو لہذا یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر دنیاوی امور میں ایسا خیال ہوتا ہو جن کی حقیقت نہ ہو، اس کے بعد آپ ﷺ پر وہ روشن ہو جاتا ہو جیسا کچھ بھی ہو۔

نیز اس فصل کی دوسری حدیث نے ان لفظوں میں تفسیر کی ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ اپنی کسی بی بی کے پاس ہو کر آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہ لے جاتے، چنانچہ سفیان نے کہا: یہ جادو کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور کسی روایت میں آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سحر کی حالت میں بھی کوئی ایسی خلاف بات کی ہو یا کہی ہو جسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا ہو یا کیا ہو یہ تو صرف خدشات و تخیلات ہی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روایت کے الفاظ کہ آپ ﷺ کو خیال ہو جاتا یہ کام کیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا، تو اس سے مراد تخیل ہے، یعنی صرف تخیل ہی تخیل ہوتا تھا اس کی صحت پر اعتماد تام نہ ہوتا تھا پس آپ ﷺ کے تمام اعتقادات درستی پر ہی قائم رہتے تھے آپ ﷺ کے ارشادات صحت پر۔

یہ وہ موقف ہے جسے ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے جواب میں اختیار فرمایا، اس کے ساتھ جو ہم نے ان کے کلام کے معنی کی وضاحت کی ہے اور وہ ان کے اشارات کی تشریح و توضیح کی ہے وہ زیادہ ہے

اور ان کی ہر وجہ ظاہر و روشن ہے لیکن مجھے جو اس حدیث کی تاویل میں ظاہر ہوا ہے وہ بہت روشن اور گمراہوں کے مطاعن سے بہت بعید ہے اور وہ نفس حدیث ہی سے مستفاد ہے وہ یہ کہ عبدالرزاق علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ان دونوں نے کہا کہ یہود بنی رزیق نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر کے کنویں میں دبا دیا، یہاں تک کہ قریب تھا رسول اللہ ﷺ اپنی بصارت کا انکار فرمادیں تب اللہ عزوجل نے یہودیوں کے کرتوتوں کی رہنمائی فرمائی اس پر آپ ﷺ نے کنویں سے اس کو نکلوایا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴)

اسی طرح واقدی، عبدالرحمن بن کعب اور عمر بن حکم رحمہم اللہ سے مروی ہے اور عطاء خراسانی علیہ الرحمہ یحیی بن یعمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال روکے گئے، اس دوران میں جب آپ سوتے تو دو فرشتے آتے ایک سرہانے اور دوسرا پائینتی بیٹھ جاتا (الحدیث) عبدالرزاق علیہ الرحمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک روکے گئے یہاں تک کہ آپ نے ضعف بصر کا شکوہ کیا اور محمد بن سعد علیہ الرحمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ بیویوں اور کھانے پینے سے روکے گئے تو آپ ﷺ پر دو فرشتے اترے اور پورا قصہ بیان کیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳۸)

لہذا اب تمہیں ان تمام روایتوں کے مضمون سے پتہ چل گیا ہو گا کہ جادو نے آپ کے قلب، اعتقاد اور عقل پر تسلط نہ کیا تھا اور یہ اثر بھی صرف آپ کی بینائی اور آپ کو بیویوں سے روکنے اور کھانے پینے اور ضعف بدن اور مرض میں تھا، (کہ آپ اس کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے) اور ہو سکتا ہے کہ

اس قول کے یعنی یہ کہ "آپ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی بیوی کے پاس سے ہو آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے"، یہ معنی ہوں کہ آپ پر وہ چیز ظاہر ہوتی ہو جو اس کے سرور اور مقدمات، قدرت علی النساء وغیرہ میں ہو، پس جب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کا ارادہ فرماتے ہوں تو وہ چیز در پیش آجاتی ہو جو گھر کا اثر ہے، تب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کی طاقت جسمانی نہ پاتے ہوں، جیسا کہ ایسے دوسروں کو جو اس میں ماخوذ ہوں لاحق ہوتا ہے۔

شاید کہ اس معنی کی طرف سفیان رضی اللہ عنہ کا اشارہ ہے کہ یہ سحر کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور دوسری روایت میں جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ نے یہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا، یہ از باب اختلال بصر ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کو دیکھا ہے یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہے، حالانکہ آپ کا یہ خیال محض ضعف بصر کے سبب تھا اور نہ اس سبب سے کہ (معاذ اللہ) آپ کو فرق ہی نہ رہا اور جبکہ یہ باتیں سحر کے اثر کی وجہ سے رونما ہوئیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ پر کوئی شک و شبہ وارد ہو سکے اور کسی ملحد کے لئے جائے اعتراض بن سکے۔ (واللہ اعلم)

دوسری فصل

دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت

یہ حالت تو آپ ﷺ کے جسم اقدس کی تھی اب رہے دنیاوی امور میں آپ کے احوال! تو اب ہم ان کا بھی اسلوب سابق کی مانند موازنہ کرتے ہیں یعنی (۱) عقد و (۲) قول اور (۳) فعل کے ساتھ۔

(۱) سوان میں سے عقیدے کی تو یہ صورت ہے کہ ممکن ہے کہ کسی امر دنیاوی میں من وجہ آپ ایسا اعتقاد رکھتے ہوں جس کے برعکس ظاہر ہو جائے یا کسی امر دنیاوی میں شک و گمان ہو۔

بخلاف امور شرعیہ کے (کہ ان میں یہ محال ہے) جیسا کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں کی تابیر (نر و مادہ کا باہم ملاپ) کرتے تھے، آپ نے فرمایا: تم یہ کیا کرتے ہو، عرض کیا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں، فرمایا: کاش تم اگر ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے بہتر تھا، اس پر انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا، (اس سال) پھل کم لگے، اس کا پھر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔

فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں جب تم کو کوئی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو ایک بشر ہی ہوں (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۵) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا: ''تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ جانتے ہو۔'' (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۷) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے تو گمان سے کہا تھا لہذا میرے گمان کی پیروی نہ کرو (صحیح مسلم

کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۶) اور قصہ خرص (انگوروں اور کھجوروں کے جانچنے کے بارے میں) کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں پس جو بات اللہ عزوجل کی جانب سے کہوں وہ تو حق ہے اور جو بات اپنی طرف سے کہوں تو میں تو ایسا بشر ہی ہوں جس سے خطا صواب بھی صادر ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۶۸)

یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیاوی امور میں دنیاوی امور کے پیش نظر اپنی طرف سے یا اپنے گمان سے فرمایا ہے نہ یہ کہ شرعی امور میں مشروع و مسنون کرنے کے لئے اپنی طرف سے یا اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو، (جس کی پیروی فرض ہو) جیسا کہ ابن اسحاق علیہ الرحمہ حکایت کرتے ہیں کہ جب حضور نے بدر کے دن کنویں سے دور پڑاؤ ڈالا تو حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اترنے کا حکم فرمایا، جس سے آگے ہم بڑھ نہیں سکتے یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اور لڑائی اور حیلہ کی بنا پر ہے، فرمایا: نہیں بلکہ میں اپنی رائے، لڑائی اور حیلہ ہے۔

عرض کیا: تب تو یہ مقام پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں یہاں تک کہ ہم قوم کے پانی کے قریب پہنچیں اور وہاں پڑاؤ کریں اور اپنے کنویں کے سوا باقی کنوؤں کو بند کر دیں تا کہ ہم تو پانی پیئیں اور وہ لوگ نہ پی سکیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے درست مشورہ دیا اور جو انہوں نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔ (پ آل عمران: ۱۵۹) (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۵)

(اسی طرح) اپنے بعض دشمنان دین سے تہائی مدینہ کی کھجور پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اور انصار سے مشورہ لیا، جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا۔ (مجمع

الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۳۲) اسی قسم کے دنیاوی امور تھے جس میں علم دین کو کچھ دخل نہ تھا نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ اس کی تعلیم میں۔

لہذا جو کچھ ہم نے بیان کیا امور دنیاوی میں انکا اطلاق آپ پر جائز ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی نقصان ہے نہ کمی، یہ سب ان امور عادیہ میں سے ہیں جس نے اس کا تجربہ کیا اور اپنی صلاحیتیں اور کوششیں اس پر صرف کیں وہی جان سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قلب اطہر تو معرفت الہی اور علوم شرعیہ سے معمور اور اپنی امت کے مصالح دینی و دنیوی سے آپ کا دل مشغول تھا پھر بھی ایسی باتیں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف انہیں معاملات دنیاوی میں خصوصیت کے ساتھ ہے جس میں دنیا کی حفاظت اور اس کے فوائد میں موشگافیاں ہیں۔

اکثر امور میں ایسی صورت نہیں ہے جس سے آپ کی ناواقفیت اور غفلت پائی جائے، بلاشبہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے دقیق معاملات و مصالح دنیاوی اور دنیاداروں کے فرقوں پر حکومت کرنے کی معرفت میں وہ باتیں فرمائی ہیں جو ایک بشر میں ایسا ہونا معجزہ ہے جسے ہم نے اس کتاب کے باب المعجزات میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

تیسری فصل

بشری احکام و معتقدات

اب رہے وہ بشری احکام اور ان کے فیصلہ جات کو جو آپ ﷺ کے دست اقدس سے جاری ہوئے اور حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کی معرفت میں آپ کے اعتقاد کا وہی طریقہ تھا جسے خود آپ نے ہی فرمایا کہ میں تو ایک بشر ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے سے تیز ہو، پس میں اسی کے مطابق جیسا کہ سنوں فیصلہ کر دوں اور جس کے لئے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو (خبر دار) اس میں سے اس کو کچھ لینا نہ چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں گا۔

حدیث: سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروایت زہری علیہ الرحمہ از عروہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ شاید کہ کوئی تم میں سے دوسرے سے زیادہ بلیغ ہو پس میں گمان کرلوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۴ ص ۱۲، بخاری جلد ص ۲، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ ص ۱۳۳۱)

حضور اکرم ﷺ ظاہری حال پر احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ظن غالب اور گواہ کی شہادت اور قسم کھانے والے کی قسم کے بموجب حکم فرماتے اور مشابہت توجہ کی رعایت کرتے، چمڑے کے برتنوں کی بندش کی معرفت سے حکم لگایا کرتے تھے، ساتھ ہی اس میں حکمت الہیہ کا

بھی یہی اقتضاء ہوتا تھا کیونکہ اللہ عزوجل اگر چاہتا تو اپنے بندوں کے بھیدوں اور حضور کی امت کے دلوں کے خفیہ امور پر آپ کو اطلاع بخش دیتا اور محض آپ ﷺ اپنے علم و یقین سے حکم لگا دیا کرتے، اعتراف یا ثبوت یا قسم وغیرہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن جبکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اتباع واقتداء کا آپ ﷺ کے افعال واحوال اور قصایا و سیرت میں حکم فرمایا ہے اور اگر یہ بات آپ کے علم پر مخصوص ہوتی اور اللہ عزوجل آپ ﷺ کے علم کو اثر انداز فرماتا تو آپ ﷺ کی امت کے لئے اسی طرح کے قضایہ جات اور فیصلہ مقدمات میں کوئی صورت اقتداء کی ممکن ہی نہ تھی اور نہ ممکن تھا آپ کی شریعت میں کسی کے لئے فیصلہ مقدمات میں ثبوت قطعی قائم ہو سکے۔

اس لئے کہ ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر فیصلہ مقدمات میں اللہ عزوجل کی حکمت کیسے ظاہر ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ ان غیوبات میں سے جس قدر چاہتا ہے اطلاع بخشتا ہے اور ان غیوبات کی تعلیم ہر امتی کو نہیں دی گئی (مگر بواسطہ نبی خاصان خدا پر یہ غیوب منکشف ہو جاتے ہیں۔ مترجم) اس لئے اللہ عزوجل نے احکام کو ان کے ظواہر پر جاری کرایا جس میں آپ اور آپ کی امت برابر ہے تاکہ آپ کی امت تعیین مقدمات اور آپ کے احکام کے نفاذ میں آپ کی پوری پیروی کر سکے اور جو کچھ بھی فیصلہ مقدمات کریں وہ سنت کے مطابق اپنے علم و یقین کے ساتھ کریں اس لئے کہ بیان فعل قول سے زیادہ وقیع اور احتمال لفظ اور تاویل مُتَاوّل سے زیادہ بلند ہے کیونکہ ظاہر پر آپ ﷺ کا حکم کرنا بیان سے زیادہ روشن اور وجوہ احکام میں زیادہ واضح اور اکثر تخالف و تنازع کے اسباب میں زیادہ مفید ہے۔

اور ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ﷺ کی امت کے حکام اس کے مطابق پیروی کریں اور جو آپ سے منقول ہو اس پر اعتماد کریں تاکہ آپ کی شریعت کا قانون مرتب اور منضبط ہو، اس بنا پر آپ سے دو

علوم غیبیہ مخفی رکھے گئے جو عالم الغیب (اللہ عزوجل) کے ساتھ خاص ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا (٢٦) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (الجن: ۲۷-۲۶)

پس اس رسول کو غیب میں سے جتنا چاہتا ہے بتاتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے، لہٰذا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی نقصان نہیں آتا اور نہ آپ کی عصمت میں سے کوئی حصہ کم ہوتا ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال

لیکن آپ ﷺ کے وہ دنیاوی اقوال جو آپ ﷺ نے اپنے اور دوسروں کے احوال میں ارشاد فرمائے جسے آپ زمانہ آئندہ میں کریں گے یا گزشتہ میں کر چکے ہیں، سواسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی خلاف گوئی ہر حال میں آپ سے محال ہے خواہ وہ قصداً ہو یا سہواً صحت میں ہو یا مرض میں خوشی میں ہو یا غصہ میں بہر طور آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں۔

یہ صورت توان اقوال میں ہے جو بطریق خبر محض ہیں جن میں صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں کا دخل ہے لیکن وہ ارشادات جن میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ بظاہر اپنے باطن کے خلاف ہے تو آپ ﷺ سے امور دنیاوی میں اس کا صدور جائز ہے، خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو، مثلاً آپ ﷺ غزوات میں توریہ فرماتے (اور اپنے مخفی ارادہ کو پوشیدہ رکھتے) تاکہ دشمن مطلع ہو کر بچاؤ کی تیاری نہ کرے اور جیسا کہ آپ ﷺ کی خوش طبعی کی نسبت مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کی خوشی اور مسلمانوں کے دلوں کی رضاجوئی کے لئے تاکہ ان کی محبت اور باہمی مسرت میں مزید استحکام پیدا ہو۔

جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں ضرور تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا (سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۳۱، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۷۰) اور اس عورت کے بارے میں جس نے آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں پوچھا تھا ارشاد ہے کہ کیا وہ وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے

(ابن ابی دنیا کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۲۳۳) حالانکہ حقیقۃً یہ سب باتیں سچی ہیں کیونکہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے اور ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں خوش طبع تو ضرور ہوں مگر سچ فرمایا کرتا ہوں (سنن ترندی کتاب البر جلد ۳ ص ۱۳۱ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۷ ج ۹ ص ۱۷) یہ تمام باتیں خبر ہی کی اقسام میں سے ہیں۔

لیکن وہ باتیں جو خبر کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ امور دنیا میں امر ونہی کی صورت رکھتی ہیں تو اس میں بھی خلاف کوئی آپ ﷺ سے صحیح نہیں اور آپ پر یہ جائز ہی نہیں کہ آپ کسی کو کوئی ایسا حکم دیں یا اس سے روکیں جس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔

بلا شبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت (سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۱۰۲، ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ۳ ص ۱۳۳، کتاب الحدود جلد صفحہ ۵۴۸) کرے تو اب کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ دل کی خیانت کریں۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ:

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ﴾

اور اے محبوب! یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے۔ (الاحزاب: ۳۷)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ اس لفظ کی ظاہر کیفیت سے حضور ﷺ کی تنزیہ و پاکی میں ہرگز شک نہ کرنا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو توروکنے کا حکم فرمایا اور دل سے آپ اس کی طلاق کے خواہاں تھے جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح وہ بات

ہے جسے مفسرین نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کی حالت کو زیادہ جانتا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ سے اپنی بیوی کا شکوہ کیا تو ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو (احزاب: ۳۷) اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں اسے مخفی رکھا جس کی اطلاع اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو دی تھی کہ بہت جلد آپ ﷺ اس سے نکاح فرمائیں گے جسے اللہ عزوجل ظاہر فرمائے گا کہ زید نے ان کو طلاق دیں گے اور آپ ﷺ انہیں اپنے حبالہ عقد میں لائیں گے۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۶۱۵، الاحزاب: ۳۷)

اس کے مثل عمر بن فائد علیہ الرحمہ نے زہری علیہ الرحمہ سے روایت کی، کہا کہ نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور بتایا کہ اللہ عزوجل زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں لائے گا، پس یہی وہ چیز ہے جسے آپ نے اپنے دل میں مخفی رکھا، مفسرین کے اس قول کی صحیح اللہ عزوجل کا یہ فرمان کر رہا ہے جو اس کے بعد وارد ہے کہ:

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا۔ (الاحزاب: ۳۷)

یعنی آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمائیں اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے اور کسی معاملہ کو ظاہر نہیں فرمایا بجز تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے، تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اس چیز کو حضور ﷺ نے مخفی رکھا جس کی اطلاع (پہلے ہی) اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو دی تھی اور اسی قصہ میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ﴾

نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمائی۔ (الاحزاب: ۳۸)

پس یہ دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے، طبری علیہ الرحمہ نے کہا: اللہ عزوجل ایسا نہیں کہ اپنے نبی کو اس میں جو آپ ﷺ کے لئے حلال تھا گنہگار کر دے، جس کو آپ ﷺ سے پہلے رسول بھی کرتے چلے آئے ہوں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾

اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے۔ (الاحزاب:۳۸)

یعنی یہ نبیوں کی ایسی سنت ہے جسے اللہ عزوجل نے ان کے لئے حلال فرمایا تھا اور اگر وہ بات ہوتی جو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کو وہ بھلی معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہاں تھے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۶۱۷، الاحزاب ۳۷) تو یقیناً یہ بات بڑے عیب کی تھی اور یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرف نگاہ مبارک اٹھائیں جس کی ممانعت فرمادی گئی تھی یعنی دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی طرف نظر فرمائیں اور یقیناً یہ بات حسد کی بنا پر ہوتی جو کہ بری ہے جسے متقی لوگ بھی کبھی اسے پسند نہیں کرتے، چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اختیار کریں۔

اور قشیری علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ عزوجل کی طرف ایسے قول کی نسبت بھی بہت بڑی جرات اور آپ ﷺ کے حقوق اور آپ ﷺ کی فضیلت کی قلت معرفت کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت سے ہی برابر آپ دیکھتے رہے ہیں اور نہ یہ سبب بھی صحیح ہے کہ عورتیں آپ ﷺ سے پردہ کرتی ہوں، حالانکہ آپ ﷺ ہی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرایا اور اب اللہ

عزوجل نے زید رضی اللہ عنہ سے طلاق دلوائی اور وہی آپ ان کے حبالہ عقد میں لایا۔

اس قصہ میں یہ خاص حکمت الٰہی ہے کہ اس طرح پر متبنّٰی حرمت کا ازالہ اور زمانہ جاہلیت کی رسموں کا ابطال ہو جائے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ (احزاب:۴۰)

اور فرمایا: ﴿لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ﴾

کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے۔ (الاحزاب:۳۷)

اسی طرح ابن فورک علیہ الرحمہ سے بھی مروی ہے اور ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا فائدہ تھا کہ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ انہیں روکے رکھو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بیوی بننے والی ہے، پس نبی کریم ﷺ نے ان کو طلاق دینے سے باز رکھا اس لئے کہ ان دونوں کے مابین کوئی الفت نہ تھی اور اپنے دل میں اس اعلام الٰہی کو پوشیدہ رکھا، جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو لوگوں کی اس چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ (دیکھو) اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، اس پر اللہ عزوجل نے ان سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی امت کے لئے اس قسم کے نکاح مبارک بن جائیں، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ﴾ کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے۔ (الاحزاب:۳۷)

اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو روکے رکھنے کا حکم فرمانا اس لئے تھا کہ

شہوت کو روکیں اور نفس کو اس کی خواہش سے محفوظ رکھیں، یہ بات بھی اس قدر درست ہو سکتی تھی جبکہ ہم آپ ﷺ پر یہ جائز رکھیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اچانک دیکھ کر پسند فرما لیا، اس قدر کہنے کا کوئی انکار نہیں اس لئے کہ انسان طبعاً حسن کو پسند کرتا ہے اور اچانک نظر پڑ جانا بھی معاف ہے، پھر اپنے دل کو اس سے دور کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کے روکنے کا حکم دیا۔

البتہ انکار ان زیادتیوں کا ہے جو اس قصہ میں ہیں اور سب سے بہتر اور معتمد وہ روایت ہے جسے ہم نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور سمرقندی علیہ الرحمہ نے اسے نقل کیا ہے یہی قول ابن عطاء علیہ الرحمہ کا ہے اس کو قشیری علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر ابوبکر بن فورک علیہ الرحمہ کا بھی اعتماد ہے اور کہا کہ محققین مفسرین کے نزدیک یہی معنی درست ہیں۔

ابن فورک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس میں نفاق کے استعمال اور ما فی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور یقیناً اللہ عزوجل نے اس سے آپ ﷺ کو منزہ رکھا کیونکہ اس کا ارشاد ہے: ﴿لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ﴾: نبی پر کوئی حرج نہیں۔ (الاحزاب:۳۸)

اور یہ بھی ابن فورک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسا گمان کیا یقیناً اس نے غلطی اور خطا کی اور کہا کہ حدیث میں لفظ خَشْیَةً کے معنی یہاں خوف کے نہیں ہیں بلکہ حیاء کے ہیں، اس کے معنی حیا کرنے کے ہیں، یعنی آپ ﷺ کو ان کی ان چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اور آپ کا یہ شرم کرنا منافقین اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر تھا کہ وہ مسلمانوں پر آوازے کستے تھے کہ دیکھو اپنی بہوؤں سے نکاح کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد خود بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا جیسا کچھ بھی شور مچایا۔

اس پر اللہ عزوجل نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی بکواس کی طرف توجہ فرمانے سے آپ ﷺ

کو منزہ کر دیا کیونکہ یہ آپ ﷺ کے لئے اللہ عزوجل ہی کا حلال کردہ ہے جیسا کہ اس وقت آپ ﷺ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا، سورہ تحریم میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ﴾

اے غیب بتانے والے (نبی) تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی۔(التحریم:۱)

اسی طرح اللہ عزوجل کا یہاں یہ بیان فرمانا ہے کہ:

﴿وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ﴾

اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔(الاحزاب:۳۷)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (بالفرض) اگر رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو چھپاتے تو یقینا اس آیت کو چھپاتے کیونکہ اس میں اللہ عزوجل کی اس بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے جسے آپ ﷺ نے مخفی رکھا تھا۔(واللہ اعلم)

پانچویں فصل

بیان حدیث قرطاس (وصیت)

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو اقوال اور تمام احوال میں معصوم ہونا ثابت کر دیا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ سے خلاف گوئی اور اضطراب کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً خواہ صحت میں ہو یا بیماری میں خواہ جھگڑے میں ہو یا خوش طبعی میں خواہ مسرت وانبساط میں ہو یا غصہ میں کسی حال میں جائز نہیں ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں جو آپ ﷺ کی وصیت کے بارے میں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کیا گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت کچھ لوگ آپ کے کاشانہ اقدس میں موجود تھے، ان سے آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو، اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ کیفیت شدت الم کی ہے (صحیح بخاری مرض النبی ﷺ وفات النبی جلد ا صفحہ ۹، صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۳۵۹)، (آخر حدیث تک) دوسری روایت میں ہے کہ لاؤ میں ایک وثیقہ لکھ دوں تاکہ میرے بعد ہرگز گمراہی میں نہ پڑو پھر وہ باہم جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے (دیکھتے نہیں) کہ حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہے کیا یہ شدت الم ہے؟ آپ ﷺ کی حالت کو سمجھو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس حالت میں بھی ہوں بہتر ہوں اور بعض سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ شدت مرض میں مبتلا تھے اور ایک روایت میں ھَجَرَ دوسری میں اَھَجَرَ اور اَھُجْرٌ مروی ہے اور

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پر درد کی شدت ہے کیوں کتابت کی حضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہو حالانکہ ہمارے پاس اللہ عزوجل کی کتاب کفایت کرنے والی موجود ہے اور شور بڑھ گیا، اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ اور ایک روایت میں کہ گھر والے مختلف ہو کر جھگڑنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ (کاتب کو قریب کرو) تاکہ رسول اللہ ﷺ وثیقہ تحریر کرادیں اور کسی نے وہ کیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ امراض سے معصوم نہ تھے اور عوارضات مرض میں شدت الم بھی ہے اسی طرح نیروہ چیز جو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر پہنچے آپ ﷺ اس سے بھی معصوم نہ تھے البتہ آپ ﷺ اس سے ضرور معصوم تھے کہ اثنائے مرض میں آپ ﷺ کے کلام میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو آپ ﷺ کے معجزے میں خلل انداز ہو یا آپ ﷺ کی شریعت میں فساد کی مقتضی ہو، جیسے ہذیان یا اختلال کلام وغیرہ (آپ ان سے ضرور معصوم تھے)

علی ہذا القیاس یہ بھی صحیح نہیں جو ظاہر روایت میں جس نے هَجَرَ نقل کیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہذیان کے میں جیسے مقولہ ہے هَجَرَ هَجْرًا إِذَا هَذَى اور یہ کہ اَهْجَرَ هَجْرًا إِذَا فَحَشَ اور اَهْجَرَ هَجَرَ کا متعدّی صیغہ ہے، البتہ سب سے زیادہ صحیح اور بہتر اَهْجَرَ بطریق استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ یہ اس شخص پر انکار ہے جس نے کہا نہیں لکھتے، اسی طرح ہماری اس روایت کے مطابق صحیح بخاری میں تمام روایتوں سے پہلے زہری علیہ الرحمہ کی حدیث اور محمد بن سلام علیہ الرحمہ از ابن عیینہ علیہ الرحمہ کی حدیث مذکور ہے، اسی طرح اسے اصیلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں مرتب کیا اور دوسروں نے بھی اسی طریق پر نقل کیا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو مسلم علیہ الرحمہ سے سفیان علیہ الرحمہ اور دوسروں کی حدیث میں روایت کیا

اور اسی روایت پر اس شخص کی روایت کو بھی محمول کیا جائے جس نے ہمزہ استفہام کو حذف کر کے صرف هَجَرَ کو اَهَجَرَ کی جگہ نقل کیا ہے یا یہ کہ قائل کے اس قول کو یعنی هَجَرَ یا اَهَجَرَ کو اس پر محمول کیا جائے کہ شدت مرض اور تکلیف رسول اللہ ﷺ کو اور اس مقام کے سبب جس میں کہ آپ ﷺ پر اختلاف کیا گیا تھا اور جس کے باعث آپ ﷺ نے قصد کتابت فرمائی تھی قائل مذکورہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ لفظوں کو بھی ضبط و محفوظ نہ رکھ سکا اور شدت الم کی جگہ وہ لفظ هَجَرَ بمعنی ہذیان کہہ گیا، اس وجہ میں نہیں کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ (معاذاللہ) آپ ﷺ پر ہذیان کا حمل کرنا جائز ہے، جس طرح کہ کمال محبت و شفقت میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی، حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (المائدہ:۶۷)، اس کے مثل اور بھی صورتیں ہیں۔

لیکن وہ روایت جس میں اَهَجَرًا ہے وہ روایت ابو اسحاق مستملی علیہ الرحمہ سے صحیح بخاری میں ہے، اس حدیث کو ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت قُتَیبہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اختلاف کیا اور یہ باہم ایک دوسرے کو خطاب ہو مطلب یہ کہ ابھی سے تم رسول اللہ ﷺ کے روبرو ایسی بات لے آئے ہو جو بری اور چھوڑنے کے قابل ہے اور هُجر ہاء کے پیش کے ساتھ بمعنی کلام میں برائی کے ہیں۔

اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تم سامان کتابت لاؤ تو پھر انہوں نے کیوں اختلاف کیا؟

چنانچہ علماء نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے احکام کی کئی نوعیتیں ہوتی تھیں بعض واجب، بعض مستحب اور مباح اور یہ بات قرائن سے سمجھی جاتی تھی، شاید کہ یہاں بھی حضور ﷺ کے اس حکم کو کسی قرینہ

سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مصمم نہیں ہے (یعنی حکم وجوبی نہیں) بلکہ آپ ﷺ کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے اختیاری ہے (یعنی مستحب یا مباح ہو) اور ممکن ہے بعض نے اسے سمجھا ہی نہ ہو، اس پر کسی نے کہا: آپ ﷺ سے دریافت کر لو، پس جب لوگوں کا اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ اس سے رک گئے کیونکہ یہ عزم مصمم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صائب ہے، اس کے بعد علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منع کرنا حضور ﷺ کی محبت و شفقت کی بنا پر ہو کہ ایسی شدت مرض کی حالت میں وثیقہ لکھوانے کی زحمت دینا آپ ﷺ کو اس سے مزید مشقت و تکلیف ہو گی، جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (دیکھتے نہیں) نبی کریم ﷺ کیسا شدت الم ہے اور بعضوں کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حضور ﷺ ایسا حکم تحریر نہ فرما دیں جس سے امت عاجز رہے اور مخالفت کے ذریعہ حرج میں پڑ جائے اور یہ خیال کیا ہو کہ امت کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان کے لئے اجتہاد، غور و فکر اور اس صواب کی جستجو جس کے صواب و خطا میں بھی اجر ہے وسعت باقی رہے اور یقیناً یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ شریعت اور ملت کی اساس مقرر ہو چکی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ (المائدہ:۳)

اور یہ کہ حضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ میں تم کو کتاب الٰہی اور اپنی عترت کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہو (طبرانی کما فی مناہل الصفا وللسیوطی ص ۲۳۵)، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ قول کہ حَسْبُنَا كِتَابَ اللّٰهِ یعنی ہمیں کتاب الٰہی کافی ہے، سو یہ اس کا جواب ہے جس نے آپ ﷺ سے نزاع کیا نہ

یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم وارشاد کی مخالفت ہے اور قول یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ طعنہ زنی نہ کرنے لگیں کہ یہ وثیقہ تنہائی میں گھڑ لیا گیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں جیسا کہ روافض نے وصیت وغیرہ کا من گھڑت دعوی کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ علم نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے لئے بطریق مشورہ واختیار تھا آیا وہ سب اتفاق کرتے ہیں یا اس سے اختلاف، پس جب ان سے اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے یہ ترک فرمایا، ایک اور جماعت اس حدیث کے معنی میں یہ کہتی ہے کہ دراصل نبی کریم ﷺ تو ان کی استدعا کو قبول فرمانے والے تھے چونکہ وہ آپ سے ایسے وثیقے کے خواہشمند تھے نہ یہ کہ شروع ہی میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا بلکہ آپ سب سے بعض صحابہ علیہم الرضوان نے ایسی استدعا کی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی خواہش قبول فرمائی لیکن دیگر اصحاب نے اس استدعا کو ان وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اس جماعت نے اس قصہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا جو انہوں نے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو بس اگر امر ہمارے لئے ہے تو ہم جان لیں گے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند رکھا انکا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا (آخر حدیث تک) (بخاری باب مرض النبی ﷺ وباب وصال النبی ﷺ جلد ۲ صفحہ ۱۱) اور اس جماعت نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی میں بہتر ہوں، مطلب یہ کہ میں امر کو پہچاننے کی بہ نسبت اس حال میں زیادہ خوش ہوں کہ میں اس امر سے باز رہوں اور تمہارے پاس صرف کتاب الہی ہے اور تم اپنی اس استدعا سے مجھے باز رکھو اور ذکر کیا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کی تعیین اور اس کی کتابت کے خواہاں تھے۔

چھٹی فصل

کلمات بددعا کی توجیہات

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی بھی توجیح بتادی جائے جو:

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے خدا! محمد تو ایک بشر ہی ہے جو اسی طرح غصہ کرتا ہے یقیناً میں نے تجھ سے وعدہ لے لیا ہے اے خدا تو ہرگز مجھ سے خلاف نہ کرنا، لہذا میں جس مسلمان کو بھی تکلیف دوں یا برا کہوں یا کوڑے ماروں تو تو اس کے لئے کفارہ اور قربت بنادینا جس سے وہ بروز قیامت تیرا قرب حاصل کرسکے (صحیح مسلم کتاب البر، ج ۲ صفحہ ۲۰۰۸) اور ایک روایت میں ہے کہ جس کو بھی میں بدعا دوں اور ایک روایت میں ہے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی میں برا کہوں یا اسے راندۂ درگاہ کہوں یا اسے کوڑے ماروں تو اے خدا عزوجل یہ اس کے لئے پاکی، بخشش اور رحمت کا سبب بنادے۔

حالانکہ یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ غیر مستحق پر لعنت کریں یا غیر سزاوار کو برا کہیں یا غیر لائق پر کوڑے ماریں یا اس قسم کی اور کوئی بات غصہ کی حالت میں کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔ تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہیئے اللہ عزوجل تمہیں شرح صدر مرحمت فرمائے کہ حضور ﷺ کا اول یہ ارشاد کہ اے خدا عزوجل وہ اس کا اہل نہ تھا مطلب یہ کہ اے خدا تیرے

نزدیک اس کی باطنی حالت ایسی نہ تھی کیونکہ آپ کا علم تو ظاہر پر ہے جیسا کہ فرمایا اور ایسا فرمانا اس حکمت سے بھی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے (یعنی یہ کہ اس تواضع وانکسار میں بھی آپ کی امت آپ کی پیروی کرے) لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوڑے مار کر یا ادب سکھانے کے لئے برا کہہ کر یا لعنت کر کے جس کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کی ظاہری حالت مستحق تھی حکم بتا دیا پھر اپنی امت پر شفقت و مہربانی اور مسلمانوں کے لئے اپنی اس صفت رحمت سے جس سے اللہ عزوجل نے آپ کو متّصف کیا ان کے لئے خاص طور پر دعا مانگی اور آپ اس سے ڈرے کہ اللہ عزوجل آپ کی بددعا قبول نہ کر لے اور دعا کی کہ اے خدا عزوجل اس بددعا اور اس فعل کو اس کے لئے رحمت بنا دے۔

یہی مطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ اس کے لائق نہ ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) آپ کو غیظ و غضب نے برانگیختہ کر دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مستحق مسلمان کے ساتھ ایسا فعل کریں، یہی معنی و مطلب صحیح ہے اور آپ کے اس ارشاد کا کہ "میں انسان کی طرح ہی غصہ کرتا ہوں"، یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپ کو (معاذ اللہ) غیظ و غضب غیر واجبی عمل پر برانگیختہ کر دیتا ہے بلکہ جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ غضب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لعنت یا برا کہنے سے بطور سزا برانگیختہ کر دیا ہو یا یہ کہ اس سزا میں کوئی احتمال نکلتا ہو اور اس کا معاف کرنا جائز تھا یہ کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار ہوں کہ چاہے سزا دیں یا معاف فرما دیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امت کی تحذیر و ترہیب کے قائم مقام ہو اور حدود الٰہی سے تجاوز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا اور دیگر کئی مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا بغیر قصد و ارادہ کے ہو بلکہ اہل عرب کی عادت و محاورہ کی بنا پر فرمایا ہو اور اس سے قبولیت مراد نہ ہو، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تیرا ہاتھ خاک آلود ہو (صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۸ ص ۳۱، صحیح مسلم کتاب الحیض جلد ۱ صفحہ ۲۵۰) اور اللہ عزوجل تیرا پیٹ نہ بھرے (صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۱، دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۲ صفحہ

۲۴۳) اور عقری حلقی (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۱۹، مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۲۸) (کونچے کٹی، سرمنڈی) (عرف عام کی) دیگر بد دعائیں۔

اور آپ ﷺ کی صفت مبارکہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بدگو (فحش کلام) نہ تھے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو گالی دیتے تھے اور نہ بدگوئی (فحش کلامی) کرتے اور نہ لعنت کیا کرتے تھے، (زیادہ سے زیادہ) عتاب کے وقت ہم میں سے کسی کے لئے یوں فرمادیا کرتے کہ اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ ص ۱۱)

لہذا (مذکورہ) حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کرنا چاہیے، مگر پھر بھی آپ ﷺ امت پر شفقت کے لئے ایسی دعاؤں کے قبول ہو جانے سے خوفزدہ ہو گئے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے عہد (وعدہ) کیا کہ اس قسم کے مقولوں اور محاورات کو بھی مسلمانوں کے لئے پاکی رحمت اور قربت کا ذریعہ بنادے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۹، مسلم کتاب الحدود جلد ۳ ص ۱۳۳۳)

اور کبھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کے لئے جس پر آپ ﷺ نے ایسی بددعا کی ہے اس پر شفقت و محبت کے لئے ہوتا تاکہ وہ نبی کی لعنت سے ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر اپنے کو اس کا حقیقۃ مستحق نہ سمجھ لے اور اسے وہ مقبول دعاؤں میں سمجھ کر اسے ناامیدی کا شکار نہ بنادے۔

اور کبھی آپ ﷺ کا اپنے رب عزوجل سے اس شخص کے لئے جس کو آپ کوڑے ماریں یا اسے برا کہیں سوال کرنا بجا اور صحیح ہوتا تھا تاکہ یہ بددعا اس کے لئے کفارہ بن جائے یا جو اسے صدمہ پہنچا ہے وہ اس کے جرم کو مٹادے اور ممکن ہے کہ دنیا میں اس کا سزا پانا آخرت میں اس کی مغفرت اور معافی کا سبب بن جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہوگا اسے دنیا میں سزادی جائے گی پس وہی سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے جبکہ ان کا جھگڑا ایک انصاری کے ساتھ حرہ کی نالی پر ہوا تھا کہ اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! تم اتنا پانی پلا دو کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے، اس وقت آپ ﷺ سے انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ تو آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس پر حضور ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیّر ہو گیا، پھر فرمایا: اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! پانی پلا لے پھر روکے رکھ یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ جائے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم ﷺ اس سے پاک ہیں کہ جو کسی مسلمان کے دل میں اس واقعہ سے کوئی شک و تردد واقع ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بطریق اعتدال صلح جوئی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حاجت تک ہی اکتفا کر لیں، پھر جب دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا تو از روئے انصاف انہیں ان کا پورا حق دلا دیا۔

اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کا یہ باب ہی مقرر کیا کہ جب امام صلح کا اشارہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس پر پورا حکم نافذ کیا جائے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاری نے ذکر کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق دلا دیا۔

بلا شبہ مسلمانوں نے اس قسم کے مقدمات میں اس حدیث کو اصل و ضابطہ قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی خواہ آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کیا ہو یا خوشی کی حالت میں، اگرچہ آپ ﷺ نے قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ ص ۵۳، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ ص ۱۳۴۳) مگر حضور ﷺ چونکہ دونوں حالتوں میں معصوم تھے (لہٰذا آپ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی) اور یہ

بات بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ غصہ خالص اللہ عزوجل کے لئے تھا اپنے لئے نہ تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح عکاشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی پیروی کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو (ابونعیم فی الحلیہ کمانی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۲۳۶) اور یہ عمداً انہیں فرمایا تھا کہ (معاذاللہ) غصہ نے آپ ﷺ کو برانگیختہ کر دیا ہو بلکہ خود حدیث میں آیا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ پر چھڑی ماری تھی یہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے قصداً ماری تھی یا اونٹ کو مارنا چاہتے تھے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عکاشہ (رضی اللہ عنہ) میں تجھے خدا کی پناہ دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کا رسول (ﷺ) تجھ پر قصداً چھڑی مارے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں مذکور ہے جو ایک اعرابی کا واقعہ ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ اے اعرابی تو اپنا بدلہ لے لے، اس پر اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا، اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے اس وقت کوڑا مارا تھا جب کہ وہ اونٹ کی لگام سے چمٹا ہوا تھا، آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ پھر دوسری مرتبہ سمجھایا اور اسے باز رکھا اور فرمایا: کیا تجھے کچھ ضرورت ہے اور اس نے انکار کر دیا تھا، اس پر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ کوڑا مارا تھا، حالانکہ یہ بات بھی آپ ﷺ کی اس وقت ہے جبکہ پہلے دو مرتبہ اسے سمجھایا، اب وہ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو یہ عمل درست ہے اور یہ ادب سکھانے کا مقام ہے لیکن حضور ﷺ اتنے شفیق و مہربان تھے کہ اپنے اس حق کے لئے بھی اس سے معافی چاہی، بالآخر آپ صلی اللہ علیک وسلم نے معاف کرا ہی لیا۔

اب رہی وہ حدیث جو سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ وہ خوشبو سے لت پت تھا تب آپ ﷺ نے فرمایا: درس ہے درس (جو ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے) اسے کھرچ دے کھرچ اور اپنے دست اقدس کی میری میرے پیٹ پر ماری جس سے درد محسوس ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! قصاص چاہتا ہوں۔

تب آپ ﷺ نے میرے لئے اپنا بطن اقدس کھول دیا (الحدیث بغوی فی معجم الصحابہ اخرجہ ابن سعد وعبدالرزاق فی جامعہ کافی الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۷)، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ایک مکروہ بات میں آمادہ دیکھا تو اسے مارا تھا اور شاید کہ آپ ﷺ کا اپنی چھڑی سے مارنا اس کی تنبیہ کے لئے ہو مگر جب اسے درد محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دینے کا قصد فرمایا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ کے دنیاوی افعال

اب رہے آپ ﷺ کے دنیاوی افعال! تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ کہ ان میں سے کسی فعل میں سہو و غلط بطریق مذکور خود جائز ہے اور یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی نبوت کے لئے نقصان رساں نہیں ہیں بلکہ ان کا وقوع بھی نادرات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے عام افعال درستی وصواب پر ہی ہوتے تھے بلکہ اکثر یا سب کے سب عبادت وقرب الٰہی کے قائم مقام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی افعال کو صرف اتنا ہی اختیار فرماتے تھے جتنے سے ضرورت پوری ہو سکے اور جس سے جسمانی حیات قائم رہ سکے اور اس میں مصلحت وحکمت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات شریف تو وہ ہے جو اپنے رب عزوجل کی عبادت کرتی اور اس کی شریعت کو قائم کرتی اور اپنی امت کے سیاسی امور کو بجا لاتی اور وہ افعال جو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان دائر ہیں بایں طور انجام دیتے کہ آپ ﷺ ان سے حسن سلوک کرتے یا بھلائی میں فراخی کرتے یا قول حسن فرماتے یا ان کی سنتے یا کسی سرکش کی تالیف کرتے یا کسی معاند دشمن کو مغلوب فرماتے یا کسی حاسد کی مدارات کرتے تھے، یہ سب افعال اور امور آپ ان کے اعمال صالحہ اور معمولات مقدسہ کے ساتھ حق ہیں۔

اور کبھی آپ ﷺ کے دنیاوی افعال مختلف حالتوں میں مخالف بھی ہوتے تھے اور دنیاوی افعال کے مشابہ امور کے لئے فراہمی سامان بھی کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ کسی کے پاس جاتے تو عام طور پر "دراز گوش" (حمار) پر سواری فرماتے اور سفر کی حالت میں اونٹ پر سوار ہوتے اور معرکہ جہاد میں ثابت کی خاطر خچر پر سوار ہوتے اور گھوڑے کی سواری کرتے اور گھوڑے کو ناگہانی وقت اور فریادی کی امداد و اعانت کے لئے رکھتے تھے۔

علی ہذا القیاس باعتبار مصالح ذاتی اور مصالح امت کی خاطر آپ ﷺ اپنے لباس اور احوال میں بھی تبدیلی فرماتے تھے، اسی طرح اپنی امت کو مساعدت اور سیاست کے لئے وہی دنیاوی امور میں افعال اختیار کرتے تھے جس کا اقتضاء ہوتا تھا اور اس کے خلاف کو ناپسند فرماتے تھے، اگرچہ آپ ﷺ کی رائے میں اس کے سوا میں بھلائی نظر آتی ہو جیسا کہ بعض باتیں بسبب بعض افعال کو چھوڑ دیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ اس کے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر خیال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات امور دینیہ میں بھی آپ ﷺ ایسا کر گزرتے تھے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوتے تھے۔

مثلاً مدینہ طیبہ سے احد کی طرف نکلنا حالانکہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جہاد کے وقت مدینہ میں قلعہ بند ہوتے تھے یا جیسے کہ منافقین کی حالت کا علم و یقین کے باوجود، دوسرے اشخاص کی تالیف اور ان کے مسلمان اعزاء (عزیزوں) کی رعایت کی خاطر آپ ﷺ نے ان کے قتل کو ترک فرما دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ آپ اسے ناپسند رکھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرانے کو اختیار نہ فرمایا (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ ص ۱۳۲، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۹۸)

اور یہ ترک قریش کے دلوں کی رعایت اور باایں خدشہ کہ کہیں اس کے تغیر و تبدل سے ان کے دل متنفر نہ ہوجائیں اور ان کی عداوت سابقہ جو وہ اسلام اور مسلمانوں سے رکھتے تھے پھر عود نہ کر آئے، اسے برقرار رکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر مجھے تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو ضرور خانہ کعبہ کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر پورا کر دیتا۔

(اسی طرح) آپ کوئی کام کرتے پھر اسے ترک فرمادیتے کیونکہ اس کے غیر میں بھلائی ہوتی تھی جیسے کہ روز بدران کنوؤں کے قریب پڑاؤ کرنا جو دشمنان قریش کے نزدیک تھے یا جیسے کہ (حجۃ الوداع میں) آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنے معاملہ میں پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی جواب ہوئی ہے تو میں ہدی (قربانی کے جانور) کو نہ لاتا (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ ص ۱۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۸۸) اور یہ کہ آپ ﷺ کفار و دشمن کی تالیف قلوب کے لئے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نادان کی ایذا پر صبر فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ لوگ بہت شریر ہیں جن کے شر کی وجہ سے لوگ ان سے کنارہ کشی کریں اور آپ ایسوں کو عمدہ عمدہ اشیاء مرحمت فرماتے تاکہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شریعت کو اور آپ ﷺ کے رب عزوجل کے دین کو پسند کرنے لگیں اور آپ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں ایسے بھی کام کرتے جسے خادم و ملازم انجام دیتے ہیں اور آپ ﷺ ایسی ہیبت اختیار فرماتے جس کے اطراف و جوانب سے کوئی شے ظاہر نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضرین کی یہ ہیئت ہوتی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں سے اس طرح کلام فرماتے گویا وہ پہلے سے واقف ہے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرماتے جس طرح وہ متعجّب ہوتے اور اسی طرح ہنسی کا اظہار فرماتے جس میں وہ لوگ ہنستے تھے اور آپ ﷺ کی اس کشادہ روئی اور عدل گستری نے لوگوں کو

گرویدہ بنا لیا تھا اور غصہ کے سبب آپ ﷺ میں خفت اور سبکی نہ پیدا ہوتی تھی اور نہ آپ ﷺ اپنے ہمنشینوں سے دل میں کوئی کدورت رکھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ خائن ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں فرمایا جب وہ داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ "یہ خاندان کا بڑا بیٹا ہے"، پس جب وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا بھی اظہار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص لوگوں میں بدتر ہے جس سے لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ سے باطن کے خلاف ظاہر ہو اور اس کے پیچھے ایسی باتیں فرمائیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل اس کے تالیف قلب کے لئے تھا تاکہ وہ خوش ہو جائے اور اس کا ایمان قائم رہے اور اس کے ساتھی اس سبب سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کو اس جیسا دیکھیں تو وہ اسلام کی طرف کھینچ آئیں اور آپ ﷺ کی اس قسم کی باتیں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ وہ اس دنیاوی مدارات کے سبب دینی سیاست کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) اور بھی آپ ﷺ اللہ عزوجل کا مال دے کر تالیف قلوب کیا کرتے تھے تو نرم گفتگو کیسے اثر نہ کرے گی۔

چنانچہ صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ دشمن تھے اس وقت آپ ﷺ مجھے مال بہت دیتے تھے اور آپ ﷺ برابر عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ اب آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں اور حضور

ﷺ کا یہ ارشاد کہ "خاندان کا بڑا بیٹا ہے" در حقیقت یہ غیبت کی ضد ہے بلکہ جو اس کے حال سے لاعلم ہے اور اسے خبر دار کرنا ہے تاکہ وہ اس کے حال سے ڈرے اور اس سے محترز رہے اور اس پر کامل اعتماد نہ کیا جائے، بالخصوص جبکہ وہ قوم کا سردار اور مطاع ہو اور اس قسم کا اظہار جبکہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اور نقصان کو دور کرنا متصور ہو تو وہ غیبت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کی عادت ہے کہ راویوں پر جرح وقدح کرتے ہیں یا جیسے شہادت میں تنقیح وصفائی کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۳ ص ۱۳۲، مسلم کتاب الحق جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۳-۱۱۳۲) کی حدیث میں اس مشکل کے کیا معنی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کو انہوں نے باخبر کیا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے اس کی فروختگی سے انکار کر دیا بجز اس شرط کے کہ ان کے لئے ولاء باقی رہے، تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ان سے خرید لو اور ان کی شرط ولاء کو مان لو، پھر آپ ﷺ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب الٰہی میں نہیں ہے لہٰذا ہر وہ شرط جو کتاب الٰہی میں نہ ہو باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی شرط کو مان لینے کا حکم فرمایا اور اس شرط پر انہوں نے فروخت کیا تھا، اگر یہ شرط منظور نہ ہوتی تو واللہ اعلم وہ اس کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نہ فروخت کرتے جس طرح کہ انہوں نے اس شرط سے پہلے نہیں فروخت کیا یہاں تک کہ اس شرط کے بعد آپ ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دے دیا، حالانکہ آپ نے ملاوٹ اور دھوکہ حرام قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منزہ ہیں جو نادان لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عصمت وتنزیہہ کے پیش نظر ایک جماعت نے اس اضافہ کا انکار کیا کہ آپ نے فرمایا ہو

کہ ولاء کی شرط مان لو، اس لئے کہ اکثر سندوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس اضافہ کو برقرار مان لینے کے باوجود بھی کوئی اعتراض وارد نہیں کیونکہ لَهُمُ کے معنی عَلَيْهِمْ کے بھی آتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے خلاف پر شرط مان لو) کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ان کا حصہ لعنت ہی ہے۔(الرعد:۲۵)

لہذا اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے برخلاف شرط ولاء کو اپنے لئے مان لو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام فرما کر نصیحت کرنا اس لئے ہوگا کہ انہوں نے پہلے اپنے لئے ولاء کی شرط کی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ان کے ولاء کی شرط یہ حکم کے معنی میں نہ تھا بلکہ تسویہ (برابری) اور اعلام (خبر) کے معنی میں تھا کہ ان کی یہ شرط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان فرمانے کے بعد نفع نہ دے گی کیونکہ یہ شرط آپ بتا چکے ہیں کہ ولاء صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے، گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم شرط مانو یا نہ مانو بہر صورت یہ شرط نفع بخش نہ ہوگی اور اسی طرف داؤدی وغیرہ گئے ہیں، دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو جھڑکنا اور ملامت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ "ان کے ولاء کی شرط مان لو"، اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس کا حکم ظاہر کر دو اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت واضح کر دو کہ ولاء تو صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا حکم بیان کرنے اور اس کی مخالفت پر تنبیہ کرنے کے لئے جو ان سے سرزد ہوا کھڑے ہوئے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ فعل جو آپ علیہ السلام اپنے بھائی (بنیامین) کے کجاوے میں پیالہ رکھوا کر ان کو اس کے سرقہ کے الزام میں پکڑا اور وہ ماجرا اس سلسلہ میں ان کے

بھائیوں پر گزرا اور آپ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ تم ضرور چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے، اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ یہ آیہ کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا فعل اللہ عزوجل کے حکم سے تھا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾

ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (یوسف:۷۶)

جب واقعہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی اس میں واقع ہے، نیز ایک یہ بھی سبب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کو مطلع کر دیا تھا کہ میں تیرا بھائی ہوں تم فکر نہ کرنا لہذا جو بھی ماجرا اس کے بعد گزرا وہ اس کی موافقت اور خواہش پر ہوا اور اس یقین پر کہ اس کے پیچھے بھلائی ہے اور اس طرح پر ان کی برائی اور مضرت دور کرنے کے لئے تھا لیکن یہ قول کہ: اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ: اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو۔

تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قول نہیں ہے جس کا جواب دینا لازمی ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہو اور یہ سزاوار ہے کہ اس قول کے کہنے والے پر خواہ وہ کوئی ہو عمدہ تاویل کی جائے یعنی یہ کہ اس کہنے والے نے گمان کیا ہو گا ظاہر حال میں تم چور ہو اور بلاشبہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ پہلے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لہذا ہمیں یہ لازم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جو ان سے مروی نہیں "کہ

انہوں نے ایسا کہا ہے "حتی کہ ان سے وہ باتیں دور کی جائیں اور ان کے سوا دوسروں کی لغزشوں کا عذر بیان کرنا لازم نہیں (کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں)

آٹھویں فصل

حکمت ابتلاء انبیاء ورسل علیہم السلام

اب اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر امراض آتے اور ان پر اس کی شدت ہوتی تھی اور اس کی کیا وجہ کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ عزوجل نے بلاء وامتحان میں مبتلا کیا تھا جیسے حضرت ایوب، حضرت یعقوب، حضرت دانیال حضرت یحیی، حضرت زکریا، حضرت عیسی، حضرت ابراہیم علیہم السلام اور حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ پر گزرے حالانکہ یہ حضرات اللہ عزوجل کی مخلوق میں اس کے مختار، محبوب اور برگزیدہ تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں اور تم کو توفیق دے کہ اللہ عزوجل کے تمام افعال مبنی بر انصاف اور اس کے تمام کلمات ایسے صادق جس میں قطعاً تبدیلی ممکن نہیں وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ ان سے فرمایا: ﴿لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾

کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ (یونس:۱۴)

نیز فرمایا: ﴿لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔ (الکہف:۷)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ﴾

اور اس کے لیے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی۔ (آل عمران:۱۴۰)

نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ (آل عمران: ۱۴۱)

اور فرمایا:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ﴾

اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں۔ (محمد: ۳۱)

پس اللہ عزوجل کا طرح طرح کے امتحانوں میں مبتلا کرنا ان کے مرتبہ کی زیادتی اور ان کے درجات کی رفعت و بلندی کے لئے ہے اور یہ کہ ان کے صبر و رضا، شکر و فرمانبرداری، توکل و سپردگی، دعا وگریہ وزاری کے حالات و اسباب کو ظاہر کرنا ہے تاکہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں پر رحمت اور مصائب و آلام میں پڑنے والوں پر شفقت دیکھ کر ان کی بصیرتیں اور زیادہ ہو جائیں جو ان کے علاوہ دوسروں کے لئے یادگار اور ان کے سوا کے لئے نصیحت بن جائے تاکہ وہ بلا و مصائب میں ان کی پیروی کریں اور ان قصوں کو یاد کر کے جو ان پر گزرے ہیں، خود کو تسلی دیں اور صبر میں ان کی اقتداء کریں اور یہ کہ ان کی لغزشوں اور غفلتوں کو جو ان سے صادر ہوئے مٹا دیے جائیں تاکہ پاک وصاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں ان کی حاضری ہو اور انہیں پورا پورا اجر و ثواب ملے۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کے والد سے بالا سناد مروی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! وہ کون سے حضرات ہیں جن پر سخت مصیبتیں اور بلائیں اتریں، فرمایا: انبیا علیہم السلام پھر جو ان کی مشکل میں پھر جو ان کی مثل ہیں، کسی آدمی کا مبتلائے آلام و

مصائب ہونا اس کے دین کے اعتبار سے ہوتا ہے، چنانچہ بندگان خاص سے بلائیں نہیں ٹلتیں یہاں تک کہ وہ ایسا کر دیتی ہے کہ زمین پر جب چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا کا بار نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۲ صفحہ ۲۸، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ ص ۱۳۳۴، تحفۃ الاشراف جلد ۳ ص ۳۱۸، مستدرک جلد ۳ ص ۲۴۳) جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾

اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے۔ (آل عمران: ۱۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "مسلمان کی جان و اولاد اور اس کے مال میں ہمیشہ آزمائشیں ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل سے جب ملاقات کرے گا تو اس پر ایک غلطی کا بھی بار نہ ہوگا"۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۲ صفحہ ۲۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ عزوجل اپنے کسی خاص بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے دنیا میں سختیاں ڈالنے میں جلدی کرتا ہے اور جب اللہ عزوجل کسی جان پر شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو گناہوں کی حالت میں ہی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بروز قیامت اس کی پوری سزا دے"۔

دوسری حدیث میں ہے کہ "جب اللہ عزوجل کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اسے مبتلائے آلام کرتا ہے تاکہ گریہ و زاری کرے، (مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۵۱) اور سمرقندی علیہ الرحمہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے اس پر اتنی ہی شدید بلائیں ہوتی ہیں تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور پورے ثواب کا مستحق بن جائے، جیسا کہ حضرت لقمان علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے میرے فرزند! سونے اور چاندی کو تو آگ پاک و صاف بناتی ہے اور مسلمان کو بلائیں ستھرا کرتی ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے ان سے وفور محبت میں نماز کی حالت میں ان کی طرف نظر ڈالی تھی حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام محو خواب تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ بلکہ وہ اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ایک بھنی ہوئی بکری کے کھانے میں مشغول تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور ان کے ایک ہمسایہ یتیم بچے نے اس کی مہک سونگھ کر اس کی خواہش کی اور رونے لگا، اس بچے کے رونے کے سبب اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزند اس سے لاعلم تھے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے افسوس میں رونے کے ساتھ عتاب فرمایا گیا اور انہیں اتنا رونا پڑا کہ ان کے دونوں حدقے (آنکھ کے حلقے) بیٹھ گئے اور غم میں آنکھیں سفید ہوگئیں، پھر جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو مدت عمر تک آپ اپنے مکان کی میت پر منادی کے ذریعہ ندا کراتے رہے کہ جس کے پاس روز پیشہ نہ ہو وہ آل یعقوب (علیہ السلام) سے آکر لے لے اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جن سختیوں کے ذریعہ عتاب فرمایا اسے اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا۔

حضرت لیث علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو مبتلائے آلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی بستی والوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے پاس اس کے مظالم کی شکایت لے کر گئے بستی والوں نے بادشاہ کو سخت دست کہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی زراعت کے خوف سے نرمی کا برتاؤ کیا اس پر اللہ عزوجل نے ان کو بلا و مشقت میں مبتلا فرمایا۔

اور انہیں فوائد کے پیش نظر نبی کریم ﷺ پر مرض اور درد کی شدت ہوئی، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی ایسی حالت نہ

دیکھی۔(صحیح بخاری جلد صفحہ ۱۰۰،مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۱-۱۹۹۰)اور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو آپ کے مرض میں دیکھا تو آپ پر شدید بخار تھا،میں نے عرض کیا: آپ ﷺ پر تو بہت سخت و شدید بخار ہے،فرمایا: ہاں تم میں سے دو مردوں کے برابر مجھے بخار کی شدت ہے،عرض کیا گیا: یہ اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کو دونا اجر ملے،فرمایا: ہاں اس لئے یہ ہے۔

(صحیح بخاری جلدے صفحہ ۱۰۰،مسلم کتاب البر جلد ۴ ص ۱۰۰۱-۱۹۹۰)

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ پر رکھا تو کہا: خدا کی قسم میں آپ پر اپنے ہاتھ کو آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا،اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاعلیہم السلام میں سے ہیں ہمارے لئے دونی مشقت ہوتی ہے کچھ نبی تو ایسے ہوئے ہیں (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ ص ۱۳۳۵،مستدرک کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۳۰) جن کو حتمل (چیچڑی) کے ذریعہ مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور کچھ نبی ایسے ہوئے ہیں جنہیں فقر میں مبتلا کیا گیا،یہ حضرات ان بلاؤں پر اتنے خوش ہوتے تھے جتنا کوئی فراخی پر خوش ہوتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اجر عظیم،بلا عظیم کے ساتھ مربوط ہے" (سنن ترمذی کتاب الزہد جلد ۴ صفحہ ۲۷) چنانچہ اللہ عزوجل جب کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو مبتلائے آلام کرتا ہے پس جو اس پر راضی رہا تو اس کے لئے اللہ عزوجل کی رضا ہے اور جو اس سے ناخوش ہوا تو اس کے لئے اللہ عزوجل کی ناراضگی ہے،مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ ﴿مَن يَّعۡمَلۡ سُوٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ﴾ (النساء:۱۲۳) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔

یعنی مسلمان کو دنیا میں مصیبتوں کے ساتھ جزا دی جائے گی اور وہ اس کے لئے کفارہ گناہ بن جائے گا،یہ

روایت حضرت عائشہ، ابی اور مجاہد رضی اللہ عنہم کی ہے (مسند امام احمد جلد ا ص ۲۲، ۲ مستدرک کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۳۰۸، حاکم معرفتہ الصحابہ جلد ۳ ص ۵۵۳) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس پر اللہ عزوجل بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈالتا ہے" (صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰) اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اسے اللہ عزوجل اس کے لئے کفارہ کر دیتا ہے حتی کہ اسے اگر کانٹا بھی چبھے (صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۴ ص ۱۹۹۲، صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹) اور کہا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "جو بھی کوئی تکلیف مسلمان کو پہنچے خواہ وہ مصیبت و تکلیف ہو یا حزن والم و غم حتی کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اللہ عزوجل اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹، مسلم کتاب البر جلد ۴ ص ۱۹۹۳) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہوں کو اس کے ذریعہ جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔" (صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰)

دوسری حکمت: اور دوسری حکمت جس کو اللہ عزوجل نے ان حضرات کے امراض جسمانی اور متواتر درد والم اور جانکنی میں شدت کو پسند کیا ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے قوائے نفسانی کمزور ہو جائیں، جانکنی کے وقت ان کی روح کے اخراج میں آسانی ہو جائے اور مرض کے مقدم ہونے اور جسم کے کمزور ہو جانے کے سبب وقت نزع اور شدت سکرات میں خفت (ہلکا پن) ہو جائے، بخلاف اس جان کے جس پر اچانک موت آجائے اور وہ موت کی گرفت میں آجائے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ میت کی حالتیں شدت میں مختلف ہوتی ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختیاں یا نرمیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن کی مثال کھیتی کے تنا کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی

ہے (صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۳) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت اس نرم تنے کی سی ہے جسے ہوا جھکاتی رہتی ہے ہوا ساکن ہوجاتی ہے تو وہ تنا اعتدال پر رہتا ہے (صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ ص ۹۹ صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ ص ۲۱۲۳) یہی کیفیت مسلمان کی ہے جسے بلاء جھکاتی رہتی ہے اور کافر کی مثال درخت صنوبر کی ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آفت رسیدہ، مصیبت زدہ، بیماری کا مارا تقدیرات الہیہ پر راضی، اس پر اطاعت گزاری اور رضائے الٰہی کی خاطر گردن خمیدہ رہتا ہے، ان بلاؤں پر اس کا ناراض نہ ہونا کھیتی کے نرم تنا کی طرح ہے جو بادصرصر کے آگے فرمانبردار ہتا ہے اور جدھر وہ چلتی ہے ادھر ہی جھک جاتا ہے پس جب اللہ عزوجل مومن سے مصائب و آلام کے باد تند کو دور فرمادیتا ہے تو پھر وہ اعتدال پر آجاتا ہے جس طرح سکون ہوا کے وقت کھیتی کا نرم تنا معتدل ہوجاتا ہے، اس وقت وہ بندہ مومن باتوں کے دور ہونے کے بعد اپنے رب عزوجل کے شکر اور اس کے انعام کی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہے اور رحمت و ثواب کا منتظر رہتا ہے تو جب بندے کی یہ حالت ہوجاتی ہے تو پھر اس کو نہ مرض الموت ستاتا ہے اور نہ اس پر ان بلیات کا پہنچنا گراں خاطر ہوتا ہے اور نہ سکرات موت اور نہ نزع روح اس پر دشوار ہوتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے مصائب و آلام کے جھیلنے کا عادی بن چکا ہوتا ہے اور اس پر اجر و ثواب کو وہ پہلے سے جان رہا ہوتا ہے جسے ان تمام شدائد و تکالیف کے بدلے میں اللہ عزوجل نے اس کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہوتا ہے، اس کا دل بالکل مطمئن ہوتا ہے، بخلاف کافر کے! کہ اس کے اکثر احوال میں چھوٹ اور اس کا جسم درخت صنوبر کی طرح صحیح وسالم رہتا ہے، یہاں تک کہ جب اللہ عزوجل اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو دفعۃً اس کی گردن توڑ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی (اچانک موت کا حملہ ہوجاتا ہے) اور اسے بلا کسی نرمی و سہولت

کے موت کا پنجہ دبالیتا ہے جس کے سبب اس کی موت سخت اور حسرتناک ہوتی ہے، اس کی روح کھینچنے کی حالت کو اس کی جان کی قوت اور اس کے جسم کی صحت پر تکلیف کی شدت وعذاب کو قیاس کرنا چاہیے اور آخرت کا عذاب تو درخت صنوبر کے اکھاڑنے سے کہیں زیادہ شدید و سخت ہوگا، جیساکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾

توہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا۔

یہی عادت الٰہیہ ہے اس کے دشمنوں کے درمیان، جیساکہ فرماتا ہے:

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ﴾

توان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا۔ (عنکبوت:۴۰)

چنانچہ اللہ عزوجل نے ان پر اس حالت میں موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں مدہوش تھے اور بغیر اتنا موقع دیئے کہ وہ مرنے کی تیاری کریں اچانک ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی لئے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ بزرگان دین اچا اچانک موت کو برا سمجھتے تھے اور اس سلسلہ میں ابراہیم علیہ السلام کی حدیث ہے کہ وہ افسوسناک موت یعنی اچانک تک موت کو برا جانتے تھے۔

تیسری حکمت: تیسری حکمت یہ ہے کہ امراض پیام موت ہیں، مرض میں جس قدر شدت ہوگی موت کا خوف اس قدر زیادہ ہوگا اور وہ موت کے لئے مستعد و تیار رہے گا (اور استغفار وغیرہ کا موقع ملے گا) کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے رب عزوجل سے ملاقات کرے گا اور یہ امراض اس کی خبرگری کر رہے ہیں اور اس دنیا کے گھر سے جس کی خرابیاں بکثرت ہیں بے پرواہ ہو کر اس کا دل آخرت کے ساتھ

متعلق ہو جاتا ہے پس وہ ہر اس شے سے جو اللہ عزوجل کی جانب سے غافل کرے اس کے برے نتائج سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور بندوں کی طرف ان کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور جب اپنے محتاجوں کی طرف نظر کرتا ہے تو اپنے پسماندگان میں ان کی وصیت کرتا ہے یا ان کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی کریم ﷺ باوجودیکہ گزشتہ وآئندہ سب سے مغفور ہیں وہ اپنے مرض میں ان لوگوں سے رستگاری کے طالب ہوئے جن کا آپ ﷺ پر کوئی مال یا آپ ﷺ کے بدن اقدس پر کوئی حق تھا اور آپ ﷺ نے مال و جان سے بدلہ دینا چاہا اور ایسے حقدار کو آپ ﷺ نے اپنے پر قصاص (بدلہ) کی اجازت دی، جیسا کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیث وفات میں وارد ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد جن وانس کو کتاب اللہ عزوجل اور اپنی عترت کو لازم پکڑنے اور انصار کے ساتھ نرمی برتنے کی وصیت فرمائی اور ان کو تحریر وثیقہ کے لئے بلایا تاکہ آپ ﷺ کی امت گم گشتہ راہ نہ ہو اور یہ دعوت کتابت یا تو نص خلافت کے لئے تھی یا کوئی اور مقصد ہو اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے، پھر اس سے باز رہنے کو آپ ﷺ نے افضل و بہتر خیال فرمایا۔

یہی کیفیت اللہ عزوجل کے مومن بندوں اور اس کے متقی ولیوں کی سیرت میں ہے اور ان تمام کیفیات سے اس کی کافر مخلوق محروم ہے کیونکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے تاکہ ان کے گناہ اور بڑھیں اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے جس کا انہیں علم نہیں ہوتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ(۴۹)فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ(۵۰) ﴾

راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آئے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔ (یس:۵۰-۴۹)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اچانک تک مر گیا تھا، پاکی ہے اللہ عزوجل کو (سبحان اللہ) گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی غصہ کی بات معلوم ہوئی (فرمایا) محروم وہ ہے جو آپ وصیت کرنے سے محروم رہا اور فرمایا: اچانک موت مسلمانوں کے لئے تو راحت ہے مگر کافر و فاجر کے لئے افسوسناک گرفت ہے (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۲۴، مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۹) اور یہ اس لئے کہ مومن کو جو موت آتی ہے تو وہ اکثر اس کے لئے مستعد و تیار ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ حکم الہی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتا ہے تو اس کے لئے کیوں رحمت نہ ہو، ایسے شخص پر اس کا آنا ہر طرح آسان ہوتا ہے چاہے جس طرح وہ مرے، کیونکہ وہ دنیا کی اذیتوں سے راحت عقبی کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان خود بھی راحت پانے والا ہے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچانے والا ہے۔

(مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۴)

اور کافر اس وقت مرتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا، نہ تو خود اس نے اس کی تیاری کی اور نہ ڈرانے اور گھبرا دینے والے مقدمات و حالات پہنچے بلکہ اچانک موت نے گھیر لیا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا، پس اس کے رد کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور نہ وہ موت کا منتظر ہی تھا، تو اب موت اس پر اشد ترین شے معلوم ہوگی اور دنیا کی جدائیگی سے دردناک صدمہ ہوگا اور یہ اسے نہایت شاق گزرے گا۔

اسی معنی کی طرف حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "جو اللہ عزوجل کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ عزوجل بھی اس کی لقا کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الہی کو ناپسند رکھتا ہے اللہ عزوجل بھی اس سے لقاء کو ناپسند رکھتا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۹۰، مسلم کتاب الذکر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۵)

قسم چہارم

وجوہات تنقیص و توہین اور اس کے احکام شرعیہ

موہن و شاتم کا حکم قتل

یہ چوتھی قسم ان احکام کے وجوہات کے بیان میں ہے جو نبی کریم ﷺ کی تنقیص و توہین کرے یا حضور ﷺ کو معاذاللہ گالی دے، چنانچہ قاضی ابوالفضل بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ بات کتاب و سنت اور اجماع امت سے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں اور یہ بھی متعیّن کیا جا چکا ہے آپ ﷺ کا احسان اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور اکرام کیا کیا ہیں، ان اعتبارات کے لحاظ سے اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کو اذیت و تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی حضور ﷺ کی تنقیص شان کرے یا آپ ﷺ پر سب و شتم کرے اسے قتل کر دیا جائے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب:۵۷)

اورارشادہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

اور جو رسول اللہ کو ایذادیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(التوبہ:۶۱)

اور فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾

اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذادو اور نہ یہ کہ ان کے بعد بھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔(الاحزاب:۵۳)

اور اللہ عزوجل تعریض اور ذومعنی (دو معنی والے) الفاظ کے استعمال کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ﴾

اے ایمان والو راعنانہ کہواور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔(البقرہ:۱۰۴)

یہ تحریم اس لئے ہے کہ یہودی کہتے تھے "راعنا یا محمد" یعنی اپنے کان سے ہماری بات سینے اور ہماری رعایت کیجئے،اس سے وہ رعونت بمعنی نادانی یا بیوقوفی مراد لیتے تھے تو اس پر اللہ عزوجل نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور ہمیشہ کے لئے اس ذریعہ کی ممانعت فرماکر قطع کردیا تا کہ کفار ومنافقین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب وشتم اور استہزاء کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے ممانعت فرمائی کہ اس کے لفظوں میں مشارکت تھی اس لئے کہ یہودیوں کے یہاں اس کے معنی "اِسْمَعْ لَا سُمِعْتَ" ہے یعنی سنئے اور آپ کی سنی جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ قلت ادب اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی گئی کیونکہ لغت انصار میں اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہم آپ کی رعایت کریں گے تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا کیونکہ ضمناً یہ بات پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ کی رعایت کے ساتھ ہی وہ رعایت کریں گے حالانکہ آپ ﷺ کی رعایت ہر حال میں واجب ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر نام رکھنے کی ممانعت فرمائی، چنانچہ فرمایا: میرے نام کے ساتھ تو نام رکھو لیکن میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت نہ رکھو، تا کہ آپ ﷺ کی ذات شریفہ اذیت سے محفوظ و مصئون رہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ندا کا جواب دیا کہ وہ پکار رہا تھا: "یا أَبَا الْقَاسِمِ"۔ تب اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا تھا میں تو فلاں کو پکار رہا تھا (صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۳ ص ۲۲ صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۳ ص ۱۲۸۴-۱۲۸۳-۱۲۸۲)، تو اس وقت آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر کنیت مقرر کرنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ کو اس کے سوا کسی اور کے پکارنے سے جو آپ ﷺ کو نہ پکارتا ہو یا نہ پہنچے اور منافقین اور استہزاء کرنے والوں کو آپ ﷺ کی ایذا رسانی اور منقصت کا موقع نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کو آواز دیں اور جب آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں تو وہ آپ ﷺ کی تکلیف دہی اور استخفاف کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو پکار رہے تھے، جس طرح شہدوں اور مسخروں کی عادت ہے، اس پر آپ ﷺ نے اپنی ہر طرح اذیت سے حفاظت فرمائی۔

علمائے محققین نے اس ممانعت کو آپ ﷺ کی مدت حیات ظاہری تک محمول کیا ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ ممانعت کی علت اذیت ہے وہ مرتفع ہو چکی اور اس حدیث میں لوگوں کے بکثرت مذاہب ہیں اس کے ذکر کا یہ مقام نہیں جو قول ہم نے بیان کیا

ہے وہ جمہور کا مذہب صواب ہے انشاء اللہ عزوجل، چونکہ اس کی ممانعت آپ کی تعظیم وتوقیر کے لئے پر میں استحباب ہے نہ کہ حرام قرار دینے کے لئے اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے نام رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے پکارنے کی ممانعت فرما دی تھی، اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ﴾ (النور:۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

اسی لئے تمام مسلمان آپ کو یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ سے پکارتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' سے بھی کچھ لوگ بعض حالتوں میں پکار لیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے وہ روایت نقل کی جو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے بھی منزہ رکھا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توقیر نہیں ہے۔

چنانچہ فرمایا: اپنی اولاد کا نام محمد رکھ کر انہیں برا بھلا بھی کہتے ہو (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۹-۴۸) اور مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ نام نبی پر کسی کا نام نہ رکھیں اسے ابوجعفر طبری نے نقل کیا اور محمد بن سعد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد تھا اور دوسرا شخص اس کو گالی دے رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا: اے محمد تیرے ساتھ اللہ عزوجل ایسا کرے اور بتائے، اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے (نام محمد کو) گالی دی جائے، خدا کی قسم میں محمد کہہ کر کبھی تجھ کو نہ پکاروں گا جب تک میں زندہ ہوں اور ان کا نام عبدالرحمن رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں

میں سے کسی نام پر نام نہ رکھا جائے اس میں ان کی عزت و تکریم ہے، چنانچہ ایسے ناموں کو بدل دیا اور فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام نہ رکھے جائیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ اس کی ممانعت کرنے سے باز رہے۔

حالانکہ مذہب صواب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ سب نام جائز ہیں اس دلیل سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق رہا ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے اپنی اولاد کا نام محمد یا اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی ہے، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے (سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰، سنن ترمذی کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۲۱۵) اور بلاشبہ حضور ﷺ نے اسم امام مہدی اور ان کی کنیت کی خبر دی ہے (سنن ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ ص ۳۴۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۴۷۷) اور یہ کہ آپ ﷺ ہی نے محمد بن طلحہ، محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ نام مقرر فرمائے تھے اور فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھر میں ایک محمد، دو محمد اور تین محمد ہوں، ہم پہلے اس بحث کو دو بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص و توہین ہوتی ہے

معلوم ہونا چاہیے اللہ عزوجل ہمیں اور تم کو توفیق دے کہ تمام وہ باتیں جس سے نبی کریم ﷺ کے لئے بطور سب (گالی) بولی جائے یا جس سے آپ ﷺ کی عیب جوئی ہوتی ہو یا آپ ﷺ کی ذات شریفہ یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اسوہ یا آپ ﷺ کے خصائل میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق سب (گالی) آپ ﷺ پر تعریض یا اس کے مشابہ لفظ بولے یا بر سبیل سب و شتم استخفاف با تحقیر و تصغیر شان کرے یا آپ ﷺ کی نکتہ چینی یا عیب جوئی کرے وہ سب گالی میں شمار ہوگا اور اس کا حکم گالی دینے والے کی طرح حکم قتل ہوگا، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور ہم ان اقسام میں سے جو اس مقصد پر میں کسی کو مستثنیٰ قرار نہ دیں گے اور نہ اس میں کسی طرح شک و شبہ کریں گے۔

خواہ وہ صراحتًا ہو یا اشارۃً، یہی حکم اس شخص کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کے نقصان کا خواہش مند ہو یا آپ ﷺ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب عالی کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی جہت عزیز کی طرف کوئی بے ہودہ یا فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا آپ ﷺ کو کسی ایسی مصیبت یا مشقت کے ساتھ عار دلائے جو آپ ﷺ پر گزری ہو یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ

ﷺ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے، (یہ سب آپ ﷺ کی اہانت و تنقیص میں شمار ہوں گی) ان تمام باتوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے علماء وائمہ فتوی کا اجماع رہا ہے (کہ جو کوئی گالی دے یا تنقیص شان کرے اسے قتل کر دیا جائے)۔

ابوبکر بن منذر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے وہ قتل کر دیا جائے، اور جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں امام مالک بن انس، لیث، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور یہی مذہب امام شافعی علیہ الرحمہ کا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض علیہ الرحمہ) یہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا اقتضاء یہی ہے، ان علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور (امام اعظم) ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری و اہل کوفہ اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ سب فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے اور اس کے مثل ولید بن مسلم علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت نقل کی ہے۔

اور طبری علیہ الرحمہ نے اس روایت کی مثل امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب سے نقل کیا کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی تنقیص کرے یا آپ ﷺ سے بے زار ہو یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے اور سحنون علیہ الرحمہ نے کہا کہ جو آپ کو گالی دے وہ مثل زندیق مرتد ہے۔

اسی بنا پر اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کی تکفیر کرنے میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس کا قتل کرنا حد کی بنا پر ہو گا یا کفر کی وجہ سے، جیسا کہ ہم انشاء اللہ عزوجل دوسرے باب میں اسے بیان کریں گے اور ہمیں ہم عصر علماء اور سلف امت کے مابین ایسے کے مباح الدم ہونے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں، بلاشبہ بکثرت علماء نے اس کے قتل و کفر پر اجماع نقل کیا ہے اور بعض ظاہریوں نے یعنی ابومحمد علی

بن احمد فارسی علیہ الرحمہ نے استخفاف کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کا اشارہ کیا ہے، حالانکہ مشہور وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سحنون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم نبی ﷺ اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا علم قتل ہے "وَمَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ كَفَرَ "یعنی جو اس کے کفر اور مستحق عذاب الٰہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے اور فقیہ ابراہیم بن حسین بن خالد علیہ الرحمہ نے ایسوں کے قتل کرنے کے حکم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مالک ابن نویرہ کو قتل کرنے سے حجت پکڑی ہے کیونکہ مالک ابن نویرہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے صَاحِبُکُمْ (تمہارے ساتھی سے) تعریض کی تھی۔

ابو سلیمان خطابی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کے قتل کے وجوب میں اختلاف کیا ہو جبکہ وہ مسلمان کہلاتا ہو اور ابن قاسم علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے "کتاب ابن سحنون" اور "مبسوط" اور "غنیۃ" میں کہا ہے اور اے مطرف علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے "کتاب ابن حبیب" میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کرے وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ نے "عتبیہ" میں کہا کہ جو بھی آپ ﷺ کو برا کہے یا گالی دے یا عیب جوئی کرے یا تنقیص شان کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا حکم امت مسلم کے نزدیک قتل زندیق کی مثل ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی توقیر اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور "مبسوط" میں عثمان بن کنانہ علیہ الرحمہ سے نقل ہے کہ جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے

اور امام (حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ چاہے وہ زندہ سولی پر چڑھادے یا اسے قتل کر دے۔

اور ابی مصعب اور اویس رحمہا اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے امام مالک علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہا یا گالی دی یا عیب جوئی یا تنقیص شان کر دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے کہ ہمیں اصحاب مالک رحمہم اللہ نے خبر دی ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیا علیہم السلام کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور اصبغ علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر حال میں ایسوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ چھپا کر کہے یا اعلانیہ کہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، اس لئے کہ اس کی توبہ مشہور نہیں ہو سکتی۔

اور عبداللہ بن عبدالحکم علیہ الرحمہ نے کہا کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور طبری علیہ الرحمہ نے اس کے مثل اشہب علیہ الرحمہ سے وہ امام مالک علیہ الرحمہ سے حکایت کی ہے۔

اور ابن وہب علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کیا کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر ایسی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ دریدہ (پھٹی ہوئی) ہے اور اس کی مراد اس سے عیب جوئی ہو تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض مالکی علماء فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی نبی کے لئے ویل کی یا کسی مکروہ شے کی بد دعا کی وہ بلا توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابسی علیہ الرحمہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے

حق میں حمال (بوجھ اٹھانے والا) ابو طالب کا یتیم کہا تھا۔

اور ابو محمد بن زید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتوی دیا جو ایسی قوم سے سنے کہ وہ قوم نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہی ہو اور اتفاقاً ان میں ایک ایسا مرد گزرے جو بد صورت اور بد ریش ہو پھر وہ قوم سے کہے اگر تم حضور (ﷺ) کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو آپ (ﷺ) (معاذ اللہ) اس بد صورت اور بد ریش گزرنے والے شخص کی طرح تھے۔

ابو محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ اس نے یقیناً جھوٹ بکا اللہ عزوجل کی اس پر لعنت اور ایسی بات کسی سلیم الایمان کے دل سے نہیں نکلتی۔

اور احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون علیہ الرحمہ نے کہا جو کہے نبی کریم ﷺ سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے، اور انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس سے کہا گیا کہ نہیں اور قسم ہے رسول اللہ ﷺ کے حق کی تو اس نے کہا کہ خدا رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بری بات ذکر کی تو اس سے کہا گیا اے اللہ عزوجل کے دشمن تو کیا بکتا ہے تو اس پر اس نے پہلے سے زیادہ سخت بات کہی پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے بچھو مراد لیا تھا، اس پر ابن سلمان علیہ الرحمہ نے اسے جواب دیا جس نے ان سے ایسی بات دریافت کی تھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں تیرا شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ (تو اسے قتل کر دے گا) اس کے قتل و ثواب میں تیرا شریک ہوں۔

حبیب ابن ربیع علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صریح میں دعوی تاویل نا قابل قبول ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توہین و تحقیر ہے اور یہ شخص آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا ادا کرنے والا نہیں ہے لہذا اس کے خون کا مباح ہونا واجب ٹھہرا، اور ابو عبداللہ بن عتاب علیہ الرحمہ نے اس عشر لینے والے پر قتل کا فتوی دیا جس نے کسی شخص سے کہا تھا، مجھے عشر ادا کر دو اور اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ

سے کرو اور اس نے کہا کہ اگر میں نے مانگا ہے یا نادانی کی ہے تو (معاذ اللہ) حضور (ﷺ) نے نادانی کی اور انہوں نے مانگا۔

اور فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کرنے اور سولی دینے کا متفقہ فتوی دیا کیونکہ اس کے اوپر گواہی گزری کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے کیونکہ اس نے مناظرہ کے دوران حضور ﷺ کو یتیم اور حیدر کا ختن (حیدرہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خسر) کہہ کر خطاب کیا تھا اور دعوی کیا کہ آپ کا زہد اختیاری نہ تھا اور اگر آپ قدرت رکھتے تو طیبات کھاتے اور اس قسم کے اور خرافات بکے تھے۔ (معاذ اللہ)

اور قیروان کے فقہاء اور سحنون علیہ الرحمہ کے اصحاب نے ابراہیم فزاری کو قتل کرنے کا فتوی دیا حالانکہ وہ ایک شاعر اور اکثر علوم کا ماہر تھا۔

اور قاضی ابوالعباس بن طالب کی مجلس مناظرہ میں حاضر ہوا کرتا تھا پس اس پر بہت یہ ایسی بے ہودہ باتیں ثابت ہوتیں جس میں اللہ عزوجل انبیاء کرام علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں استخفاف واستہزاء تھا، اس پر قاضی یحیی بن عمر علیہ الرحمہ وغیرہ فقہاء نے اسے عدالت میں طلب کیا اور اسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور الٹا کر کے سولی دی گئی پھر اتارا گیا اور آگ میں جلایا گیا۔

اور بعض مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب اس کی سولی کا تختہ اٹھایا گیا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں علیحدہ ہوا تو تختے نے چکر کاٹا اور اسے قبلہ سے پھیر دیا تو یہ تمام کے لئے عبرتناک نشانی تھی اور لوگوں نے تکبیر بلند کی پھر ایک کتا آیا اور اس کے خون کو چاٹا۔

اس پر یحیی بن عمر علیہ الرحمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا اور آپ ﷺ کی ایک

حدیث ذکر کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کتا کسی مسلمان کا خون نہیں پیتا ہے۔

قاضی ابو عبداللہ بن مرابط علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو ہزیمت ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی۔

اس لئے کہ یہ مسلمان پر جائز نہیں خاص کر آپ ﷺ کے حق میں یہ کہے، کیونکہ آپ کو اپنے معاملہ کا انجام معلوم اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔ حبیب بن ربیع قروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے حق میں ایسی بات کہے جس میں تنقیص شان ہو اسے بلا توبہ لئے قتل کر دیا جائے۔

ابن عتاب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت دونوں اس شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتے ہیں جو نبی کریم کی ایذا یا منقصت کا ارادہ کرے خواہ وہ تعریضا ہو یا تصریحا اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ ہر اس بات سے جن کو علماء نے گالی یا منقصت میں شمار کیا ہے، اس کے قائل کو قتل کرنا واجب ہے، اس میں متقدمین و متاخرین علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہے بھی تو اس میں جس کا ہم نے اشارہ کیا (یعنی بلا توبہ لئے قتل کیا جائے یا توبہ قبول نہ کی جائے وغیرہ) اور اسے ہم بعد میں بھی بیان کریں گے۔ علی ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو آپ ﷺ پر کوئی عیب لگائے یا آپ کے بکری چرانے یا سہو و نسیان یا سحر یا وہ زخم جو آپ ﷺ کو کبھی کبھی لگے یا جو بعض لشکروں کو ہزیمت ہوئی یا جو آپ ﷺ کے دشمن سے اذیت پہنچی یا اہل زمانہ سے جو تکلیف پہنچی یا جو بیویوں کی طرف آپ ﷺ کا میلان تھا وغیرہ سے آپ ﷺ کو عار دلائے، پس ان تمام باتوں کا حکم جو آپ ﷺ کی اس کے ذریعہ تنقیص شان کا ارادہ کرے قتل کر دینا ہے، اس بارے میں علماء کے مذاہب کچھ تو گزر چکے اور آگے بھی آرہے ہیں جو اسی پر دلالت کریں گے۔

پہلی فصل

دلائل وجوب قتل

اب وہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں جس کی بنا پر اس شخص کا قتل واجب ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے (اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ) اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا رسانی کے ساتھ ملایا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو آپ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے، بلاشبہ لعنت کا وہی مستوجب ہوتا ہے جو کافر ہو اور کافر کا حکم قتل ہے، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔ (الاحزاب:۵۷)

اور مومن کے قاتل کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لہذا دنیا میں اس کی لعنت قتل ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾

پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ (الاحزاب:۶۱)

اور لڑنے والوں کے بارے میں اور ان کی سزا کے بیان میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا﴾ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔ (المائدہ:۳۳)

اور کبھی قتل کے معنی لعنت کے آتے ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ مارے جائیں دل سے

تراشنے والے۔ (الذریت:۱۰)

اور فرمایا: ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کئے جاتے ہیں۔ (التوبہ:۳۰)

مطلب یہ کہ اللہ عزوجل ان پر لعنت کرے اور اس لئے ان دونوں کی ایذا اور مومنین کی ایذا کے مابین فرق ہے کہ مومنین کے ایذا کی سزا قتل سے کم مارنا اور پیٹنا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے والے کی سزا اس سے سخت ہے اور وہ قتل ہے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ (النساء:۶۵)

پس اللہ عزوجل نے ایمان کے نام کو سلب کر لیا جس کے سینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر تنگی پائی جائے اور وہ اسے تسلیم نہ کرے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص کی بلاشبہ اس نے اس حکم کو توڑا اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾

اے ایمان والو اپنی آواز میں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ (الحجرات:۲)

حالانکہ عمل کو صرف کفر ہی ضائع کرتا ہے اور کافر قتل کیا جاتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾

اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا (سلام) کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔ (المجادلہ:۸)

پھر فرمایا: ﴿ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾

انہیں جہنم بس (کافی) ہے اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام۔ (المجادلہ:۸)

اور فرمایا: ﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾

اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان ہیں۔ (التوبہ:۶۱)

پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (التوبہ:۶۱)

اور فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (۶۵) لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (التوبہ:۶۵-۶۶)

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے جو تم نے کہا ہے وہ تم نے کفر کیا ہے، اب رہا اجماع کا حال! تو ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے لیکن حدیثوں کا حال یہ ہے کہ:

حدیث : سیدنا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کردو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی تو اسے مارو۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی نسبت آپ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول (ﷺ) کو ایذا دیتا ہے اور اس کی طرف اس شخص کو بھیجا جس نے دھوکہ دے کر بغیر دعوت اسلام قتل کر دیا بخلاف اس کے سوا دوسرے مشرکین کے (صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ ص ۸۶، صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ ص ۱۴۲۵) (کہ انہیں بغیر دعوت اسلام قتل کا حکم نہ فرمایا) اس کی علت یہ بتائی کہ وہ آپ کو ایذا دیتا تھا تو یہ خصوصیت کی ساتھ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اذیت رسانی کی بنا پر تھا۔

یہی حال ابو رافع کے قتل کا ہے۔(صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۷۷) براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا، اس طرح آپ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اس کی دونوں باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۳ ص ۶۲، بخاری جلد ۳ ص ۱۵، مسلم کتاب الحج جلد ۲ ص ۹۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون وہ شخص ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے، تب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں، تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۴ ص ۵۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے اس گروہ کفار کو قتل کرنے کا حکم فرمایا جو آپ ﷺ کو ایذا دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد ایک گروہ کفار کے قتل

کرنے کا وعدہ صحابہ سے لیا، چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے بجز اس کے جو اس پر گرفت سے پہلے اسلام میں سبقت کر گیا اور بزار علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط وغیرہ نے پکارا: اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے درمیان گھر کر قتل ہو رہا ہوں۔ (مجمع الزوائد، جلد ۶ صفحہ ۸۹) اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے اس کفر و افتراء کی وجہ سے جو اللہ عزوجل کے رسول (ﷺ) پر باندھتا تھا۔

عبدالرزاق علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے، اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں، چنانچہ وہ اس سے لڑے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۰۷)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے تو اس کی طرف سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کی طرف بھیجا تا کہ یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔

(دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۱ ص ۲۸۳، عبدالرزاق جامع جلد ۱ ص ۲۶)

اور ابن قانع علیہ الرحمہ یہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں نے اپنے باپ کو آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے سنا تو میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ بات نبی کریم ﷺ پر گراں گزری۔

مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے یمن کے والی تھے خبر پہنچی کہ اس جگہ مرتدین میں سے ایک عورت ہے جو گانے میں نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی ہے، تو انہوں نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس کے اگلے دانت اکھیڑ ڈالے، جب اس کی خبر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان سے فرمایا: کاش اگر تم ایسا نہ کرتے تو یقینا میں تم کو اس عورت کے قتل کرنے کا حکم دیتا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی حظمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی بدگوئی کرتی تھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو میری جانب سے اس کا بدلہ لے؟ تب اس کی ہی قوم کے ایک مرد نے کہا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور آپ ﷺ کو خبر دی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: دو بکریاں سینگ نہیں مارتیں (محاورہ عرب میں یہ ایک مثل ہے)۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد (باندی) تھی جو حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اس پر وہ اسے ڈانٹتا جھڑکتا تھا مگر وہ باز نہ آتی تھی، چنانچہ ایک رات جب وہ حضور ﷺ کو گالیاں دینے گئی تو اس نابینا نے اسے قتل کر دیا اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس کے خون کو ضائع کر دیا۔

(سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۴ ص ۵۲۸، سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ ص ۱۰۷)

ابی برزہ اسلمی علیہ الرحمہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے ایک مسلمان مرد پر غصہ فرمایا۔ (ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۴ ص ۵۳۰، نسائی کتاب الحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷) قاضی اسماعیل علیہ الرحمہ اور دیگر ائمہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اس نے

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی اور اسے نسائی علیہ الرحمہ نے روایت کیا کہ میں (یعنی ابوبرزہ) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور اس نے ان کو جواب دیا، تب میں نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ بات سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے جائز نہیں، قاضی ابومحمد بن نصر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی نے مخالفت نہیں کی۔

اسی حدیث سے ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو ناراض کرے خواہ وہ کسی قسم کا ہو یا آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائے یا آپ ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دینا چاہئے۔

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اپنے کوفہ کے والی کو ایک خط میں تحریر فرمایا، چونکہ والی کوفہ نے آپ سے اس شخص کے بارے میں مشورہ طلب کیا تھا جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی تو اس کے جواب میں لکھا کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مرد مسلم کا قتل حلال نہیں ہے بجز اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، تو جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس کا خون حلال ہے۔

ہارون رشید علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے ایک شخص کے بارے استفسار کیا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تھی اور ذکر کیا کہ فقہائے عراق رحمہم اللہ نے تو کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے، اس پر امام مالک علیہ الرحمہ نے غضبناک ہو کر فرمایا: امیر المومنین کسی نبی کو گالی دینے کے بعد وہ امت میں باقی نہیں رہتا اسے قتل کر دینا چاہئے اور جو اصحاب نبی ﷺ کو گالی دے اس پر کوڑے مارنے چاہئیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس قسم کی روایتیں بکثرت امام مالک علیہ الرحمہ کے

مناقب میں ان کے اصحاب سے منقول ہیں اور مولفین اخبار وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ عراق کے وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے ایسا فتوی دیا ہے حالانکہ ہم نے عراقیوں کا مذہب بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی قتل کا فتوی دیتے ہیں، ممکن ہے کہ ایسا کوئی فقیہ ہو جو مشہور نہ ہو یا یہ کہ اس کے فتوے پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو یا اس کا میلان اپنی خواہشات کی طرف ہو یا یہ کہ اس نے سب (گالی) پر محمول نہ کیا ہو اور اس میں اختلاف ہو، آیا اس میں گالی ہے یا نہیں! یا یہ کہ قائل نے اپنی گالی سے رجوع و توبہ کر لی ہو، پس امام مالک علیہ الرحمہ سے اسے بالکل ذکر نہ کیا ہو ورنہ اجماع تو یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اسے قتل کر دیا جائے، جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ باعتبار نظر و فکر بھی یہ دلالت کر رہی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کی تو اس کے دل کے مرض کی علامت ظاہر ہو چکی اور اس کا سر باطن اور کفر آشکارا ہو چکا، اس بنا پر اکثر علماء نے ردت کا حکم نہیں دیا، یہ امام مالک اور اوزاعی رحمہا اللہ سے شامیوں کی روایت ہے اور ایک قول ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ اور علماء کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دلیل اس کے کفر کی ہے لہذا حداً اسے قتل کر دیا جائے، اگرچہ اس کے کفر کا بغیر اس کے علم نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے قول کا پابند ہو یا حضور ﷺ کے لئے اپنے قول کا منکر ہو اور نہ اس سے باز آتا ہو لہذا ایسا شخص کافر ہی ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا کلمات استہزاء زم ہوں اور وہ اس کا معترف ہو اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو، تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ ان کلمات کو حلال جانتا ہے اور ان کلمات کا حلال جاننا کفر ہے اور قائل کافر ہے بلا اختلاف، اللہ عزوجل نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ

﴿ اِسْلَامِهِمْ ﴾

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اس میں آکر کافر ہو گئے۔ (التوبہ:۷۴)

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ جو کچھ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں، ایک قول یہ ہے ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری مثال اور حضور ﷺ کی مثال نہیں ہے مگر یہ کہ بقول قائل (معاذ اللہ) ایک فربہ کتا جو تجھ کو کھاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ:

﴿ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾

مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت ذلت والا ہے۔ (المنافقون:۸)

اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے یہ کہا تھا اگرچہ اس نے اسے چھپایا تھا مگر اس کا حکم زندیق کا ہے کہ قتل کیا جاتا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے بلا شبہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنا دین (اسلام) بدل ڈالے تو اس کی گردن مار دو اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ کی حرمت کا حکم اپنی امت کی حرمت سے بہت زیادہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کی امت کی حرمت کو گالی دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے تو لامحالہ وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے اس کی سزا قتل ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت بہت بلند اور آپ کی کا مرتبہ امت کے مرتبہ (بلکہ ساری مخلوق کے مرتبہ سے) کہیں زیادہ ہے۔

دوسری فصل

بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کرایا جس نے آپ کو السّام علیکم کہا تھا حالانکہ یہ آپ ﷺ پر بددعا ہے اور نہ اس کو قتل کرایا جس نے کہا تھا کہ یہی وہ تقسیم ہے جس کا اللہ عزوجل نے ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو ایذا دینا چاہتا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہت زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایذا دیئے گئے ہیں مگر انہوں نے صبر فرمایا، اور نہ ان منافقین کو قتل کرایا جو بسا اوقات حضور ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں تم کو توفیق خیر دے کہ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کی تالیف قلوب کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور ایمان کو جاگزیں کرتے اور اس کی خوبی ظاہر کرتے اور ان کے دلوں میں اسے رچاتے اور ان کی خاطر مدارات کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو تمہارے پاس آسان کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ کہ نفرت دلانے کے لئے اور فرماتے کہ آسانی اختیار کرو، مشقت میں نہ پڑو، اطمینان حاصل کرو نفرت نہ کرو اور فرماتے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ تو اپنے ہی ہمنشیں کو قتل کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کفار و منافقین کی مدارات کرتے، ان سے حسن اخلاق اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے اور ان کے جور و ستم پر صبر فرماتے تھے

جو کہ آج ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان پر صبر کریں مگر آپ ان پر داد و دہش اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے، اسی بناء پر اللہ عزوجل نے آپ کو حکم فرمایا کہ

﴿ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔ (المائدہ:۱۳)

اور فرمایا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾

کاتی برائی کو بھلائی سے ٹال بھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔ (حم السجدہ:۳۴)

یہ حالت ابتدائے اسلام میں تالیف قلوب کے لئے لوگوں کو ضرورت کے لحاظ سے تھی تا کہ وہ کلمہ طیبہ پر جم جائیں جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ عزوجل نے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دیا تب آپ ﷺ نے حسب بقدرت انہیں قتل کرایا اور اللہ عزوجل کا حکم مشہور فرمایا جیسا کہ آپ نے ابن خطل کے ساتھ کیا اور وہ عہد لیا جو فتح مکہ کے روز ان کے قتل کے لئے تھا اور یہود وغیرہ میں جن پر آپ ﷺ قادر ہوئے ان کو دھوکہ اور بزور قتل کرایا اور ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی محبت میں داخل اور مظہرین اسلام کی جماعت میں شامل نہ تھے اور وہ آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے تھے انہیں قتل کرایا جیسے کہ ابن اشرف، ابو رافع، نضر اور عقبہ وغیرہ اور اسی طرح ان کے سوا اور لوگوں کے خون کو ضائع

فرمایا جیسے کہ کعب بن زہیر اور زبن زبعری وغیرہ جو کہ آپ کو ایذا دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔

اور منافقین کی حالت چونکہ مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے اور ان (بیہودہ) کلمات کو انہیں سے جو انہیں کے ہم مشرب تھے پوشیدہ طور پر کہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے اور جو انہوں نے کہا اس کے منکر ہو جاتے تھے:

﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾

اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔ (التوبہ:۷۴)

علاوہ بریں آپ ﷺ آرزو رکھتے تھے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لیں اور توبہ کر جائیں اس لئے آپ ﷺ نے ان کی اہانتوں اور ان کے جور و ستم پر صبر فرمایا جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور دل سے وہ مخلص ہو گئے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں بن گیا، اس کے بعد اللہ عزوجل نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نفع پہنچایا اور بکثرت لوگ دین کے حامی و مددکار اور معین و ناصر ہو گئے، جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔

یہی جواب ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ اس سوال میں دیتے ہیں اور کہا کہ ممکن ہے کہ جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا ہو تو آپ ﷺ پر ان کے اقوال کا (شرعی) ثبوت نہ ملا ہو اور جس نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچائی ہو دو مرتبہ شہادت (شرعیہ) اس باب میں کامل نہ ہو مثلاً بچہ ہو یا غلام یا عورت ہو، کیونکہ خون بہانا دو عادل (گواہان) کی شہادت سے مباح ہوتا ہے اور اس پر یہود کا وہ کلمہ محمول کرنا چاہئے جو اس نے "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" کہا تھا ممکن ہے کہ وہ اس کلمہ کو منہ موڑ کر کہتے ہوں اور اسے صاف نہ کہتے ہوں، کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس پر مطلع ہوئیں، اگر وہ صاف طور پر اسے کہتے تو صرف ایک فرد ہی کو معلوم نہ ہوتا، اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہود کے کردار، صدق کی کمی اور ان کی خیانت پر ہوشیار فرمایا کہ وہ سلام کرنے میں بچے نہیں ہیں وہ اپنی زبانوں کو نرم کر کے دین میں طعنہ زنی کے طور پر کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" کہتے ہیں تو عَلَيْكُمْ کہہ دیا کرو۔

ہمارے بعض بغداد کے علماء نے فرمایا: حضور ﷺ کو منافقین کے بارے میں جو علم تھا محض اپنے علم کی بنا پر انہیں قتل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شرعی قائم نہ ہوتی تھی، اس وجہ میں ان کو چھوڑ دیا گیا، نیز یہ بات بھی ہے کہ ان کا نفاق سر باطنی تھا اور ان کی ظاہری حالت اسلام و ایمان پر تھی اور عہد و پڑوس کے سبب اہل ذمہ میں داخل تھے اور ان کا اسلامی دور بہت قریب تھا اور انہیں (پوری طرح) کھرے اور کھوٹے میں امتیاز حاصل نہ تھا۔

باوجود مذکورہ حالت اور متہم بالنفاق ہونے کے عرب میں جماعت مومنین اور صحابہ سید المرسلین اور دین کے مددگاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اب اگر ان کی ظاہری حالت کے بموجب نبی کریم ﷺ باطن کے نفاق اور ان باتوں کی بنا پر جو ان سے ظاہر ہوتی تھیں اور اس علم کی وجہ سے جو وہ دلوں میں چھپاتے تھے قتل کر دیتے تو ضرور نفرت کرنے والا وہی کچھ کہتا اور یقیناً بے دین شک میں پڑ جاتے اور معاندین باتیں بناتے اور آپ کی صحبت اور دخول اسلام میں بکثرت ڈرنے لگتے، یقیناً گمان کرنے والا گمان کرتا اور دشمن ظالم خیال کرتا کہ آپ کا قتل کرنا دشمنی اور بدلا لینے کے لئے تھا۔

اور جو مفہوم و معنی میں نے بیان کئے ہیں وہی امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ (حضور ﷺ) اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں اور فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل کرنے سے اللہ عزوجل نے مجھے منع فرمایا اور یہ حکم

ان ظاہری احکام کے برخلاف ہے جو ان پر جاری ہیں مثلاً زنا کے حدود اور قصاص قتل وغیرہ کیونکہ وہ تو ظاہر ہیں اور ان کے علم میں ہے کہ یہ سب کے لئے برابر ہے۔

محمد بن مؤاز رحمہ اللہ نے کہا اگر منافقین کا نفاق ظاہر و ثابت ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ ضرور قتل کر دیتے، اسے قاضی ابوالحسن بن قصار رحمہ اللہ نے نقل کیا اور قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾

اگر باز نہ آئیں منافق۔ (الاحزاب:۶۵)

باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ (ﷺ) کو ان پر برانگیختہ کریں گے پھر ان کو اقامت نصیب نہ ہو گی مگر تھوڑے دن ملعون ہو کر جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں گے، یہ خدا کی سنت ہے، قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ اپنا نفاق ظاہر کر دیں گے اور محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے "مبسوط" میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (التوبہ:۷۳)

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس قول میں یعنی "یہی وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضامندی مراد ہے" اور اس کا یہ قول ہے کہ انصاف فرمائے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پر طعن و تہمت کا مفہوم نہ لیا ہو بلکہ اسے دنیاداروں کی مصلحت کی طرح رائے اور امور دنیاوی میں ایک غلطی خیال فرمائی ہو اور اس سے آپ ﷺ نے گالی دینا مراد نہ لی ہو یعنی یہ ان اذیتوں میں سے ہو جس کو آپ ﷺ معاف کرتے اور ان پر صبر فرماتے رہے ہیں۔

لہذا اسی بنا پر آپ ﷺ نے اسے سزا نہ دی اور اسی طرح اس یہودی کے بارے میں کہا جاتا ہے جبکہ

انہوں نے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ (آپ پر موت ہو) کہا کیونکہ اس میں بھی صریح گالی اور بددعا نہیں ہے (چونکہ وہ منہ میں پھیر کر بولتے تھے) مگر وہی جو کہ ضروری ہے یعنی وہ موت جو کہ عام انسانوں کے لئے لازمی ہے، ایک قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ تمہارا دین غم زدہ ہو کیونکہ اَلسَّامُ اور اَلسَّائِمَۃُ کے معنی ملال کے ہیں اور اس پر بددعا ہو جس نے دین کو چھوڑا ظاہر ہے یہ صریح گالی نہیں ہے، اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کے باب میں یہ ترجمہ باندھا کہ میں اس امر کا باب ہے کہ یہودی وغیرہ نے حضور ﷺ کو اشارۃ گالی دی ہے۔ ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ گالی نہیں ہے بلکہ یہ اشارۃ اذیت ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں گالی اور اذیت برابر ہے، قاضی ابو محمد بن نصر علیہ الرحمہ نے اس حدیث میں بعض وہ جوابات دیتے ہوئے جو گزر چکے، فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کیا یہ یہودی ذمی یا معاہد میں سے تھا یا حربی اور محتمل امور میں مقتضائے دلالت کو چھوڑا نہیں جاتا، لہٰذا ان تمام باتوں میں سب سے بہتر اور اظہر وہ وجہ ہے جس سے تالیف قلب اور دین میں مدارات مراد لی ہے، ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں، اسی لئے امام بخاری اس حدیث کا میں ترجمہ باب باندھا کہ "باب اس بیان کا کہ خوارج کو تالیف کے لئے اور اس لئے کہ لوگ آپ ﷺ سے نفرت نہ کریں قتل نہ کرنا"، حالانکہ یہی مطلب ہم امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف سے بیان کر چکے ہیں۔

اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے جادو اور زہر پر صبر فرمایا اور یہ فعل تو گالی سے بڑھ کر ہے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی اور آپ ﷺ کو اذن دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے اس کی مدد کی اور ان کو ان کے قلعوں سے نکال دیں اور اللہ عزوجل نے

ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اللہ عزوجل نے انہیں سے جسے چاہا جلاوطنی مقدر کردی اور ان کے شہروں سے انہیں نکلوادیا، ان کے گھروں کو انہیں کے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرایا اور انہیں علی الاعلان برا بھلا کہا گیا چنانچہ کہا کہ اے بندروں اور خنزیر کے بھائیو! اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا، ان کو ان کے پڑوسیوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ان کی اراضیات مکانات اور اموال کا مالک بنادیا تاکہ اللہ عزوجل کا بول بالا اور کفار کا بول نیچا ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حدیث صحیح میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی اپنی جان کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ جہاں حرمت الٰہی پائمال ہوتی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۵۱، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ ص ۱۸۱۳) تو اللہ عزوجل کے لئے بدلہ لیا۔

تو (جواب میں) معلوم ہونا چاہئے یہ حدیث اس کی مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ کو گالی دی یا اذیت پہنچائی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی، کیونکہ یہ بھی تو ان حرمات الٰہیہ میں سے ہے جس کا بدلہ لینا چاہئے اور بلاشبہ آپ ﷺ نے اپنی جان و مال اور قول و افعال کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوء ادب یا معاملات سے ہے جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہل عرب کی سابقہ سرشت کی بنا پر تھی کہ وہ ظلم و جفا اور نادانی کے خوگر تھے، یا وہ کہ انسان جس کا عادی ہوتا ہے۔

جیسے کہ اس بدوی کا قصہ جس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک اتنے زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۲ صفحہ ۵۷، مسلم کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳۱) یا جیسے کہ آپ ﷺ کے حضور میں کوئی جہیر الصوت اونچی آواز سے بولے (جامع ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ ص ۲۳، کتاب الدعوات جلد ۵ ص ۲۰۵، ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۳۸۲) یا جیسے کہ اس بدوی نے آپ ﷺ کے ہاتھ

گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے خرید لیا تھا (صحیح بخاری کتاب الاجارہ جلد ۲ صفحہ ۲۹ ۲۸، کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۷، صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲۱) جس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو (کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے) اس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا چونکہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ ہم آپ ﷺ کے فرمان پر توحید الٰہی پر ایمان لے آئے تو یہ تو ایک معاملہ ہے اس میں آپ ﷺ کیسے صادق نہ ہوں گے یا جیسے کہ آپ ﷺ کی دونوں بیویوں کے اتفاق کرنے پر اور بھی اسی قسم کی باتیں ہیں جن سے آپ نے درگزر فرمانا بہتر سمجھا۔

ہمارے بعض علماء (مالکی) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا حرام ہے اور افعال اباحتہ میں بھی یہ جائز نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو فعل مباح سے ایذا دینا وہ بات ہے کہ انسان سے ایسا فعل جائز ہے اگرچہ دوسرے اس سے ایذا محسوس کریں، انہوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان کی عمومیت سے استدلال کیا کہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ (الاحزاب:۵۷)

اور حضور ﷺ کے اس فرمان سے جو حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے استدلال کیا کہ "فاطمہ رضی اللہ عنہ میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی" خبردار میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ عزوجل نے حلال فرمایا لیکن اللہ عزوجل کے رسول (ﷺ) کی بیٹی اور اللہ عزوجل کے دشمن کی بیٹی بھی ایک شخص پر جمع نہ ہوں گی یا وہ اس قسم کی ایذا ہو جو کافر سے پہنچے

اور آپ ﷺ اس کے بعد اس کے اسلام لانے کی تمنا کریں جیسے اس یہودی کو معاف فرمادینا جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا اور اس بدوی سے درگزر کرنا جس نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۲۱، ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۲۳۸) یا اس یہودیہ سے چشم پوشی کرنا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا اس قبیل سے وہ اذیتیں ہیں جو آپ کو اہل کتاب اور منافقین وغیرہ سے پہنچی تھیں اور ان سے آپ نے درگزر کیا بایں امید کہ اس میں ان کی اور دوسروں کی تالیف ہو، جیسا کہ ہم نے توفیق الٰہی پہلے بیان کیا۔

تیسری فصل

بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم

قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو قصداً حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تحقیر کرے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ممکنات میں سے ہو یا محالات میں سے اسے قتل کر دیا جائے، یہ ایک کھلی وجہ ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، ایک وجہ دوسری بھی نکلتی ہے جو بیان وضاحت میں اس کے ساتھ شامل ہے وہ یہ کہ کہنے والے نے آپ ﷺ کے بارے میں بغیر قصد و ارادہ کے گالی دی یا تحقیر کی اور وہ اس کا معتقد بھی نہیں ہے، لیکن اس نے آپ ﷺ کے بارے میں وہ بات کہی جو کلمہ کفر ہے یعنی (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر لعنت کی یا گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا وہ بات منسوب کی جو کہ آپ ﷺ پر جائز نہ تھی یا اس چیز کی نفی کی جو آپ ﷺ کے لئے واجب و ضروری تھی۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے حق و مرتبہ کی تنقیص لازم آتی ہے مثلاً اس نے گناہ کبیرہ یا تبلیغ رسالت یا لوگوں کے درمیان کسی حکم میں مداہنت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی آپ ﷺ کی مرتبت، شرافت نسبی و وفور علم یا آپ ﷺ کے زہد و ورع سے غض بصر یعنی چشم پوشی اور پہلوتہی کی یا اس چیز کی تکذیب کی جو آپ ﷺ کی مشہور خبروں میں سے ہے یا متواتر خبروں کے رد کرنے کا قصد کیا یا آپ ﷺ کے لئے بے وقوفی کی بات کہی یا قبیح کلمہ بولا جو گالی کی قسم میں ہو اگرچہ آپ

ﷺ کے حال میں دلیل کے ساتھ ہو اور اس سے آپ ﷺ کی برائی یا گالی دینے کا قصد وارادہ نہ ہو ان میں کسی ایک بات کا قائل سے صادر ہونا خواہ وہ جہالت کی وجہ سے ہو یا جبر و سکر (نشہ) نے اس پر اسے برانگیختہ کیا ہو خواہ بے پروائی زبان پر قابو نہ رکھنے یا کمی حافظہ یا طلاقت لسانی (تیز زبانی) کی وجہ سے ہوا ہو تو اس دوسری وجہ کا حکم بھی پہلی وجہ کے حکم کے موافق ہے کہ اسے بھی بلا توقف قتل کر دیا جائے۔

اس لئے کہ کفر میں کسی کے لئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اور نہ زبان کی لغزش اور نہ کسی اور نذر کا دعوی جس کو ہم نے بیان کیا قابل سماعت ہے جبکہ اس کی عقل و فطرت صحیح و سالم ہو بجز اس صورت کہ جس پر جبر و اکراہ ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہی فتوی علماء اندلس نے ابن حاتم پر دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے زہد کی نفی کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

محمد ابن سحنون علیہ الرحمہ ہیں کہتے ہیں کہ وہ قیدی جو دشمن کی حراست میں ہو پھر وہاں وہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہے قتل کر دیا جائے، مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے جبکہ اس کا نصرانی ہونا یا مجبور ہونا معلوم ہو جائے، ابو محمد بن زید علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ان امثال میں لغزش زبان کے دعوی کو عذر نہ قرار دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ نے اس شخص کے قتل کا فتوی دیا جس نے نشہ کی حالت میں آپ ﷺ کو گالی دی تھی کیونکہ اس پر یہ گمان ہے کہ وہ اس کا معتقد تھا اور بحالت ہوش یہی کہے گا اور یہ بھی بات ہے کہ نشہ حد کو ساقط نہیں کرتا مثلاً حد قذف قبل اور باقی تمام حدود شرعیہ اس لئے کہ نشہ کو اس نے خود اپنے پر طاری کیا ہے چونکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جو شراب پیتا ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو منکر و ممنوع ہیں، لہذا وہ اس حکم میں ہے جو قصدا کرے کیونکہ یہ نشہ اس کا خود اختیاری ہے اسی بنا پر تو ہم طلاق، عتاق، قصاص اور حدود کو لازم کرتے ہیں۔

اس (مسلمہ) قاعدے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو معارضہ میں نہ پیش کیا جائے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہا تھا کیا تم میرے باپ کے غلام نہیں ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۳ ص ۲۲، کتاب المغازی جلد ۵ ص ۷)

راوی کا کہنا ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان لیا کہ وہ نشہ میں ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کے پینے میں گناہ نہ تھا، اس وقت تک اس حالت میں جو بات صادر ہوتی تھی وہ معاف تھی، جیسا کہ نیند یا غیر مختل دوا کے پینے کے بعد ظاہر ہو۔

چوتھی فصل

ارشادات نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ان باتوں کی قصداً تکذیب کرے جسے آپ ﷺ نے فرمایا، یا آپ ﷺ لے کر آئے تھے یا آپ ﷺ کی نبوت ورسالت یا آپ ﷺ کے وجود کی نفی کرے یا آپ ﷺ کا انکار کرے، چاہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے دین وملت میں جائے یا نہ جائے بہرحال وہ بالاجماع کافر اور واجب القتل ہے۔

اس کے بعد غور کیا جائے گا پس اگر وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا حکم مرتد کے حکم کے مشابہ ہوگا اور اس کی توبہ قبول کرنے میں قومی اختلاف ہے اور دوسرے قول کی بنا پر اس کی توبہ اس پر حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا حق ہے، اگر اس نے کوئی تنقیص کی بات ذکر کی مثلاً جھوٹ وغیرہ اگرچہ اس نے اسے پوشیدہ کہا ہو تو اس کا حکم زندیق جیسا ہے کہ ہمارے نزدیک توبہ اس کے حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی، جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جس نے حضور ﷺ سے بیزاری ظاہر کی یا آپ کی تکذیب کی تو وہ مرتد حلال الدم ہے، بجز اس کے کہ وہ رجوع کرے۔

ابن القاسم علیہ الرحمہ (تلمیذ امام مالک ﷺ) اس مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں جس نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ نبی یا رسول نہیں یا یہ کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہیں ہوا اور یہ کہ قرآن تو

حضور ﷺ ہی کے اقوال ہیں اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن القاسم علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ سے کفر و انکار کیا تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے، اسی طرح جس نے اعلامیہ آپ ﷺ کی تکذیب کی وہ بھی مرد کے حکم میں ہے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، اسی طرح انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو خود ساختہ نبی بنے اور گمان کرے کہ اس کی طرف وحی (نبوت) آتی ہے (تو وہ مرتد اور قابل قبول توبہ ہے) اور یہ سحنون علیہ الرحمہ نے کہا۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ خواہ وہ (خود ساختہ نبی) اس کی اعلانیہ دعوت دے یا پوشیدہ طور پر، بقول اصبغ علیہ الرحمہ وہ مرتد ہے کیونکہ اس نے کتاب الٰہی سے کفر و انکار کیا اور اللہ عزوجل پر افتراء باندھا ہے۔

اشہب علیہ الرحمہ نے اس یہودی کے بارے میں کہا جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعوی کیا یا اس نے گمان کیا کہ وہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یا یہ کہ تمہارے نبی کے بعد نبی ہے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ اسے اعلانیہ کہتا ہے تو اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہے) کا جھٹلانے والا ہے اور اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں اللہ عزوجل پر افتراء باندھتا ہے۔

محمد بن سحنون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی اللہ عزوجل کی جانب سے لائے ہیں اس میں جس نے ایک حرف کا بھی شک کیا وہ کافر و منکر ہے اور کہا کہ جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے۔

سحنون علیہ الرحمہ کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم

ﷺ (معاذ اللہ) سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سیاہ فام نہ تھے اسی طرح ابو عثمان خداد رحمہ اللہ نے کہا اور فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ کی داڑھی آنے سے پہلے وفات پا گئے یا یہ کہ آپ ﷺ مقام تاہرت میں تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں تو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ یہ نفی ہے۔

حبیب ابن ربیع علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کسی صفت یا آپ ﷺ کے کسی مقام کو تبدیل یا اس میں تغیر کرنا کفر ہے اور اس کے ظاہر کرنے والا کافر ہے اور اس میں تو طلب کرنا ہے اور اس کا چھپانے والا زندیق سے بغیر توبہ قبول کے قتل کر دیا جائے۔

پانچویں فصل

مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم

چوتھی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اپنے کلام میں ایسی مجمل بات کہے یا گفتگو میں ایسا مشتبہ لفظ بولے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیا علیہم السلام پر محمول ہو سکتا ہو اور لفظ کی مراد میں اشتباہ واقع ہو کہ آیا وہ برائی سے خالی ہے یا نہیں تو یہی مقام محل نظر و فکر اور تعبیرات متحیر ہیں جس میں مجتہدین کا اختلاف اور مقلدین کے بچانے میں وقوف ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

چنانچہ ان میں سے بعض علماء پر تو نبی کریم ﷺ کی عظمت و حرمت غالب ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی عظمت و حرمت کے میلان کی حمایت کی ہے اور ایسے کے قتل کرنے کی جرات کی ہے اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے مشتبہ اور محتمل اقوال میں حرمت دم (قتل سے بچنے) کو بڑا جانا اور حد کو دور کیا ہے۔

ہمارے ائمہ (مالکی) نے اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھ اس پر قرض خواہ مذکور نے کہا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے جس نے آپ ﷺ پر درود بھیجا اس پر سحنون علیہ الرحمہ سے کہا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی ہے جس نے حضور پر یا ان فرشتوں پر جو آپ پر درود بھیجتے ہیں گالی دی ہے، کہا نہیں! جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں کہا ہو کیونکہ وہ

دل سے گالی نہیں دے رہا ہے اور ابو اسحاق برقی اور اصبغ بن الفرج رحمہم اللہ نے کہا اسے قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو گالی دی ہے، یہ قول سحنون علیہ الرحمہ کے قول کے موافق ہے اس لئے کہ انہوں نے غصہ کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر (صریح) گالی کو عذر قرار نہیں دیا لیکن اس صورت میں جبکہ ان کے نزدیک کلام مشتبہ اور محتمل ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو حضور ﷺ پر یا فرشتوں پر گالی دینا دلالت کرتا ہو اور نہ پہلے سے کوئی ایسی بات ہو جس پر یہ کلام مشتہر محمول ہوتا ہو بلکہ قرینہ دلالت کرتا ہو کہ اس سے مراد لوگ ہیں نہ کہ وہ حضرات! کیونکہ اس سے دوسرے شخص نے کہا کہ صَلَّ عَلَى النَّبِيِّ (حضور پر درود بھیج) تو اس کا جواب اور اس کی گالی اس شخص پر محمول ہوگی جو اس کے کہنے پر اس وقت درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے نے ہی اس کو غصے میں اس کا حکم دیا، سحنون علیہ الرحمہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اس کے موافق ان دونوں عالموں کا کہنا ہے۔

اور قاضی حارث بن مسکین علیہ الرحمہ وغیرہ کا اس مثال میں مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابوالحسن قابسی علیہ الرحمہ نے اس شخص کے بارے میں توقف کیا جس نے کہا کہ ہر کمانے والا دیوث ہے اگرچہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو، اس پر انہوں نے خوب سختی سے باندھنے اور اس پر شدت و سختی کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ وہ اپنا مفہوم الفاظ بتا دے کہ ان لفظوں سے اس کی کیا مراد ہے کیا وہ موجودہ زمانہ کے کرنے والے مراد لے رہا ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی نبی و رسول نہیں تو اس صورت میں اس کا حکم آسان ہے اور کہا اگر اس کے لفظوں کی مراد عام ہے یعنی گزشتہ و آئندہ کے ہر کمانے والا اس کی مراد ہے تو چونکہ گزشتہ زمانہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی کمانے والے تھے (تو اس کا وہی حکم ہے) کہتے ہیں اور جب تک کسی مسلمان پر صاف طور پر بات واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے اور جہاں کہیں تاویلات وارد ہوتے ہوں تو ضروری ہے

کہ اس میں غور و فکر کیا جائے، یہی مطلب ان کے کلام کا ہے۔

ابو محمد بن ابو زید رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا کہ اہل عرب پر اللہ عزوجل کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ عزوجل کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو، تو انہوں نے بیان کیا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ظالم لوگ ہی مراد ہوں گے، ایسے شخص پر سلطان کی رائے کے مطابق تادیب کرنی چاہئے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں انہوں نے فتوی دیا جس نے کہا کہ اس پر اللہ عزوجل کی لعنت جس نے شراب حرام کی اور کہے کہ میں نہیں جانتا کس نے حرام کی (اور ایسا ہی فتوی اس شخص کے بارے میں دیا) جس نے حدیث "لَا یَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ" پر لعنت کی یا اس پر لعنت کی جو اسے لایا ہے تو اگر وہ جاہل ہے اور سنن (احادیث) کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو اسے معذور جان کر دردناک تادیب کا مستحق قرار دیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ بظاہر اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا نہیں چاہا بلکہ اس نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس نے لوگوں میں اس کی حرمت بیان کی ہے جیسا کہ سحنون علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کا فتوئی پہلے گزر چکا۔

یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے جو عام طور پر بے وقوف لوگوں میں رائج ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی بدخوئی کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ان کے آباؤ اجداد میں بہت سے نبی بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گنتیاں اور شمولیتیں تو سیدنا آدم علیہ السلام تک جا کر ختم ہوتی ہیں اس بنا پر وہ زجر و توبیخ کا سزاوار بنتا ہے اور اس کی جہالت کی باتوں کو ظاہر کیا جائے اور اس میں خوب سختی سے سزا دی جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی گالی کا قصد کیا ہے جو اس کے آباؤ اجداد میں داخل ہیں تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس قسم کے مسائل میں کلام کرنا اور حکم دینا بھی دشوار ہوتا ہے، (مثلا) اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ عزوجل بنی ہاشم پر لعنت کرے اور کہے کہ میں نے تو ان کے ظالم لوگ مراد لئے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد میں سے کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس کے آباؤ اجداد یا اس کی نسل یا اس کی اولاد میں ہی بری باتیں چلی آرہی ہیں اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد میں سے ہے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے آباؤ اجداد کے بعض افراد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس کی گالی سے جس کو وہ دے رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مستثنیٰ کئے جا سکیں۔

اور ابو موسیٰ بن مناس علیہ الرحمہ کو میں نے دیکھا، انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی سے کہا تھا کہ تجھ پر حضرت آدم علیہ السلام تک اللہ عزوجل کی لعنت ہو، اگر اس سے یہ بات ثابت ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

قاضی (عیاض علیہ الرحمہ) بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے مخالف گواہ سے کہا کہ تو نے مجھ پر اتہام رکھا ہے، اس پر دوسرے نے کہا: نبیوں پر بھی تہمت لگائی گئی ہے، تیری کیا حیثیت ہے، تو اس صورت میں ہمارے مشائخ میں سے شیخ ابو اسحاق بن جعفر علیہ الرحمہ نے قتل کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر لفظ شنیع ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور علیہ الرحمہ قتل سے توقف رکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس لفظ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہو کہ کفار نے ان پر تہمت رکھی اور اس مسئلہ میں قاضی قرطبہ ابو عبداللہ بن الحاج علیہ الرحمہ نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور قاضی ابو محمد علیہ الرحمہ نے اس کو سخت وطویل قید کا حکم دیا پھر اس کے بعد اس سے قسم لی کہ جو کچھ اس کے برخلاف کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں ضعف واقع ہوا ہے جو اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں، اس کے بعد اسے چھوڑا۔

(قاضی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ) میں اپنے شیخ قاضی ابو عبداللہ بن عیسی علیہ الرحمہ کے پاس ان کے قضا کے دوران موجود تھا کہ ایک شخص لایا گیا کہ اس نے کسی ''محمد'' نامی شخص سے بے ہودہ بات کہی پھر ایک کتے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پاؤں سے مارا اور کہا:

اے محمد کھڑا ہو، پھر اس نے اس کا انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا، اس پر ایک جماعت نے اس کے خلاف گواہی دی تو انہوں نے اسے قید کرنے کا حکم دیا اور تفتیش حال کا حکم دیا کہ کیا وہ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہے جس کی دینی حالت میں شک و شبہ ہو جب اسے ایسا نہ پایا جس سے اس کی دینی اور اعتقادی حالت میں شبہ ہو سکے تو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔

چھٹی فصل

امثال سے گالی دینے کا حاکم

پانچویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل نے نہ تو تنقیص کا قصد کیا اور نہ عیب لگانے یا گالی دینے کا ارادہ کیا لیکن اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صفت کا پتہ لگتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی ایسی حالت کا جن کی نسبت دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جائز تھی بطریق ضرب المثل اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دلیل بنا کر بطور اشتشہباء بیان کرے یا اس سے تشبیہ دینے کے لئے ذکر کرے یا اس ظلم و نقصان کو بیان کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچے ہیں جس میں اطاعت نہیں ہے اور نہ بطریق تحقیق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہو کہ اس طرح اپنی یا دوسرے کی بلندی ظاہر ہو یا تمثیل میں اپنی فوقیت مقصود ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و توقیر مقصود نہ ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول سے تمسخر و ہنسی مقصود ہو۔

مثلاً کوئی قائل یہ کہے کہ مجھ میں برائی کہی جاتی ہے تو یہ بات تو نبی کے لئے بھی کہی گئی ہے یا یہ کہے اگر میں جھٹلایا گیا ہوں تو انبیاء علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں یا یہ کہ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو ان کی طرف بھی تو گناہ کی نسبت کی گئی ہے یا یہ کہ میں لوگوں کی زبانوں سے کیا بچوں گا حالانکہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی نہ محفوظ رہے یا یہ کہ میں نے صبر کیا جس طرح اولو العزم نے صبر کیا یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کیا یا یہ کہ اللہ عزوجل کے نبی نے بھی اپنے دشمنوں پر صبر کیا اور میرے صبر سے زیادہ برداشت کیا، جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

أَنَا فِيْ أُمَّةٍ تَدَارَكَهَا اللهُ غَرِيْبٌ كَصَالِحٍ فِيْ ثَمُوْدٍ

"میں اس امت میں مسافر ہوں جس کا تدارک اللہ عزوجل نے کیا ہے جیسے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام تھے"

اسی طرح کے وہ اشعار جو حد سے متجاوز ہو کر کلام میں بے پروائی اور سستی کرتے ہیں، جیسے معری کا شعر ہے۔

كُنْتَ مُوْسٰى وَافَتْهُ بِنْتُ شُعَيْبٍ غَيْرَ أَنْ لَّيْسَ فِيْكُمَا مِنْ فَقِيْرٍ

تم اس موسی کی طرح ہو جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھی مگر یہ کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے، (معاذ اللہ) اس شعر کا دوسرا مصرع سخت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عیب و تحقیر میں داخل ہے اور اس میں غیر نبی کو حال کے نبی پر فوقیت ہے، اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے کہ:

لَوْلَا إِنْقِطَاعُ الْوَحْيِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ قُلْنَا مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِيْهِ بَدِيْلٍ

اگر حضور کے بعد وحی منقطع نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ محمد اپنے والد کے بدل ہیں۔

هُوَ مِثْلُهٗ فِيْ الْفَضْلِ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَاْتِهٖ بِرِسَالَته جِبْرِيْلِ

"وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں بجز اس کے کہ رسالت کے ساتھ جبریل علیہ السلام ان کے پاس نہیں آئے"

اس فصل کے دوسرے شعر کا پہلا مصرع سخت ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ پر غیر نبی کو فضیلت دی ہے اور اس کے دوم مصرع میں دو وجہوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ اس فضیلت نے ممدوح کو ناقص کر دیا اور دوسری یہ کہ اس سے اس کو مستغنی کر دیا اور یہ تو بہت ہی سخت ہے، اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وَإِذَا مَا رُفِعَتْ رَأْيَاتُهٗ صَفَّقَتْ بَيْنَ جَنَاحَيْ جِبْرِيْلِ

اور جب اس کے جھنڈے اونچے ہوتے ہیں تو وہ جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں میں حرکت کرتے ہیں۔ اور ایک ہم عصر کا یہ شعر ہے کہ:

فَرِمَن الْخُلْدِ وَاسْتَجَارَ بِنَا فَصبَّرَ اللّٰهَ قَلْبَ رِضْوَانِ

وہ جنت سے بھاگ کر ہماری پناہ میں آیا تو اللہ عزوجل جنت کے دل کو صبر دے۔

اسی طرح شعراء اندلس میں سے حسان مصیصی کا یہ شعر محمد بن عباد المعروف بہ معتمد اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدوں کے لئے ہے۔

کَانَ اَبَابَكْرٍ اَبُوْبَكْرِ الرَّضَا وَحَسَّانُ حَسَّانٌ وَاَنْتَ مُحَمَّدٌ

ابوبکر تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں اور حسان مثل حسان کے ہیں اور تم محمد کی طرح (معاذ اللہ)

اسی طرح کے اور بھی اشعار میں باوجودیکہ اس قسم کے شواہد کا ذکر کرنا ہماری طبیعت پر سخت گراں تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب جانا کہ لوگ ایسے ہزلیات سے بچیں کیونکہ اکثر لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور اس خطرناک باب میں داخل ہونے کو آسان جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس میں کتنا گناہ ہے اور اس امر میں کلام کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے اور اسے آسان سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، بالخصوص شعراء (کہ وہ تو بہت یا وہ گو ہوتے ہیں) اور ان میں سب سے زیادہ صاف کہنے والا چرب زبان، ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان معری ہے بلکہ ان دونوں کا اکثر کلام تو حد استخفاف، نقص اور صریح کفر سے متجاوز ہے بلکہ ہم نے اس کا جواب بھی دیا ہے مگر اس وقت چونکہ ہمارا مقصد اس فعل میں صرف ان مثالوں کو لانا تھا جن سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں گالی بنتی تھی نہ یہ کہ ہم اس کا احصار کرتے جن سے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی مُنْقِصَتْ (کمی،

عیب، نقص وغیرہ) کی نسبت ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) باستثنا معری کے آخری شعر کے اور اس کے قائل نے تحقیر اور تصغیر نبی کا ارادہ کیا ہے کہ اس نے نہ تو نبوت کی توقیر کی اور نہ عظمت رسالت کو ملحوظ رکھا اور نہ حرمت برگزیدگی کی قدر کی اور نہ منزلت امت کا اکرام کیا، یہاں تک کہ اس نے جس کو چاہا اس کرامت میں شامل کر دیا یا اس مصیبت اور منتقصت میں جس کے انتفاع (فائدہ نفع) کا اس نے کسی کے لئے ارادہ کیا مجلس کا دل خوش کرنے کے لئے یا کسی مثل کے بیان کرنے کے لئے یا تحسین کلام کے لئے کسی وصف میں غلو کیا اور اپنے کلام میں کسی معظم و مقدس ہستی سے تشبیہ دے دی، جس کی قدر و منزلت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری امت پر اللہ عزوجل نے فرض کی ہے اور اس کے حضور میں بلند آواز سے بولنے اور پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

گو ایسے (یاوہ گو، شاعر وغیرہ) لوگوں سے قتل تو مندفع (دفع کیا گیا ہے) ہے مگر ان کی تادیب اور قید کرنا ضروری ہے اور شناعت لفظ اور کلام میں قباحت وغیرہ کے اقتضاء کے موافق اور جیسی اس کی عادت اور قرینہ یا ندامت ہو اس کے مطابق اس کی سزا واجب ہے اور متقدمین ہمیشہ اس قسم کی مثالوں کی برائی بیان کرتے رہے ہیں، چنانچہ ہارون رشید نے ابونواس کے اس شعر پر اعتراض کیا۔

فَإِنْ يَّكُ بَاقِيْ سِحْرِ فِرْعَوْنَ فِيْكُمْ　　　فَإِنَّ عَصَا مُوْسٰى بِكَفٍّ خَصِيْبٍ

چنانچہ ہارون رشید نے ابن الخناء سے کہا تو سیدنا موسی علیہ السلام کے عصا کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور اس رات اپنے لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا اور قتیبی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں اس پر اس کے سوا اور بھی مواخذے ہوئے ہیں اور اس میں اس کی تکفیر کی گئی یا جو محمد امین کے بارے میں کہا تھا اسے قریب بکفر کہا چونکہ اس نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشبیہ دی تھی، چنانچہ اس نے کہا۔

تَنَازَعَ الْاَحْمَدَ انِ الشَّبَهَ فَاشْتَبَهَا خَلْقًا وَّخُلُقًا كَمَا قُدِ الشِّرَا كَانَ

(ترجمہ) دونوں احمدوں نے صورت واخلاق کی مشابہت میں جھگڑا کیا اور باہم مشابہ بن گئے جس طرح دو تسمے (ایک ہی چمڑے سے) کاٹے جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور علماء نے اس پر بھی برا کہا ہے کہ

کَیْفَ لَا یُدْنِیْكَ مِنْ أَهْلٍ   مَنْ رَّسُوْلِ اللهِ مِنْ نَفَرِهٖ

(ترجمہ) وہ شخص جس کا رسول اللہ قرابتی ہے تیری خواہش کو کیسے قریب نہ کرے گا۔

اس لئے کہ اللہ عزوجل کے رسول ﷺ کا حق اور آپ کی عظمت وعلو مرتبت کا وجوب یہ ہے کہ کسی شے کو آپ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، یہ نہیں کہ آپ کو کسی شے سے منسوب کیا جائے، لہذا اس قسم کے سائل کا حکم وہی ہے جسے ہم حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے تلامذہ کے فتوؤں سے پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں۔

"کتاب نوادر" میں ابن مرہم علیہ الرحمہ کی روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے کسی شخص کو فقیری کی عار دلائی اس پر اس نے کہا کہ تو مجھے فقیری کی عار دیتا ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں، چنانچہ امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: بلاشبہ اس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر بے موقع کیا میرے خیال میں اسے سزا دینی چاہئے اور فرمایا: کسی گنہگار کو زیبا نہیں ہے جب اسے کوئی تنبیہ کرے تو کہے ہم سے پہلے نبیوں سے بھی خطائیں ہوئی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے کسی شخص سے کہا: میرے لئے کسی ایسے کاتب کو تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو، اس پر کاتب نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے والد تو کافر تھے، اس پر کہا: تو نے یہ بہت بری مثال دی، چنانچہ اسے معزول کر دیا اور کہا: کبھی میری کتابت نہ کرنا۔

اور سحنون علیہ الرحمہ نے تعجب کے وقت حضور ﷺ پر درود بھیجنے کو مکروہ کہا مگر بطریق ثواب اور طلب اجر اور آپ ﷺ کی توقیر تعظیم کے لئے جس طرح کہ اللہ عزوجل نے ہمیں حکم فرمایا۔

قابسی علیہ الرحمہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی بدصورت سے کہا کہ تو تو نکیر کی طرح ہے (منکر نکیر دو فرشتے ہیں) یا کسی بدخلق سے کہا تو تو مالک عضبان (داروغہ جہنم) کی طرح ہے، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے، یہ تو وہ ہے جو قبر میں آتے ہیں کیا اس سے مراد اس کا ڈرانا ہے کہ جب وہ آیا تو اسکا چہرہ دیکھ کر ڈر گیا یا اس کی بدصورتی دیکھ کر، مکروہ جانا پس اگر یہ بات ہے تو بہت سخت ہے کیونکہ قائم مقام تحقیر و توہین کے ہے اس کی سزا سخت ہے۔

اور اس میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کو گالی دینا نہیں ہے، گالی تو صرف مخاطب پر پڑتی ہے اور بیوقوفوں کی حماقت کی سزا کوڑے اور قید ہے لیکن داروغہ جہنم مالک علیہم السلام کا ذکر کرنا تو اس نے ظلم کیا کہ بوقت انکار دوسرے کی بدخلقی پر ان کا ذکر کیا مگر اس بدخلق سے کہو وہ اس کی بدخلقی سے ڈرے اگر کہنے والے نے بطریق ذم (مذمت، برائی) اس کے فعل ولزوم ظلم کو اس مالک فرشتے سے جو اپنے رب عزوجل کا فرمانبردار ہے اس کے فعل سے تشبیہ دی اور کہے کہ وہ اللہ عزوجل کے لئے مالک کا سا غضب کرتا ہے تو پھر یہ بات ہلکی ہو جائے گی اور اس کو ایسے شخص پر گرفت نہ کی جائے گی اور اگر بدخلق پر اس کی بدخلقی کی مالک علیہ السلام کی صفت کے ساتھ تشبیہ دے اور اس کی صفت کو بطریق دلیل لائے تو یہ بات سخت ہوگی تو اسے سخت سزا دی جائے گی حالانکہ اس میں فرشتہ کی مذمت نہیں ہے اور اگر مذمت کی نیت سے کہا تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔

ابوالحسن علیہ الرحمہ نے بھی اس جوان کی بات کو برا جانا جو بھلائی کے ساتھ مشہور تھا جس نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تو چپ رہ کیونکہ تو ان پڑھ ہے، اس پر جوان نے کہا تھا کیا نبی کریم ﷺ امی نہ تھے اور لوگوں نے اسے کافر کہا اور وہ جوان اپنے قول پر غمزدہ ہو گیا اور ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور تب ابوالحسن علیہ الرحمہ نے کہا: اس پر کفر کا اطلاق تو خطا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا امی ہونا تو آپ

ﷺ کا معجزہ ہے اور اس شخص کا ان پڑھ (امی) ہونا اس کی جہالت اور نقصان ہے اور سیاسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفت (امی ہونے سے) اس نے استدلال کیا۔

لیکن جب کہ وہ معترف ہو کر استغفار و توبہ کرے اور خدا کی پناہ تلاش کرے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے، اس لئے کہ اس کا قول حد قتل تک نہیں پہنچتا اور اسے سزا بھی نہ دینی چاہئے اس لئے کہ اپنے فعل پر اس کا شرمندہ ہونا سزا سے باز رکھتا ہے اور یہ مسئلہ اس مسئلہ کے قائم مقام ہے جس میں اندلس کے ایک قاضی نے شیخ قاضی ابو محمد بن منصور علیہ الرحمہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا تھا جس نے کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ تو میرا عیب بیان کرتا ہے حالانکہ میں ایک بشر ہوں اور تمام بشر کو عیب لاحق ہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو بھی۔

تو انہوں نے اس پر طویل قید اور سزا دینے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے گالی دینے کا قصد نہیں کیا حالانکہ اندلس کے بعض فقہاء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔

ساتویں فصل

بطور حکایت نقل کفر کا حکم

چھٹی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اسے کسی دوسرے سے حکایت کرے اور اس سے دوسرے نقل کریں تو اس میں صورت حکایت اور قرینہ کلام پر غور کیا جائے گا، ان اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم بھی چار قسموں پر مختلف ہو گا، اول وجوب، دوم مستحب، سوم مکروہ، چہارم حرام۔

اگر کسی نے قائل کے کلام کو بطور شہادت اور قائل کے جتانے اور اس کے قول کے انکار و اطلاع کے لئے کہ اس پر نفرت و جرح کی اور اس کو نقل کیا تو اس مقصد کے لئے قائل سزاوار (مستحق) تحسین و تعریف ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کتاب یا مجلس میں اس کے قائل پر رد یا اعتراض کرنے اور اس پر اس امر کا فتوی دینے کی غرض سے بیان کیا جس کا وہ مستحق ہے تو یہ بھی لائق تحسین ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب اور دوسرا حسب حالات، حاکی (حکایت کرنے والا) اور محکی عنہ (جو روایت کی گئی) مستحب ہے۔

پس اگر قائل ان لوگوں میں سے ہو جو اس امر کے متعمدی ہیں کہ اس سے لوگ تحصیل علم کرتے ہیں یا روایت حدیث لیتے ہیں اور اس کے حکم یا شہادت پر حکم دیا جاتا ہے یا وہ حقوق العباد میں فتوے دیتا ہے تو اب سامع پر واجب ہے کہ اس سے جو سنے اس کی اشاعت کرے اور لوگوں کو اس قول شنیع سے نفرت

دلائے اور اس پر اس کے مقولہ کی گواہی دے۔

اسی طرح ان ائمہ مسلمین پر بھی واجب ہے جس کسی کو بھی اس مقولہ کی اطلاع پہنچے تو مقولے کی قیادت اور اس کے کفر و فساد کو ظاہر کرے تاکہ مسلمانوں سے اس کا ضرر و نقصان دور ہو اور سید المرسلین ﷺ کا حق قائم ہو۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی لازم ہے جو عام لوگوں میں وعظ کرتے ہیں اور بچوں کی اتالیقی (استادی) کرتے ہیں، کیونکہ جس کی یہ عادت بن گئی ہے (کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی امر و نہی کی تحقیر و تنقیص کرے) تو اس سے لوگ کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی یہ خباثت نہ بٹھائے، اس لئے ان سب لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ حق نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے حق کی حفاظت کریں اور اگر قائل اس قبیل کا نہیں ہے تو بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور آپ کی حمایت کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے۔

اس لئے کہ ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں حمایت و نصرت آپ ﷺ کی اذیت میں واجب و ضروری ہے لیکن جب اس کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حق ظاہر اور قضیہ منکشف اور حقیقت واضح ہو جائے تو اس وقت دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے، اب اس معاملہ میں تکثیر شہادت اور اس سے لوگوں کے ڈرانے اور خبردار کرنے میں استحباب رہ جاتا ہے۔

اور تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ جو مہتم فی الحدیث ہو اس کا حال ظاہر کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کے عیوب کو (جس نے کفر یا تحقیر و تنقیص وغیرہ کی ہو) کیونکر نہ بیان کیا جائے۔

ابو محمد بن زید علیہ الرحمہ سے کسی ایسے گواہ کے بارے میں دریافت کیا جس نے اللہ عزوجل کے حقوق

میں یا وہ گوئی سنی تھی کیا اسے جائز ہے کہ وہ اس کی شہادت نہ دے، فرمایا:

اگر یہ امید ہو کہ اس کی شہادت سے حکم نافذ ہو جائے گا تو وہ ضرور شہادت دے اسی طرح اگر اسے علم ہو کہ اس کی شہادت پر قاضی اور حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کی توبہ قبول کرلے گا یا تعزیر لگائے گا تو بھی اسے شہادت دینی ضروری ہے اور اس پر ادائے شہادت لازم ہے۔

اب رہی اباحت! تو وہ یہ ہے کہ وہ اس مقولہ کو ان دونوں مقصدوں کے علاوہ کسی اور غرض سے حکایت کرے تو میرے خیال میں یہ اس بات سے متعلق نہیں ہے جب تک کہ کوئی غرض شرعی نہ ہو۔

اور یہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت و آبرو میں کلام کرے یا خود اپنے سے یا کسی دوسرے سے آپ ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے لیکن وہ اغراض جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں تو انہیں وجوب و استحباب دونوں جاری ہیں بلاشبہ اللہ عزوجل نے ان مفتریوں کے مقولے کی نقل و حکایت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ عزوجل پر اور اسکے رسول ﷺ پر افترا باندھا تھا اور ان پر وعیدیں اور ان کی تردید میں نازل کی ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ہم پر اس کی تلاوت فرمائی ہے۔

اسی طرح ان وجوہ سابقہ پر ان کی مثالیں نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں اور کفار ملحدین کے مقولوں کو اپنی کتاب اور مجلسوں میں نقل و حکایت کرنے پر تمام علماء وائمہ سلف و خلف کا اجماع ہے تاکہ انہیں بیان کر کے ان کے شبہات کو توڑیں۔

اگرچہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی طرف سے حارث بن اسد پر بعض امور میں انکار فرمانا وارد ہے کیونکہ خود امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے ان اقوال کا رد کیا ہے جن کو فرقہ جہمیہ جو خلق قرآن کا قائل ہے نے کہا ہے اور ان کفار و فجار کے اقوال کی حکایت کر کے رد کیا جو انہوں نے پھیلا رکھا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص ان وجوہ کو کسی اور نہج پر حکایت کرے، مثلاً آپ ﷺ پر گالی یا آپ

ﷺ کی منقصت کو ایسے طریقہ پر حکایت کرے جس طرح قصہ، کہانی، عوام کی بات چیت، ان کی رطب و یابس باتیں، ان کی ہنسی مذاق، دل لگی اور ناسمجھوں کی سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے وغیرہ تو یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور بعض تو ممانعت و عقوبت میں بہت سخت ہیں۔

چنانچہ ایسے مقولہ کی حکایت کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو بلا قصد اور بغیر جانے پہچانے کہ اس حکایت میں کتنی برائی ہے نقل کر دیتے ہیں یا یہ کہ اس کی عادت ایسی نہیں ہے یا یہ کہ وہ کلام ہی اتنا شنیع نہیں ہے اور حکایت کرنے والے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے اچھا جانتا اور پسند کرتا ہے تو ایسے شخص کو ان باتوں پر زجر و توبیخ کرنی چاہئے اور دوبارہ بیان کرنے سے باز رکھنا چاہئے، اگر وہ اس زجر و توبیخ سے سیدھا ہو جائے تو یہی کافی ہے اور اگر اس کے الفاظ برائی میں حد درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی سزا بھی سخت ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام مالک علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: یہ کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے، اس پر اس نے کہا: میں نے تو دوسرے کی حکایت نقل کی ہے، تو امام صاحب نے فرمایا: میں نے تو تجھ سے سنا ہے، امام صاحب علیہ الرحمہ کا یہ فرمانا اس کی زجر و تغلیظ کے لئے تھا کیونکہ انہوں نے اسے قتل نہیں کرایا۔

اور اگر یہ حکایت کرنے والا اس کا متہم سمجھا جاوے کہ اس نے یہ مقولہ خود گھڑا ہے اور دوسرے کی طرف منسوب کر رہا ہے یا یہ کہ اس کی ایسی عادت ہے یا یہ کہ وہ اسے اچھا جانتا ہے اور اس پر اس کی خوبی ظاہر ہو گئی ہے یا وہ ان باتوں کا شیدائی ہے اور حضور ﷺ کا استخفاف اور ایسی باتوں کو یاد کرنے اور اس کی جستجو و تلاش میں رہنے یا آپ ﷺ کی ہجو کے اشعار کی جستجو میں منہمک اور شیفتہ ہے تو اس کا حکم قصداً گالی دینے والے کی طرح ہے، اس کے قول کی پکڑ کی جائے گی اور محض دوسرے کی طرف اس کا

منسوب کرنا اسے فائدہ نہ پہنچائے گا اور اسے فوراً قتل کر کے جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو شخص ایسے شعروں کو یاد کرے جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو ہو تو وہ کافر ہے۔

اور بعض مولفین نے "اجتماع" کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ روایت جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو یا منقصت ہو اس کی کتاب، اس کا پڑھنا اور جہاں کہیں پائے جائیں بغیر منائے چھوڑنا حرام ہے۔

اللہ عزوجل ہمارے سلف صالحین پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اپنے دین کی کیسی محافظت کی ہے کہ انہوں نے مغازی اور سیَر کی ان روایتوں کو بھی پایہ اعتبار سے گرا دیا جو اس قبیل میں آتی تھیں اور ان کی روایت کے سلسلہ ہی کو چھوڑ دیا مگر بہت ہی کم ایسی ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وجہ اول پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا برا نہیں ہے تاکہ لوگ دیکھیں اللہ عزوجل ایسوں پر کیسا عذاب فرماتا ہے اور اس کی پکڑ کا معائنہ کریں کہ کس طرح وہ اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوئے۔

اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام علیہ الرحمہ تو اتنے محتاط ہیں کہ جہاں کہیں عرب کے ان شعروں کو جس میں ہجو ہے بطور حجت لائے بھی ہیں تو انہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور کسی کی مذمت میں مشارکت کی صیانت کی خاطر کہ خود اس کی روایت اور نشر میں شریک نہ ہو جائیں جس کی ہجو کی گئی ہے اس کا نام کتابت (لکھنے) میں ظاہر نہیں کیا اور اسی وزن پر ایک فرضی نام لے کر منسوب کر دیا تو پھر یہ باتیں سید البشر ﷺ کے لئے کس طرح گوارہ کی جا سکتی ہیں۔

آٹھویں فصل

امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم

ساتویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ ان باتوں کا ذکر کرے جو نبی کریم ﷺ پر جائز ہیں یا جن کے جواز میں اختلاف ہے یا ان کا تعلق امور بشریہ سے ہے یا جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا ممکن ہے یا ان امور کا ذکر کرے جن میں آپ ﷺ کی آزمائش کی گئی یا اللہ عزوجل کی ذات پر آپ ﷺ نے ان سختیوں پر صبر فرمایا جو آپ ﷺ کے دشمنوں کی طرف سے پہنچی اور جو ان سے اذیتیں پائیں اور آپ ﷺ کے ابتدائی حالات و عادات اور جو بھی زمانہ کی تکلیفیں پہنچیں اور جو زندگی کے شدائد آپ پر گزرے ان کو بیان کرے یہ تمام باتیں برطریق روایت اور بطور مذاکرہ علمیہ یا ان باتوں کی معرفت جن سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی صحت ثابت ہو بیان کرے تو اس صورت میں یہ قسم سابقہ چھ اقسام سے خارج ہوگی اس لئے کہ اس میں نہ عیب ہے، نہ منقصت، نہ اہانت ہے، نہ استخفاف، نہ ظاہر الفاظ میں تحقیر ہے اور نہ بولنے والے کا مقصد اہانت ہے۔

لیکن یہ لازمی ہے کہ ایسی گفتگو اہل علم اور سمجھدار طالب علم سے ہو جو اس کے مقصد کو سمجھ سکے اور ان کے فائدوں کی تحقیق کر سکے اور نادان لوگوں کو اس سے بچایا جائے جن سے فتنہ کا خوف ہو، چنانچہ بعض علمائے سلف نے عورتوں کے لئے سورۃ یوسف کی تعلیم کو مکروہ بتایا ہے، اس لئے کہ اس میں بہت سے ایسے قصے ہیں جو ان کی کمزور عقل و سمجھ اور ناقص ادراک سے باہر ہیں۔

بلا شبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ابتدائی حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا ہر نبی نے ضرور بکریاں چرائی ہیں اللہ عزوجل نے حضرت موسی علیہ السلام کی طرف سے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور اس طرح پر جس کے لئے بھی بیان کرے کوئی منقصت نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر ہو بلکہ اس قسم کے تذکرے کرنا تمام اہل عرب کی عادت تھی۔

ہاں! اس محنت میں بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک درس حکمت ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل ان کو بتدریج منزلت کی طرف لے جاتا ہے اور اس طریقہ سے ان کو اپنی امت پر سیاست (حکومت) کرنے کی عادت ڈلواتا ہے، حالانکہ ازل سے ہی ان کی کرامت و بزرگی علم الہی میں مقدر ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے یتیم اور عیال دار ہونے کو بطریق احسان ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کی بزرگی کی تعریف کی ہے، اب اگر کوئی ذاکر ان کو آپ ﷺ کے ابتدائی حالات اور آپ ﷺ کی تعریف میں بیان کرے اور اس پر اظہار تعجب بیان کرے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر کیسے انعام و اکرام فرمائے اور اس طرح احسان گئے ہیں تو اس میں کوئی منقصت نہیں ہے بلکہ اس میں تو آپ ﷺ کی نبوت کی دلالت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صحت ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اسکے بعد آپ ﷺ کو صنادید عرب اور ان کے جو بڑے بڑے بزرگ اور سردار تھے سب پر بتدریج غالب فرمایا اور اس غلبہ و تسلط کو اتنا بڑھایا کہ انہیں مغلوب کر کے رکھ دیا اور ان کے خزانوں کی کنجیوں پر آپ ﷺ کا قبضہ کرایا اور ان کے سوا دیگر ممالک کو بھی عطا فرمایا اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے مددگار بنایا اور ان

کے دلوں میں محبت و الفت ڈالی اور ان کی مدد نشان والے فرشتوں کے ذریعہ کی اور اگر آپ ﷺ پہلے سے بادشاہ کے فرزند اور صاحب لشکر ہوتے تو بہت سے جاہل یہ گمان کرتے کہ آپ ﷺ کے غلبہ کا سبب اور آپ ﷺ کی برتری کی وجہ یہی ہے اس بنا پر تو بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے پھر اس نے کہا کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں بادشاہت ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کا خواہاں ہے۔

اور آپ ﷺ کا یتیم ہونا بھی ایک صفت ہے اور کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں یہ آپ ﷺ کی نشانی ہے، اسی طرح "کتاب ارمیاہ" میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور اسی صفت کے ساتھ ابن ذی یزن نے حضرت عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے حضور ﷺ کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ ﷺ امی ہیں، جس طرح کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی مدحت میں تعریف فرمائی ہے تو اس میں آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہے اور یہ آپ ﷺ کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو کہ کل کا کل بطریق معارف و علوم حاوی و شامل ہے، مع ان فضائل و شمائل کے جن کو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے لئے بیان فرمایا جیسا کہ ہم قسم اول (حصہ اول) میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور ایک ایسا شخص جو نہ پڑھا ہو نہ لکھا ہو اور نہ کسی مدرسہ میں تحصیل علم کیا ہو جس سے اس کا وجود قائم ہو تو یقیناً محل تعجب مقام عبرت اور انسانی معجزہ ہے، آپ ﷺ کے امی ہونے میں کوئی منقصت و تحقیر نہیں ہے اس لئے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد تو معرفت و

پہچان ہے اور قرآت و کتاب تو معرفت کا وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہے نہ کہ وہ فی نفسہ مقصود بالذات۔

لہذا جب (بغیر وسیلۂ ذریعہ کے) نتیجہ اور پھل حاصل ہو گیا تو مقصود و مطلوب کے لئے اب واسطہ اور ذریعہ کی کیا حاجت ہے، بلاشبہ آپ ﷺ کے سوا دوسرے کے لئے امی (بے پڑھا لکھا) ہونا نقص وعیب ہے اس لیے کہ یہ جہالت کا سبب اور بے سمجھی کی نشانی ہے، پس پاکی ہے اس ذات کو جس نے دوسروں سے آپ ﷺ کو ممتاز فرما کر شرافت و عظمت عطا فرمائی، جو بات کہ دوسرے کے لئے عیب و نقص تھی اور جس میں دوسروں کی ہلاکت تھی اس میں آپ ﷺ کو فضیلت و حیات بخشی۔

غور کا مقام ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ اطہر کو شق کر کے زوائد کا اخراج کرنا گویا آپ ﷺ کو مکمل حیات، پوری نفسانی قوت اور کمال درجہ ثبات قلب عطا فرمانا ثابت ہوا حالانکہ دوسروں کے لئے یہ باتیں ہلاکت کا نتیجہ بنتی ہیں اور ان کو فنا کر ڈالتی ہیں اسی اصول و ضابطہ سے آپ ﷺ کے متعلق تمام اخبار و سیر جو مروی ہیں جن میں دنیاوی غذا کا کم کھانا کم پہننا کم سوار ہونا، تواضع و انکسار کا ظاہر کرنا، گھر والوں کی خدمت کرنا، زہد کو پسند کرنا، دنیا سے بے تعلق ہونا، دنیاوی امور کو سرعت فنا اور تبدیل احوال کے لحاظ سے خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم برابر سمجھنا، سو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے فضائل و خصائل اور شرافت میں داخل ہیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب جو شخص بھی ان کو اچھے محل پر بیان کرے اور ان کا مقصود و مطلوب بھی نیک ہو تو یہ اچھی بات ہوگی اور اگر کسی نے ان کو بے محل ذکر کیا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد برا ہے تو وہ ان فصلوں میں شامل ہوگا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے (اور انہیں وجوہ کے مطابق اس پر حکم شرع نافذ ہوگا)۔

یہی حکم ان روایتوں کے متعلق ہے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کتب احادیث میں مروی ہیں اور بظاہر مشکل نظر آتی ہیں جن میں کسی ایسی بات کا ذکر جو انبیاء کرام علیہم السلام

کے شایان شان نہیں ہے یا تووہ محتاج تاویل ہوں ان میں احتمالات وارد ہوں توان میں سے بھی صرف صحیح حدیثوں کو بیان کیا جائے اور سوائے مشہور و ثابت حدیثوں کے کوئی ضعیف وغیرہ نہ روایت کی جائے۔

امام مالک علیہ الرحمہ ان حدیثوں کو جو وہم تشبیہ (تشبہ کا موہم ڈالتی) ہوں اور جن کے معنی میں اشکال ہوان کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتے تھے اور فرمایا لوگوں کو ایسی حدیثیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ جس سے وہ فتنہ میں پڑیں، کسی نے ان سے عرض کیا کہ (آپ علیہ الرحمہ کے استاد) ابن عجلان علیہ الرحمہ تو ایسی حدیثیں بیان کرتے اور اس میں ان کی مساعدت و نصرت کرتے۔

کیونکہ اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن سے عمل کا تعلق نہیں ہے، حالانکہ سلف کی ایک جماعت بلکہ تمام ہی سے منقول ہے کہ وہ حضرات ان حدیثوں کو جو عمل سے متعلق نہیں ہیں بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ باتیں ان اہل عرب سے فرمائی ہیں جو اسلوب کلام کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے کل استعمال کو جانتے تھے کہاں حقیقت ہے اور کہاں مجاز اور کہاں استعارہ و بلاغت ہے اور کہاں ایجاز و اختصار، در حقیقت یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز اور مشکل بات نہیں تھی، اس کے بعد جب ان پر عجمیوں کا غلبہ ہوا اور ان پڑھ لوگ داخل ہوئے توان کی یہ حالت ہوگئی کہ عرب کے مقاصد سے ہی نابلد (ناواقف) ہوگئے وہ صرف صاف و صریح کو سمجھتے اور ان اشارات کو جو بغرض ایجاز وحی پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ و تلویح مضمر تھی انہیں نہ سمجھ سکے چنانچہ وہ ان کے محل تاویل میں ہر سو مختلف و متفرق ہو گئے، لہذا کچھ تووہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی۔

اب یہی (راہ صواب) ہے کہ وہ حدیثیں جو صحت کو نہیں پہنچی ہیں ان کو اللہ عزوجل اور انبیاء علیہم السلام

کے حقوق میں لازم ہے کہ نہ بیان کیا جائے اور نہ ان میں گفتگو کی جائے اور نہ کلام کے معانی میں جستجو کی جائے بہترین راہ یہی ہے کہ ان کو بالکل ترک کر دیا جائے اور نہ ان میں انہماک کو چھوڑ دیا جائے بجز اس طریقہ کے کہ بتا دیا جائے کہ یہ ضعیف الاعتماد اور اس کی سند وہی ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے اپنی کتاب "مشکل" میں ابو بکر بن فورک علیہ الرحمہ پر جرح کرتے ہوئے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر کلام کرنے میں انکار کیا ہے فرمایا کہ یہ بے اصل ہیں یا ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو حق و باطل میں آمیزش کرنے کے عادی ہیں، ان کا ترک کر دینا اور ان سے بحث نہ کرنا ہی کافی جانتے تھے تاکہ ان کے ضعف پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ بحث و کلام کا مقصد تو یہ ہے کہ ان سے مشکلات و شبہات کا ازالہ کیا جائے اور سرے سے ہی شبہ کو جڑ سے اکھاڑ دینا اور ترک کر دینا شبہ کے دفع کرنے میں زیادہ موثر اور طمانیت قلوب کے لئے بہت نافع ہے۔

نویں فصل

خطباء و واعظین کو تنبیہات

کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان متکلّمین پر واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پر جائز و ناجائز سے بحث کرتے ہیں اور ان واعظین پر بھی لازم ہیں جو آپ ﷺ کے حالات کو جن کو ہم نے اس سے پہلے فصلوں میں بیان کیا ہے بر سبیل مذاکرۂ و تعلیم بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے حالات طیبہ کو بیان کریں تو آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو لازم جانیں اور اپنی زبان کی نگہداشت کریں اسے مطلق العنان نہ اور آپ ﷺ کے ذکر خیر کے وقت ادب و تواضع کا اظہار کریں، پس جب آپ ﷺ کے مصائب و شدائد کا ذکر کریں تو ان پر رقت اور خوف و خشیت طاری ہو اور آپ ﷺ کے دشمنوں پر نفرت و حقارت کا اظہار ہو اور آپ ﷺ کے حامی و جان نثاروں سے محبت و مودت کا اظہار ہو اور یہ کہ اگر اسے اس پر قدرت ہوتی تو وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کرتا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جان فداء کرتا۔

اور جب افعال عصمت کو بیان کریں اور آپ ﷺ کے اعمال و اقوال میں کلام کریں تو حتی الامکان اچھے سے اچھے الفاظ اور مودب عبارت تلاش کریں اور غیر مودب الفاظ سے احتراز کریں اور ان تعبیرات کو چھوڑ دیں جس میں قباحت ہے مثلاً لفظ جہل، کذب اور معصیت وغیرہ۔

اور جب اقوال میں کلام کریں تو کہے یہ کہ کیا آپ ﷺ پر خلف فی القول اور خلاف واقع خبر دینا خواہ سہو یا غلطی سے ہی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر تعبیرات میں احتیاط اختیار کریں اور لفظ کذب سے بالکل ہی اجتناب کریں۔

اور علم پر گفتگو ہو تو کہیں کیا آپ ﷺ پر یہ جائز ہے کہ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا آپ ﷺ کو سکھا دیا اور یا کہ کیا ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی الہی سے پہلے بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اور ہرگز جہل اور قبیح الفاظ زبان پر نہ لائے کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔

اور جب افعال میں کلام کریں تو کہیں کہ کیا بعض اداء امر و نواہی آپ ﷺ سے مخالفت کا صدور یا صفائی میں آپ ﷺ کا قول جائز ہے یا نہیں؟ یہی طریقہ ادب میں سب سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اس کے کہنے سے زیادہ مناسب ہے کہ کہیں کیا یہ جائز ہے یا گناہ کیا، یہ نافرمانی کی یا فلاں فلاں گناہ کے فعل کئے وغیرہ (یہ سب ادب و توقیر کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے)۔

سو یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ ﷺ کی عزت و توقیر میں داخل ہیں چونکہ آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کی عزت و عظیم فرض ہے بلاشبہ بہت سے عالموں کو دیکھا ہے جو ان باتوں کی حفاظت نہیں کرتے تو انہیں برا جانا گیا اور لوگوں نے ان تعبیرات کو پسند نہیں کیا اور میں نے بعض غیر منصف مزاج لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے قول کو خطا کی جانب منسوب کیا ہے اور انہوں نے اس پر طعن و تشنیع کی ہے جس کو کہ اس کا قول قبول نہیں کرتا اور وہ ایسے قائل کی تکفیر تک کر گزرتے ہیں، نیز جبکہ اس قسم کی باتیں عام لوگوں میں باہمی آداب و معاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو ان کا استعمال و لحاظ نبی کریم ﷺ کے لئے ضرور واجب ہے اور اس کا التزام زیادہ مؤکد ہے کیونکہ عبارت کی عمدگی اور برائی شے کو بھلا اور برا بنا دیتی ہے تحریر کی عمدگی و پاکیزگی شے کو گھٹا بڑھا دیتی ہے اسی لئے آپ کی ﷺ کا

ارشاد ہے کہ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا: یقیناً بعض بیانات جادو اثر ہیں۔ (بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۱۸)

اب رہی وہ باتیں جن سے آپ کی نفی اور تنزیہ کی جاتی ہے تو ان کو صاف الفاظ اور صریح عبارت سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مثلاً یہ کہیں کہ آپ ﷺ پر بالکل کذب کا اطلاق جائز نہیں ہے اور کسی نوعیت سے کبائر کا ارتکاب نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کسی حال میں حکم میں ظلم ممکن ہے، لیکن بایں ہمہ جبکہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بجز تعظیم و توقیر اور عزت و تکریم واجب ہے تو پھر جب بوقت ذکر ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے تو کتنا ادب چاہیئے۔

بلاشبہ سلف صالحین پر محض آپ ان کے ذکر کے وقت شدید کیفیت و حالت طاری ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے قسم ثانی میں پہلے سے بیان کیا اور بعض سلف کا تو اس وقت جبکہ قرآن کی ایسی آیت تلاوت کی جائے جس میں اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے اقوال اور اس کی آیات سے کفر اور آپ ﷺ پر کذب و افترا نقل فرمایا ہے تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے رب عزوجل کی جلالت شان اور عظمت کبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جائے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ پر سب وشتم تنقیص واہانت کرنے والے کی عقوبت ووراثت کا حکم

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں جو گالی اور اذیت ہے اور ہم نے عطاء علیہ الرحمہ کا اجماع بھی بیان کر دیا ہے کہ اس کے فاعل اور قائل کی سزا قتل کیا جائے یا اسے سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو دلائل کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے۔

اس کے بعد اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مشہور مذہب اور سلف و جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسے از روئے حد قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر اگر چہ اس سے توبہ بھی صادر ہو جائے، لہٰذا ان تمام کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی اور نہ اس کی توبہ نفع دے گی اور نہ اس کا رجوع مفید ہوگا، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کا حکم زندیق کا حکم رکھتا ہے اور اس کافر کی طرح ہے جو کفر اپنے دل میں چھپائے برابر ہے کہ اس کی توبہ گرفتار کرنے کے بعد اور اس کے قول پر شہادت گزر جانے کے بعد ہو یا وہ پہلے ہی دل سے توبہ کرتا ہوا آئے، اس لئے کہ یہ حد واجبی ہے، اس پر تو یہ غالب نہیں آسکتی جس طرح تمام دیگر حدود ہیں۔

شیخ ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گالی کا اقرار کر لے اور اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تو بھی گالی کی وجہ میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ قتل اس کی حد ہے اور ابو محمد بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس کے مثل فرماتے ہیں لیکن اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان اس کی توبہ نفع دے

جائے گی۔

اور ابن سحنون علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جس موحد نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر اس نے توبہ بھی کرلی تو اس سے اس کی توبہ قتل کو دور نہیں کرسکتی اسی طرح اس زندیق کے بارے میں علماء مختلف ہیں جبکہ وہ توبہ کرتا ہوا آئے چنانچہ قاضی ابوالحسن بن قصار علیہ الرحمہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں، فرماتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اقرار کے باوجود قتل کردوں گا اس لئے کہ گویا وہ اس پر قادر تھا کہ اسے وہ اپنے دل میں چھپائے، لیکن جب اس نے اعتراف کرلیا تو ہم نے گمان کیا وہ اپنے ظاہری حال سے ڈر گیا اس لئے اس نے اظہار کی جلدی کی اور ہمارے بعض مشائخ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کرلوں گا اس لئے کہ اس کی صحت پر اس کے آنے سے استدلال کرتا ہوں، گویا کہ ہم اس کے باطن پر واقف ہوگئے، بخلاف اس شخص کے جسے ثبوت اور شہادت نے مفید کر دیا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ یہ قول اصبغ علیہ الرحمہ کا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا مسئلہ بہت سخت ہے گزشتہ قاعدہ اصول کی بنا پر اس میں خلاف متصور ہی نہیں، اس لئے کہ یہ وہ حق ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ متعلق ہے اور آپ ﷺ کی امت کا حق بھی آپ ہی کے ساتھ مربوط ہے، اس کو توبہ ساقط نہیں کرسکتی جس طرح کہ باقی لوگوں کے حقوق ہیں۔

اور وہ زندیق جو بعد گرفتاری توبہ کرلے سوا امام مالک، لیث، اسحٰق اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور ابن المنذر علیہ الرحمہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی۔

محمد بن سحنون علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس مسلمان سے توبہ قتل کو زائل نہیں کرتی جس نے حضور

ﷺ کو گالی دی ہے اس لئے کہ اس دین سے اس نے کسی دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں کیا، یقیناً اس نے ایسا ہی کام کیا جس کی حد ہمارے نزدیک قتل ہے اس میں کسی کے لئے معافی نہیں ہے جیسے زندیق کیونکہ اس کا ظاہر حال کسی دوسرے ظاہر حال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔

اور قاضی ابو محمد بن نصر علیہ الرحمہ اس کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے لئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ فرق اس کے اور اس شخص کے درمیان جس نے اللہ عزوجل کو گالی دی مشہور قول کی بنا پر توبہ کا قبول کرنا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ از جنس بشر ہیں اور بشریت ایک ایسی جنس ہے جسے نقص لاحق ہوتا ہے بجز اس ذات عالیہ کے جسے اللہ عزوجل اپنی نبوت سے سرفراز فرمائے اور باری تعالیٰ ہر عیب و نقص سے کلیۃ منزہ ہے اور وہ ذات اس جنس سے ہی نہیں ہے جس کو اپنے جنس کے سبب نقص لاحق ہو اور نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس ردت کی مثل نہیں ہے جس میں توبہ مقبول ہے کیونکہ ارتداد اس معنی میں ہے جس کے ساتھ مرتد منفرد ہے اور اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تو اس میں توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن جس نے نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دی تو اس میں ایک آدمی (یعنی حضور) کا حق بھی متعلق ہو گیا، تو وہ گویا ایسا مرتد ہو گیا جس نے اپنی رات کے وقت کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی کو تہمت لگائی، لہذا اس کی توبہ اس سے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی نیز جب مرتد کی توبہ قبول کر لی جائے تو اس کے زنا، چوری وغیرہ کے، گناہ کو (توبہ) ساقط نہیں کرتی اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو اس کے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس معنی کو ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حرمت کی عظمت اور اس سے نقص کو دور کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم قائل کی یہ مراد ہو کہ اس کا گالی دینا کلمہ کفر

کی بنا پر نہ تھا بلکہ تحقیر و تنقیص کے لئے تھا یا یہ کہ اس کا توبہ کرنا اور رجوع کا اظہار کرنا اس کے ظاہر کلمہ کفر کو اٹھا دے اللہ عزوجل ہی دلوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے، اب (توبہ کے بعد) گالی دینے کا گناہ اور اس کا حکم باقی رہے گا۔

ابو عمران قابسی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ گالی دینا آدمیوں کے ان حقوق میں سے ہے جو مرتد ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور ہمارے مذکورہ مشائخ کا کلام اس پر مبنی ہے کہ اسے حد کی بنا پر قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر یہ بحث محتاج تفصیل ہے۔

اب رہی ولید بن مسلم علیہ الرحمہ کی وہ روایت جو امام مالک علیہ الرحمہ اور اس میں ان کے موافقین سے منقول ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کہا کہ علماء نے صراحت سے بیان فرمایا کہ وہ ردت ہے چنانچہ علماء نے کہا کہ اس سے توبہ لی جائے پس اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اس وجہ میں وہ مطلقا مرتد کے حکم میں ہے اور پہلی وجہ جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے وہ زیادہ مشہور و ظاہر ہے ہم اب اس میں مفصل کلام بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اس کی ردت کو نہیں خیال کرتا وہ تو واجب کرتا ہے کہ اسے حداً قتل کر دیا جائے اور ہم اس کی دونوں حالتوں کے قائل ہیں، پس اگر وہ اس کا انکار کرے جس کی کہ اس پر گواہی گزری ہے یا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرے تو ہم ہر صورت حداً اسے قتل کا حکم دیتے ہیں، کیونکہ اس سے خلاف کلمہ کفر ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی جس کو اللہ عزوجل نے آپ میں اعظم قرار دیا ہے اور ہم نے اس کی میراث اور دیگر امور میں زندیق کا حکم جاری کیا ہے، اس لئے کہ اس کے خلاف یہ ظاہر ہے کہ اس نے انکار کیا یا توبہ کی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس پر تم کفر کو تو ثابت کرتے ہو اور کلمہ کفر پر گواہی لیتے ہو لیکن قبولیت توبہ اور اس کے لوازمات میں کوئی حکم جاری نہیں کرتے؟

تو جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم اس کے لئے حکم کفر کو ثابت کر کے قتل کرنا اس کے توحید و نبوت کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے اس سے جدا اور قطع نہیں کرتے خواہ اپنے خلاف گواہی کا انکار کرے یا اس بات کا مدعی ہو کہ یہ بات اس سے از راہ غلطی اور معصیت صادر ہوئی ہے اور وہ اس سے منحرف اور اس پر نادم ہے اور یہ کہ بعض اشخاص پر بعض احکام کفر کو ثابت کرنا اس امر کو مانع نہیں کہ اس کی دیگر خصوصیات کو بھی وہ ثابت نہیں کر رہی ہیں، جیسے تارک نماز کا قتل کرنا، لیکن جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا معتقد ہے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو اب اس کے کفر میں اس بنا پر قطعاً شک و شبہ نہیں ہے۔

علی ہذا القیاس فی نفسہ حضور ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے جس طرح آپ کی تکذیب و تکفیر وغیرہ کفر ہے، لہذا اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اگرچہ اس سے وہ تائب ہو، اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کے بعد توبہ بھی اس کے قول اور سابقہ کفر کی بنا پر حداً قتل کا حکم دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ عزوجل مختار ہے جو دلوں کے اسرار کا جاننے والا اور اس کی توبہ وندامت کی صحت کا خبردار ہے۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس سے توبہ نہ ظاہر ہوئی ہو اور اپنے خلاف گواہی کا معترف ہو اور اس پر قائم بھی ہو تو وہ شخص اپنے قول اور اللہ عزوجل اور اس کے نبی کریم ﷺ کی ہتک حرمت کے حلال جاننے کی بنا پر کافر ہے تو اسے بلا خوف کا فرمان کر قتل کیا جائے۔

پس ان تفصیلات کے ساتھ علماء کے کلام کو اخذ کرو اور ان کے اجزائے اختلاف کو وراثت وغیرہ میں اسی طریق پر جاری کرو تو انشاء اللہ عزوجل تمہیں صحیح مقصد حاصل ہو جائے گا۔

پہلی فصل

مدت وکیفیت توبہ

جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے توبہ لی جائے کہ صحیح ثابت ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو مرتد کی توبہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور علماء سلف نے توبہ لینے کے وجوب، مدت اور کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ مرد سے توبہ لی جائے اور ابن قصار علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ طلب توبہ میں تصویب قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اجماع ہے اور ان میں سے کسی صحابی کا انکار میں قول نہیں ہے، یہی قول سیدنا عثمان، سیدنا علی مرتضی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول عطا بن ابی رباح، نخعی، ثوری، امام مالک اور ان کے اصحاب، اوزاعی، امام احمد، اسحاق اور مجتہدین رحمہم اللہ کا ہے اور طاؤس، عبید بن عمیر اور حسن بصری رحمہم اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ نہ لی جائے، اسے عبدالعزیز بن ابی سلمہ علیہ الرحمہ نے فرمایا اور اس قول کو معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور سحنون علیہ الرحمہ نے معاذ علیہ الرحمہ کی روایت کا انکار کیا اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا، اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عند اللہ اس کی توبہ اسے نفع دے گی، لیکن توبہ قتل سے باز نہیں رکھ سکتی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ" جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۹)

اور عطاء علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اگر وہ اسلام میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ نہ طلب کی جائے اور نومسلم سے توبہ لی جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مرتد مرد و عورت حکم میں برابر ہیں اور سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائے اور اسے باندی بنالیا جائے، اسے عطا اور قتادہ رحمہا اللہ نے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ردت میں عورت قتل نہ کی جائے، یہی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: آزاد، غلام، مرد و عورت اس میں سب برابر ہیں۔

اب رہی مدت توبہ! تو مذہب جمہور اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کے موجب تین دن تک توبہ نہ لی جائے ان ایام میں اسے قید میں رکھا جائے، اس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اختلاف مروی ہے اور ایک قول کے بموجب یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحاق رحمہا اللہ کا ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ نے اسے مستحسن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انتظار خیر ہی لاتا ہے، لیکن اس پر لوگوں کی جماعت قائل نہیں ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تین دن تک تاخیر ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ نے بھی مرتد کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم میں رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار فرمایا کہ تین دن تک قید میں رکھا جائے اور ہر روز اس پر عرض اسلام کیا جائے پس اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالحسن بن قصار علیہ الرحمہ دن تک تاخیر کرنے میں دو روایتیں امام مالک علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں کیا یہ واجب ہے یا مستحب اور توبہ لئے جانے کو مستحسن قرار دیا اور تین دن تک تاخیر کرنا یہ مجتہدین کے نزدیک ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے توبہ طلب کی مگر اس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کرا دیا، امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسی جگہ قتل کر دیا جائے، مزنی علیہ الرحمہ میں نے اسے مستحسن کہا۔

امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ دو مہینے تک توبہ طلب کی جائے اور نخعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اور اسی کو ثوری نے اختیار کیا کہ جب تک توبہ کی امید ہو۔

ابن قصار علیہ الرحمہ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے نقل کیا کہ اس سے تین دن میں تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے یا تین جمعہ تک ہر روز یا ہر جمعہ کو ایک مرتبہ اور کتاب امام محمد علیہ الرحمہ میں ابن قاسم علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دنوں میں اسے جھڑکا جائے کہ وہ توبہ کر لے یا نہیں، چنانچہ امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے لئے بھوکا پیاسا رکھنا یا درد والم پہنچانا میں نہیں جانتا اور اسے کھانا بھی وہ دیا جائے جو اسے ضرر و نقصان نہ پہنچائے۔

اصبغ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے دنوں میں قتل سے ڈرایا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے۔

ابوالحسن طابثی علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے کہ اسے ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے اور جنت یاد دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے۔

اصبغ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس قید خانہ میں اسے رکھا جائے خواہ لوگوں کے ساتھ رکھا جائے یا تنہا جبکہ

اسے مضبوط باندھا گیا ہو تو برابر ہے اور اس کا مال موقوف رکھا جائے جبکہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر تلف کر دے گا، اسی سے اس کو کھلایا پلایا جائے، اسی طرح ہر بار اس سے توبہ کرائی جائے جب جب بھی وہ رجوع کرے اور مرتد ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس تہبان سے جو کہ چار یا پانچ مرتبہ مرتد ہوا تھا ہر بار توبہ کرائی۔

ابن وہب علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی رجوع کرے ہمیشہ اس سے توبہ کرالی جائے، یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کا ہے اسے ابن قاسم علیہ الرحمہ نے نقل کیا اور اسحاق فرماتے ہیں کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیا جائے اور مجتہدین فرماتے ہیں کہ اگر توبہ کرے تو خوب مارا پیٹا جائے اور قید خانہ سے اسے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ دل سے اس پر توبہ کا اظہار نہ ہو اور ابن منذر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے مرتد پر پہلی ہی مرتبہ میں سزا دی ہو، جب کہ وہ توبہ کر لے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور احناف رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسری فصل

نامکمل یا عدم شہادت پر حکم

یہ حکم تو اس کے لئے تھا جس پر یہ باتیں ثابت ہو چکی ہوں خواہ ثبوت اقراری ہو یا ایسی شہادت کے ذریعہ ہو جس میں شبہ نہ رہا ہو، اب رہی یہ صورت کہ اس پر شہادت مکمل نہ گزری ہو کہ مثلا ایک شخص کی شہادت ہو یا غیر معتبر لوگوں کی شہادت ہو یا یہ کہ اس کے قول سے ثابت تو ہوتا ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور صریح نہ ہو علی ہذا القیاس اگر اس نے توبہ کرلی اور اس قول کے موافق اس کی توبہ قبول کرلی گئی تو اب اس سے قبل موقوف ہو جائے گا اور اب امام کی رائے (حکم) اس پر نافذ ہوگی جیسی بھی اس کی مشہور حالت اور قوی وضعیف شہادت اور کثرت وقوع سماعت اور دین میں اس کی مہم صورت حال ہوگی، آیا وہ بیوقوف ونادان ہے یا نقال ومسخرہ۔

چنانچہ جس کا معاملہ قوی وزبردست ہوگا اسے سخت سزا دی جائے گی قید خانے میں زنجیروں سے جکڑا جائے گا اور خوب سنگین سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اس کی طاقت جواب دے جائے بجز اس کے کہ وہ ضرورت کے لئے کھڑا ہو سکے اور یہ کہ نماز میں قیام سے نہ روک دے۔

یہی حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جس پر وجوب قتل تو ہو لیکن کسی اور احتمال سے اجراء قتل موقوف ہو گیا ہو یعنی اجرائے قتل میں تاخیر ضروری بتائی ہو اور اس کے معاملہ میں اشکال مانع ہو جائے، ایسے کی سزا میں سختی کی حالت اس کے احوال میں اختلاف کے بنا پر ہوتی ہے۔

ولید علیہ الرحمہ نے امام مالک اور اوزاعی رحمہا اللہ سے روایت کیا بلا شبہ یہ روایت ہے چنانچہ جب وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے۔

کتاب عتبیہ اور اور موطا امام محمد علیہ الرحمہ میں بروایت اشہب علیہ الرحمہ امام مالک علیہ الرحمہ کی یہ روایت ہے کہ جب مرتد توبہ کر لے تو اس پر سزا نہیں ہے اسے سحنون علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

اور ابو عبد اللہ بن عتاب علیہ الرحمہ نے اس شخص کے بارے میں فتوی دیا جس نے حضور ﷺ کو گالی دی تھی اور اس کے خلاف ایسے دو گواہوں نے گواہی دی تھی جن میں سے صرف ایک گواہ عادل تھا (تب اس کے بارے میں فتوی دیا) کہ اسے دردناک، رنجید و سزا دی جائے طویل، قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا ظہور ہو اور قابلی علیہ الرحمہ نے اس کی مثل فرماتے ہوئے کہا کہ جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی ایسا امر مانع حائل ہو جائے جو قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اسے قید سے چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ عرصہ دراز تک قید میں رکھنا چاہیے، اگرچہ اس کی مدت قید کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور یہ کہ دوران قید طوق و زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر قابل برداشت حد تک مشقت کرائی جائے اور ایک اور مقام پر اس قسم کے مسئلہ میں فرمایا کہ جن کے ساتھ قضیہ مشتبہ ہو جائے تو اسے زنجیروں سے جکڑا جائے اور قید خانے میں تنگی کی جائے یہاں تک کہ اسے قضیہ واضح ہو جائے کہ وہ کس سزا کا مستوجب ہے۔

اسی طرح اور ایک معاملہ میں فرمایا کہ جب تک صاف صاف قضیہ واضح نہ ہو جائے ہرگز خون نہ بہایا جائے کوڑوں اور قید وغیرہ کی تعزیر احمق اور بیوقوفوں کی سزا ہے، ایسوں کو خوب سخت سزا دی جائے، اب رہی یہ بات کہ اس کے خلاف جن دو گواہوں نے شہادت دی ہے اس سے ان کی عداوت ثابت ہو جائے یا ایسی جرح کی جائے جس سے شہادت ساقط ہو جائے اور ان گواہوں کے سوا کوئی دوسرا

گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا قضیہ خفیف ہے اور اس سے حکم قتل و نکال (عذاب، سزا، عقوبت) ساقط ہے گویا وہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس پر کوئی گواہ ہے ہی نہیں، البتہ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے ایسی باتیں صادر ہوتی رہتی ہیں اور فی الحال جو گواہ گزرے ہیں وہ عداوت یا جرح کی بنا پر ساقط ہو گئے ہیں مگر وہ گواہ ہوں اہل شہادت تو اس صورت میں ان شہادتوں کی بنا پر حکم قتل تو نافذ نہ ہو گا مگر گواہوں کی صداقت کا گمان بھی نہیں جائے گا، لہذا قاضی اور حاکم کے لئے ایسے کی سزا اور تعزیر میں اجتہاد کا مقام باقی رہے گا، اللہ عزوجل ہی نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری فصل

ذمی سے گالی کے صدور کا حکم

گزشتہ فصلوں میں حکم تو مسلمانوں کے لئے تھا اب رہے ذمی (غیر مسلم) تو جب وہ صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیں یا تعریض کریں یا مرتبہ عالی کا استخفاف کریں یا اس خاص وجہ کے علاوہ جس کی بنا پر وہ کافر ہے کسی اور صفت کے ساتھ توصیف کریں تو اس صورت میں بھی اس کے قتل میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اسلام نہ لایا ہو اس لئے کہ ہم نے اس خصوص میں اس کا عہد و ذمہ نہیں لیا ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ اور ان کے شاگردوں کے سوا عام علماء کا یہی قول ہے، علماء احناف فرماتے ہیں کہ ایسے ذمیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ جس کفرو شرک پر قائم ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، لیکن تادیب و تعزیر ضرور کی جائے۔

بعض ہمارے مالکی مشائخ رحمہم اللہ نے اس کے قتل پر اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾

اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں۔ (التوبۃ:۱۲)

نیز اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اشرف کو اور اس کے مثل دیگر (بدگوئیوں) کو قتل فرمایا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس امر پر نہ تو ان سے معاہدہ کیا ہے اور نہ

اس امر کے ساتھ ان کو ذمہ دیا ہے اور یہ بات ہمارے لئے جائز بھی نہیں کہ ہم ان سے ایسا معاہدہ کریں، لہذا جب وہ اس کے مرتکب ہوئے جس پر ہمارا ان سے نہ تو معاہدہ ہے نہ ذمہ، تو اب وہ بمنزلہ معاہدہ شکن اور کفار حربی بن گئے، چنانچہ اب ان کو ان کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو ذمہ دینا ان سے حدود اسلامی کو ساقط نہیں کرتا کہ وہ کسی کا مال چرالیں یا وہ کسی کو مار ڈالیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہوگا اور قصاص میں قتل کئے جائیں گے، اگرچہ یہ باتیں ان کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہوں، تو یہی حال نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ہے، لہذا وہ ضرور اس بنا پر قتل کئے جائیں گے۔

اور ہمارے مالکی اصحاب رحمہم اللہ میں بعض ایسی ظاہر روایتیں منقول ہیں جو مقتضٰی کے خلاف ہیں، جبکہ ذمی نے حضور ﷺ کا ذکر اس وجہ پر کیا ہو جس کے ساتھ وہ پہلے سے ہی کافر تھا جیسا کہ ابن قاسم اور ابن سحنون رحمہما اللہ کے کلام سے بعد میں واقفیت ہوگی اور ابو مصعب علیہ الرحمہ نے علماء مدینہ سے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

مالکی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی (ذمی) حضور ﷺ کو گالی دے پھر وہ اسلام لے آئے، چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اسلام قتل کو ساقط کر دے گا، کیونکہ اسلام اس کے ماقبل کے گناہ کو ناپید کر دیتا ہے، بخلاف مسلم علیہ الرحمہ کے کہ جب وہ گالی دے پھر توبہ کرے وجہ یہ ہے کہ کافر کی باطنی حالت کو ہم جانتے ہیں کہ وہ دل میں حضور سے بغض رکھتا ہے اور اس کے قلب میں تنقیص پنہاں ہے، لیکن ہم نے اس کو اس کے اظہار سے روک رکھا ہے اور جو وہ اظہار کر رہا ہے وہ صرف مخالفت امر اور نقص عہد ہی ہے، جب وہ اپنے پہلے دین سے پھر کر اسلام میں داخل ہو گیا تو ماقبل کا گناہ اس سے ساقط ہو گیا، چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾

تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا۔ (الانفال:۳۸)

اور مسلمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس کے حق میں ہمارا گمان یہ تھا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر حال کے حکم میں ہے اور اب جو اس سے اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو ہم اس کے رجوع کے باوجود بھی قبول نہیں کریں گے، اور نہ اس کے باطن پر اطمینان کریں گے، کیونکہ اس کے دل کا چور ظاہر ہو گیا اور جو احکام اس پر ثابت تھے وہ اس پر باقی رہیں گے اور کسی صورت میں وہ اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ گالی دینے والے ذمی کا اسلام لانا بھی حکم قتل کو ساقط نہیں کرے گا، کیونکہ یہ حق تو نبی کریم ﷺ کا ہے جو آپ کی حرمت کی توہین و تنقیص اور تاذی کی بنا پر واجب ہوا ہے، تو اب اسلام کی طرف ذمی کا رجوع کرنا اسے ساقط نہیں کر سکتا جس طرح مسلمانوں کے وہ حقوق جو اس کے اسلام لانے سے اس پر واجب میں مثلاً قتل تہمت وغیرہ (کہ یہ بعد اسلام بھی واجب رہتے ہیں) اور یہ کہ جبکہ ہم اس بارے میں مسلمان کی بھی توبہ قبول نہیں کرتے تو کافر کی توبدرجہ اولی قابل قبول نہیں ہو سکتی، امام مالک علیہ الرحمہ نے کتاب ابن حبیب اور مبسوط میں اور ابن قاسم، ابن ماجشون، ابن عبدالحکیم اور اصبغ رحمہم اللہ نے ذمیوں کے بارے فرمایا جو ہمارے نبی کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو انہیں قتل کر دیا جائے، مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی طرح انبیاء میں ابن قاسم علیہ الرحمہ کا قول ہے، یہی مذہب محمد (بن المواز) اور سحنون رحمہما اللہ کا ہے، چنانچہ سحنون اور اصبغ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ایسے ذمی سے نہ تو یہ کہا جائے کہ تو اسلام لے آ اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ اسلام نہ لا لیکن اگر (از خود وہ) اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہو گی۔

کتاب محمد علیہ الرحمہ (بن المواز) میں ہے کہ ہمیں اصحاب امام مالک علیہ الرحمہ نے خبر دی کہ امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ جو کوئی بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، رسول اللہ ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے، مگر ہمارے نزدیک امام مالک علیہ الرحمہ کا قول اتنا اور زیادہ ہے کہ بشرطیکہ وہ کافر مسلمان نہ ہو جائے، (یعنی اسلام لانے پر قتل نہ کیا جائے گا) ابن وہب علیہ الرحمہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک راہب نے نبی کریم ﷺ کی شان میں کچھ بیہودہ کہا اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔

اور عینی علیہ الرحمہ نے ابن قاسم علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہماری طرف رسول نہیں بھیجے گئے بلکہ وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، اسی قسم کی اور بھی باتیں کہی تھیں تو ایسا کہنے میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں اس لئے کہ اللہ عزوجل نے ان کو ایسا اعتقاد رکھنے میں برقرار رکھا ہے البتہ اگر اس نے آپ ﷺ کو گالی دی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) نہ تو نبی ہیں اور نہ رسول، اور نہ آپ ﷺ پر قرآن ہی نازل ہوا ہے بلکہ وہ آپ ﷺ کا اپنا اختراع ہے یا اس قسم کی اور کوئی بات کرے تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ نے کہا کہ جب کوئی نصرانی یہ کہے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے کہ تمہارا دین تو گدھے کا دین ہے یا اس قسم کی اور کوئی بکواس کرے یا یہ کہ جب مؤذن کو اشھد ان محمد رسول اللہ پڑھتا ہے اور اس پر کہے کہ ایسا ہی تم کو بھی اللہ عزوجل رسول بنائے (معاذ اللہ بنظر حقارت کہے) تو ایسے کو خوب دردناک سزا دینی چاہئے طویل قید میں رکھنا چاہئے۔

اور اگر کوئی غیر مسلم شخص نبی کریم ﷺ کو ایسی گالی دے جو معروف و مشہور اور جانی پہچانی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے اسے مالک علیہ الرحمہ نے بارہا فرمایا ہے اور یہ نہیں

فرمایا کہ اس سے توبہ لی جائے یا اس کی توبہ قبول کی ابن قاسم علیہ الرحمہ نے کہا کہ میرے نزدیک امام مالک علیہ الرحمہ کا قول "إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَ" (مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے) اس پر محمول ہے کہ وہ برضا و رغبت از خود اسلام قبول کرے۔

سلیمان بن سالم علیہ الرحمہ کے ایک یہودی کے بارے میں سوالات کے جواب میں ابن سحنون علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جو ذی مؤذن سے "اشهد ان محمد رسول الله" کہتے سن کر کہے کہ "تو نے جھوٹ بولا تو اسے خوب سخت سزا دی جائے جس سے اسے درد و الم ہو اور اسے طویل قید میں رکھا جائے۔"

اور کتاب نوادر میں بروایت سحنون علیہ الرحمہ امام مالک علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی کسی نبی کو اس وجہ کے برخلاف جس پر وہ کفر میں قائم ہے گالی دے تو اس کی گردن مار دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

محمد بن سحنون علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے پر ایسے شخص کو کیوں قتل کیا جس کے دین میں گالی دینا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنا اس کے دین کا جزو تھا اور ایسی باتیں اس کے دین میں شامل تھیں تو جواب میں کہا جائے گا ہم نے اسے اس لئے قتل کیا کہ ہمارا اس پر کوئی عہد و ذمہ نہیں تھا اور نہ اس کی اجازت تھی کہ چاہے تو وہ ہم کو قتل کر دے یا ہمارا مال چھین لے، لہذا جب وہ ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا تو ضرور اسے قتل کیا جائے گا، اگرچہ یہ بات اس کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہمارے سامنے گالی ظاہر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی موجب قتل ہے۔

سحنون علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس طرح کسی قول میں ہمارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اہل عرب ہم سے

اس شرط پر جزیہ دینا قبول کرلیں کہ وہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو گالی دینے میں برقرار رکھے جائیں (اور ہم اسے منظور کرلیں یہ جائز ہی نہیں) اسی طرح ذمیوں میں سے اس شخص کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا جو کوئی بھی آپ ﷺ کو گالی دے اور ہمارے لئے وہ حلال الدم بن جائے گا، لہذا جس طرح اسلام اس مسلمان کو قتل سے نہیں بچاسکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے اسی طرح "ذمہ" بھی اس ذمی کو قتل سے نہیں بچاسکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابن سحنون نے جو اقوال اپنی طرف سے اور اپنے والد کی جانب سے بیان کئے ہیں وہ ابن قاسم علیہ الرحمہ کے اس قول کے برخلاف ہیں جس میں انہوں نے سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ ان باتوں میں سے ہو جن کے سبب وہ پہلے ہی سے کافر تھا، لہذا ہمیں غور و خوض کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کے برخلاف ہے جو اس بارے میں اہل مدینہ سے مروی ہے۔

ابو مصعب زہری علیہ الرحمہ نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا نصرانی لایا گیا جس نے کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (سیدنا محمد (ﷺ) پر پسند فرمایا ہے، پھر میرے سامنے اس کے بارے میں اختلاف رونما ہوا مگر میں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ قتل ہو گیا یعنی ایک شبانہ روز (دن رات) زندہ رہ کر مر گیا، پھر میں نے حکم دیا کہ اسے پاؤں سے گھسیٹ کر کوڑے پر ڈال دیا جائے، چنانچہ کتوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

ابو مصعب علیہ الرحمہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ (علیہ السلام) نے محمد (ﷺ) کو پیدا کیا ہے، تو فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک علیہ الرحمہ سے ایک مصری نصرانی کے بارے میں

دریافت کیا کہ اس پر یہ گواہی گزری ہے کہ اس نے کہا ہے کہ وہ مسکین محمد (ﷺ) تم کو خبر دیتا ہے ہے کہ وہ جنت میں ہے اس کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے"۔ (لَعْنَةُ اللهِ عَلٰی قَائِلِهَا، نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ هٰذِهِ الخُرَافَاتِ، نَسْتَغْفِرُهٗ مِنْ ذٰالِكَ) امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی گردن اڑادی جائے، اس کے بعد امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ابن کتانہ علیہ الرحمہ "مبسوط" میں کہتے ہیں کہ جو یہودی یا نصرانی نبی کریم ﷺ کو گالی دے تو میں حاکم کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو اسے قتل کر کے اس کے جسم کو آگ میں پھینک دے یا اگر وہ چاہے تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے جبکہ وہ گالی میں مبالغہ اور ضد کرے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی خدمت میں مصر سے ایک مکتوب آیا جس میں ابن قاسم علیہ الرحمہ کا مذکورہ بالا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو ابن قاسم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک علیہ الرحمہ نے جواب لکھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے لکھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی گردن اڑادی جائے، یہ کہہ کر میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ (امام مالک علیہ الرحمہ) کہ آپ یہ بھی لکھوائیں کہ پھر اسے آگ میں جلایا جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً وہ اس کا مستحق ہے اور وہ اس کا سزاوار ہے، تو میں نے اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے آپ کے روبرو لکھا اور آپ نے نہ اس کا انکار کیا اور نہ برا جانا اور وہی فتوی بھیج دیا گیا، چنانچہ اسے قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔

ہمارے اندلس کی جماعت اصحاب سلف میں سے عبیداللہ بن یحیی اور ابن لبابہ رحمہا اللہ نے ایک ایسی

نصرانی عورت کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے چیخ کر خدا کی ربوبیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہونے سے انکار اور حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی تھی اور یہ فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے قتل معاف ہو جائے گا اور علماء متاخرین میں سے بکثرت علماء کا یہی قول ہے جن میں سے قابسی اور ابن کاتب رحمہما اللہ بھی ہیں۔

ابوالقاسم بن جلاب علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابو محمد علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ وہ ذمی جس نے گالی دی پھر وہ مسلمان ہو گیا، اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرنے سے حکم قتل معاف ہو جائے گا (اور دوسری روایت یہ ہے جیسے) ابن سحنون علیہ الرحمہ نے کہا کہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد میں سے ہے ذمی کا اسلام حد کو ساقط نہیں کرتا، اسلام سے صرف حقوق اللہ عزوجل ساقط ہوتے ہیں اور حد قذف چونکہ بندوں کا حق ہے خواہ وہ حق نبی کا ہو یا غیر نبی کا، لہذا یہ ذمی پر واجب ہی رہتے ہیں، جب وہ نبی کریم ﷺ پر تہمت لگائے اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تو حد قذف باقی رہتی ہے۔

اب یہ غور طلب امر ہے کہ اب اس پر کیا چیز واجب ہے، آیا نبی کریم ﷺ کے حق میں اس پر حد قذف واجب ہے اور وہ حد یہاں پر قتل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حرمت دوسروں سے کہیں برتر ہے یا یہ کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل تو ساقط ہے لیکن اس کو اسی ۸۰ درے لگائے جائیں، لہذا اس پر غور کرنا چاہیئے۔

(نوٹ) مذہب حنفی کی بنا پر ذمی کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس قسم کے مسائل میں حد قذف اور قتل دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

گستاخ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

جو شخص نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا جائے اس کی میراث اور اس کے غسل و نماز کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کر دیا جائے اس کی میراث میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ سحنون علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین کا حق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے جو زندیق کے کفر کے مشابہ ہے اور اصبغ علیہ الرحمہ نے کہا کہ اسکی میراث اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گی، اگر وہ اس کو چھپاتا تھا، لیکن اگر وہ اس کو اعلانیہ ظاہر کرتا تھا تو اب اس کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی (یعنی بیت المال میں داخل کی جائے گی) اور ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اور ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اگر وہ اس حال میں قتل کیا جائے کہ اپنے خلاف شہادت کا انکاری تھا تو اس کی میراث میں وہی حکم ہوگا جو اس کے اقرار سے ظاہر ہے، یعنی اس کی میراث کے مستحق اس کے ورثاء ہی ہوں گے اور حکم قتل تو وہ اس امر کی حد ہے جو اس پر ثابت ہوا ہے اس کو میراث سے کوئی علاقہ (تعلق) نہیں۔

علی ہذا القیاس: اگر وہ گالی دینے کا اقرار کرے اور توبہ کو ظاہر کرے تو قتل ضرور کیا جائے گا چونکہ اس کی حد وہی ہے لیکن اس کی میراث اور اس کے سوا دیگر تمام احکام میں اسلام کا حکم ہوگا۔

اور اگر گالی کا اقرار کرے اور اس پر اصرار بھی کرے اور توبہ سے انکار کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہو گا اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہے نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ کفن دیا جائے گا بلکہ یوں ہی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دبا دیا جائے گا، جس طرح کفار کو دبایا جاتا ہے۔

اور شیخ ابوالحسن علیہ الرحمہ کا یہ قول اس شخص کے بارے میں تو ظاہر ہے جو اعلانیہ آپ ﷺ کو گالی بکتا ہو اور اس پر اسے اصرار بھی ہو اس میں اصل اختلاف کا امکان بھی نہیں کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے جس نے نہ تو توبہ کی اور نہ اس سے باز رہا، یہ قول اصبغ علیہ الرحمہ کے قول کے موافق ہے، علی ہذا القیاس سحنون علیہ الرحمہ کی کتاب میں اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو اپنے قول پر اصرار کرتا ہو اور اسی طرح عتیبہ میں ابن قاسم علیہ الرحمہ کا قول اور کتاب ابن حبیب علیہ الرحمہ میں امام مالک علیہ الرحمہ کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے کفر کا اعلان کرے، ابن قاسمی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس کا حکم مرتد کا سا ہے کہ نہ تو اس سے اس کے مسلمان ورثاء ہی مستحق ہوتے ہیں اور نہ وہ لوگ وارث بنتے ہیں جن کے دین میں وہ داخل ہوا تھا، نہ اس کی وصیتیں نافذ ہیں اور نہ غلاموں کو آزاد کرنا جائز اور یہی اصبغ علیہ الرحمہ کا قول ہے، انہوں نے کہا کہ خواہ اسے اس حالت پر قتل کیا جائے یا اپنی موت پر مر جائے اور ابو محمد بن ابی زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اختلاف علماء صرف اس زندیق کی میراث میں ہے جو توبہ کو ظاہر کرے پھر اس کی قبول نہ کی جائے لیکن جو مرتد سرکش ہوا اس میں قطعًا اختلاف نہیں ہے کہ ورثاء اس کے مال کے وارث ہوں گے ابو محمد علیہ الرحمہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ عزوجل کو گالی نکالی پھر وہ مر جائے اور اصبغ علیہ الرحمہ نے بروایت ابن قاسم علیہ الرحمہ "کتاب ابن حبیب" میں اس شخص کے بارے میں قتل کہا جس نے رسول اللہ ﷺ کی

تکذیب کی ہے یا ایسے دین کا اعلان کرے جس سے دین اسلام چھوٹ جائے تو بلا شبہ اس کی میراث جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گی۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کے موافق، ربیعہ، امام شافعی، ابو ثور اور ابن ابی لیلی رحمہم اللہ نے کہا کہ مرتد کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے اس میں اختلاف مروی ہے۔

سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم، ابن مسعود، ابن مسیب حسن، شعبی، عبدالعزیز، حکم اور اوزاعی، لیث، اسحاق اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان ورثاء اس کی میراث پائیں گے، ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس مال کا ہے جو مرتد نے ردت سے قبل کمایا ہے لیکن وہ مال جو اس نے ردت کے بعد کمایا تو وہ جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گا، مگر ابوالحسن علیہ الرحمہ کی تفصیل اپنے باقی جواب میں عمدہ اور ظاہر ہے۔

قرطبہ کے فقہاء، عبدالمالک فقیہ علیہ الرحمہ کے بھائی ہارون بن حبیب کے مسئلہ میں مختلف ہو گئے کیونکہ وہ تنگدل اور بد خلق تھا اس پر اس کے بر خلاف متعدّد شہادتیں گزریں، ان میں سے ایک یہ ہے اس نے مرض سے صحت پانے کے بعد کہا کہ میں اپنے مرض سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اگر میں سیدنا ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیتا تو میں اس تمام بیماری کا مستحق نہ ہوتا، اس پر ابراہیم بن حسین بن خالد علیہ الرحمہ نے اس کے قتل کا فتوی دیا، چونکہ اس کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اس نے اللہ عزوجل پر ظلم و جور کی نسبت کی ہے اس خصوص میں اشارہ بھی تصریح کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بھائی عبدالملک بن حبیب اور ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی رحمہم اللہ نے قتل سے باز رکھنے کا فتوی دیا، مگر قاضی نے یہ مناسب جانا کہ اسے قید سخت میں رکھا جائے اور شدید سزا دی جائے

کیونکہ اس کا کلام محتمل اور شکوہ کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

اب رہی اس کی وجہ جس نے اللہ عزوجل کو گالی دی اور اس سے توبہ لینے کا حکم دیا تو یہ صرف اس کے کفر وردت کی وجہ سے ہے چونکہ اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کا حق متعلق نہیں ہے تو یہ اس کفر سے مشابہ ہے جو بغیر گالی کے ہو گویا کہ یہ اظہار ہے کہ اب وہ اسلام کے مخالف کسی دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

(اب رہا وہ قول جس میں اس کے) توبہ نہ لینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اظہار اسلام کے بعد اس کے منہ سے گالی نکلی تو ہم نے اس کو متہم جانا اور گمان کیا کہ اس کی زبان پر گالی جب ہی آئی کہ وہ دل سے اس کا معتقد تھا، کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی تسامح نہیں کرتا لہذا اس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور جب وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے گالی ظاہر ہوئی تو وہ ارتداد کے معنی میں ہو گا، گویا اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا ہے، بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ اسلام کا پابند ہے، ایسے شخص کا حکم مرتد کے حکم میں ہے جس سے بمذہب اکثر علماء توبہ لی جائے گی یہی مذہب امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے شاگردوں کا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس کے خلاف کو فصلوں میں بیان کیا ہے۔

تیسرا باب

اس شخص کے حکم کے بارے جو اللہ عزوجل، اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی آل کو برا کہتا ہے، اس کی نو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

شان الٰہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم

اب رہا ایسے شخص کا حکم جو اللہ عزوجل کی نسبت ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے لائق نہیں ہیں جو نہ تو بر سبیل سب وشتم ہو اور نہ بطریق ردت اور ارادہ کفر ہو بلکہ بروجہ تاویل و اجتہاد اور خطا کے ہو اور وہ شخصی خواہشات نفسانی اور بدعت ہو مثلاً تشبیہ دینا یا کسی عضو سے موصوف کرنا یا کسی صفت کی نفی کرنا وغیرہ۔

تو یہ امر ہے کہ جس کے قائل و معتقد کی تکفیر میں علماء سلف و خلف کا اختلاف ہے اور امام مالک ہے اور ان کے شاگردوں کا بھی اس میں اختلاف مروی ہے اور جب ایسے لوگ جماعت بندی کر کے قوت پکڑ لیں تو ان سے قتال و جہاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سے توبہ طلب کی جائے گی، اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

البتہ علماء کا اختلاف منفرد (تنہا) شخص میں ہے، چنانچہ امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے شاگردوں کا قول اس کی تکفیر سے باز رہنے اور اس کو قتل سے چھوڑنے میں ہے، البتہ اس کی سزا میں مبالغہ اور قید میں درازی اس عرصہ تک ہوگی کہ وہ اپنے عقیدے سے رجوع ظاہر کرے اور اپنی توبہ کا اعلان کرے، جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن شریک تمیمی کے ساتھ کیا تھا اور یہ محمد بن المواز علیہ الرحمہ کا "خوارج" میں اور عبدالملک بن الماجشون رحمہا اللہ کا قول ہے اور سحنون علیہ الرحمہ کا قول تمام اہل ہواء (بدعتیوں) کے لئے ہے اور اس کے ساتھ "موطا" میں امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کی تفسیر کی گئی ہے، جس کو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ برا اور ان کے جد و عم سے قدریہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان سے توبہ طلب کی جائے، اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ وہ قتل کئے جائیں اور عیسی علیہ الرحمہ نے ابن القاسم علیہ الرحمہ سے اہل ہواء کے بارے میں یعنی اباضیہ و قدریہ اور ان کی مثل دیگر اہل بدعت جو اہل سنت و جماعت کے مخالف اور کتاب الٰہی میں تحریف و تاویل کے خوگر ہیں فرمایا کہ ان سے توبہ طلب کی جائے خواہ وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کریں یا چھپائیں اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ور قتل کئے جائیں اور ان کی میراث ان کے وارثوں کے لئے ہے نیز اسی طرح ابن قاسم علیہ الرحمہ نے "کتاب محمد" میں فرقہ قدریہ وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اور ان سے توبہ طلب کرنا یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس سے باز آ جاؤ، اسی طرح مبسوط میں اباضیہ، قدریہ اور تمام اہل بدعت کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنی بری رائے کی وجہ سے قتل ہوئے ہیں اور یہی عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا ہے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا، اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ وہ قتل کردیا جائے اور ابن حبیب

علیہ الرحمہ وغیرہ اس کو کافر کہتے ہیں اور سحنون علیہ الرحمہ سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی طرح مروی ہے جس نے کہا تھا کہ اللہ عزوجل کا کلام نہیں ہے، (فرمایا کہ) وہ کافر ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ سے مختلف روایتیں مذکور ہیں اور ابومسہر اور مروان بن محمد طاطری وغیرہ شامیوں کی روایتوں میں توان کو مطلقاً کافر کہا ہے اور ان سے جب ایک قدری شخص کو لڑکی دینے کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو فرمایا ان سے بیاہ نہ کرو کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ﴾ اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔ (البقرہ:۲۲۱)

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل ہوا تمام کے تمام کافر ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ذات باری عزوجل کے لئے کوئی حصہ جسم مانا مثلاً ہاتھ، کان اور آنکھ وغیرہ تو قائل کا وہی عضو اور حصہ جسم قطع کیا جائے، کیونکہ اس نے اللہ عزوجل کو اپنی جان (جسم وغیرہ) سے تشبیہ دی۔

اور آپ نے اس شخص کے لئے جس نے قرآن کو مخلوق کہا تھا کفر کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ قتل کر دیا جائے اور ابن نافع علیہ الرحمہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور دردناک مار لگائی جائے اور قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور بشر بن بکر تنیسی علیہ الرحمہ کی روایت میں امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابوعبداللہ برنکانی اور قاضی ابوعبداللہ تستری علیہ الرحمہ جو عراق کے ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف جواب میں ان میں سے جو شخص جاننے والا (عالم) ہے اور لوگوں میں تبلیغ و دعوت دیتا ہے اسے تو قتل کر دیا جائے علی ہذا الخلاف اعادہ صلوۃ میں جو ایسوں کے پیچھے پڑھی گئی اس میں بھی مختلف اقوال ہیں ابن منذر علیہ الرحمہ نے امام شافعی علیہ الرحمہ سے روایت کیا کہ قدریوں سے توبہ طلب نہ کی جائے اور اکثر سلف کے اقوال ان کی تکفیر میں ہیں اور ان ائمہ میں سے جنہوں نے تکفیر کی

ہے، لیث اور ابن عینیہ اور ابن لھیہ رحمھم اللہ ہیں اور ان سے یہ حکم اس شخص کے لئے مروی ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا ہے اور اسی کے ابن المبارک، اودی، وکیع، حفص بن غیاث، ابو اسحاق فزاری ہشیم اور علی بن عاصم رحمھم اللہ وغیرہ قائل ہوئے ہیں اور یہی قول اکثر محدثین، فقہا اور متکلّمین کا قائلین خلق قرآن اور خوارج وقدریہ گمراہ اہل ہوا اور تاویل کرنے والے بدعتیوں کے بارے میں ہے، یہی قول امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا ہے علی ہذا القیاس ان حضرات نے یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں دیا ہے جو ان اصولوں سے توقف اور شک کرے۔

اور وہ حضرات جن سے دوسرے قول کا مفہوم مروی ہے یعنی ان کی تکفیر نہ کی جائے سیدنا علی ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی عمر اور حسن بصری رحمھم اللہ ہیں اور یہی رائے فقہاء واہل نظر اور متکلّمین کی ایک جماعت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اہل جردا (خوارج وغیرہ) اور قدریوں کے مردوں کا وَرثہ ان کے وارثوں کو دلایا تھا، اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرکے ان پر اسلام کے احکام جاری کئے تھے۔

قاضی اسمٰعیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ کا یہ قول ہے کہ قدریوں اور تمام اہل بدعت سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ قتل کردیئے جائیں، اس لئے کہا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، جیسا کہ باغیوں کا حکم ہے کہ حاکم وامام اگر مناسب خیال کرے تو ان کو قتل کرسکتا ہے اگرچہ انہوں نے کسی کو قتل نہ کیا ہو، حالانکہ باغیوں کا فساد تو صرف اموال اور دنیاوی مطاع وامور میں ہے اگرچہ کبھی دینی امور میں بھی ہوتا ہے مثلاً حج اور جہاد کے راستوں میں لیکن اہل بدعت کا فساد تو دین کے اہم امور میں ہوتا ہے اگرچہ کبھی دنیاوی معاملات میں بھی ہو، مثلاً وہ مسلمانوں کے درمیان عداوت وغیرہ پھیلائیں، لہذا دین کے فساد کو مٹانا دنیا کے فساد کو رفع کرنے سے کہیں زیادہ افضل واعلیٰ ہے۔

دوسری فصل

متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول

ہم ان علماء سلف کے اقوال و مذاہب بیان کر چکے ہیں جنہوں نے ان اصحاب بدعت و ہوا اور متاولین کو کافر کہا ہے جن کی باتیں ان کو قریب بکفر لے جاتی ہیں، اگر اس کے قائل کو علم ہو جائے تو وہ ایسی باتیں نہ کہے جو ان کو کفر تک لے جائے، ان کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء و متکلّمین اس بارے میں مختلف ہیں چنانچہ کچھ علماء نے تو ان کی تکفیر کو درست و صواب کہا ہے جس کے جمہور سلف قائل ہیں۔

اور کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے تکفیر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے ان کو ملت اسلامیہ سے نکالنا مناسب نہ جانا، یہ قول اکثر فقہاء متکلّمین کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فاسق مرتکب کبائر گمراہ تو ہیں لیکن ہم ان کو مسلمانوں کا ورثہ دلاتے ہیں اور ان پر اسلامی احکام جاری رکھتے ہیں، بایں وجہ سحنون علیہ الرحمہ نے کہا کہ جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں ان کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہی قول امام مالک علیہ الرحمہ کے تمام شاگردوں کا ہے، جن میں مغیرہ و ابن کنانہ اور اشہب رحمہم اللہ بھی ہیں، سحنون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مرتکب کبائر فاسق مسلمان ہیں محض ارتکاب گناہ انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا اور دیگر علماء اس بارے میں متردد و مضطرب ہیں اور وہ ان کی تکفیر و اسلام میں توقف کرتے ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ کے اس بارے میں دو قول مختلف ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اعادہ صلوۃ میں توقف فرماتے ہیں۔

علی ہذا القیاس امام اہل التحقیق والحق قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ کا بھی یہی مذہب ہے فرماتے ہیں یہ مسئلہ مشکل ہے کیونکہ علماء ملت نے کلمہ کفر کی تصریح نہیں کی، یہ تو کہہ دیا کہ ایسا کلمہ مفضی اِلی الکفر ہے اور خود ان کا قول امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف متردد و مضطرب ہے یہاں تک انہوں نے فرمایا کہ یہ صرف علماء کی رائے ہے کہ متاوٗلین کو انہوں نے کافر کہا اور یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا حلال اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھائی جائے، اسی طرح ان کے ورثہ میں بھی اختلاف ہے جس طرح مرد کی میراث میں ہے۔

قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم ان کی میراث ان کے مسلمان ورثاء کو دلاتے ہیں اور ان کو ہم مسلمانوں کا وارث نہیں بناتے، چنانچہ قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ کا میلان ان کے انجام کے لحاظ سے ترک تکفیر کی طرف تھا۔

اسی طرح اس بارے میں ان کے شیخ ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ کا قول بھی مضطرب ہے اور ان کا اکثر قول ترک تکفیر ہی کا ہے اور یہ کہ ان کا کفر تو ایک ہی خصلت ہے وہ وجود باری عزوجل کے ساتھ جہالت و لاعلمی ہے، حضرت اشعری علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ عزوجل کا جسم ہے یا مسیح (خدا) ہے یا جو اسے راہ میں ملے اس کو وہ کہہ دے کہ خدا ہے، تو وہ عارف ربانی نہیں بلکہ وہ کافر ہے، اسی طرح ابوالمعالی علیہ الرحمہ نے اپنے ان جوابات میں جو ابو محمد عبدالحق علیہ الرحمہ کو دیے تھے جبکہ انہوں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو انہوں نے عذر فرمایا علیہ السلام کہ اس میں یعنی تکفیر و عدم تکفیر میں سخت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ملت اسلامیہ میں کافر کو داخل کرنا اور اس سے کسی مسلمان کو نکالنا دین میں بہت بڑی ذمہ داری ہے، ان دونوں کے سوا علما محققین متاوٗلین کی تکفیر میں احتراز و اجتناب کو واجب گردانتے ہیں، کیونکہ موحد نمازی کے خون کو مباح الدم قرار دینا خطرناک غلطی ہے اور

ہزار کافر کے ترک میں خطا کر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک مسلمان کے خون کو بہایا جائے۔

یقیناً سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب وہ یہ کہہ دیں یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کر لیں تو انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، بجز ان کے حقوق کے اب ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اقرار شہادت کے ساتھ ان کا بچاؤ یقینی اور قطعی ہے اور یہ حکم ان سے مندفع نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا خلاف مباح ہو سکتا ہے، مگر اسی صورت میں کہ کوئی قطعی دلیل موجود ہو اور شرع و قیاس سے کوئی اس کا قاطع نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ احادیث میں جو باب تکفیر میں الفاظ مروی ہیں وہ تاویل طلب ہیں، اب جو حدیث میں قدریوں کے کفر کی تصریح وارد ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں" اور یہ کہ رافضیوں کو مشرک فرمانا اور ان پر لعنت کرنا علیٰ ہذا القیاس خوارج وغیرہ اہل ہواء کے بارے میں جو منقول ہیں جو ان سے تکفیر کرنے والے حجت میں استدلال کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہی الفاظ حدیث میں کافروں کے سوا دوسروں پر بھی وارد ہیں (یعنی گناہ گار مسلمانوں کے لئے حالانکہ وہ کافر نہیں ہیں) سو یہ الفاظ بغرض زجر و توبیخ ہیں اور یہ کفر (صریح) سے کم اور یہ شرک، شرک (جلی) سے کم درجہ کا ہے اور اسی طرح ریاکاری اور والدین کی نافرمانی، بیوی کا شوہر کی حکم عدولی، جھوٹ اور تہمت کے گناہوں کے بارے میں آیا ہے جب کسی کلام میں دو باتوں کا احتمال ہو تو ان میں سے کسی ایک پر بلا دلیل قطعی یقین نہیں کیا جا سکتا اور حضور ﷺ کا خوارج کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ "وہ مخلوق میں بدتر ہیں" (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ جلد ۲ ص ۷۴۴۔۷۴۱، صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ ص ۱۱۰، کتاب المناقب جلد ۲ ص ۱۲۰) حالانکہ یہ صفت خاص کفار کے لئے ہے اور

ارشاد ہے کہ یہ کہ وہ آسمان کے نیچے بہت برے ہیں، خوشی ہو اسے جو ان کو قتل کرے یا وہ جو ان کے ہاتھوں مقتول ہو اور فرمایا کہ جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر ڈالو جیسے قوم عاد کا قتل ہوا تھا، تو ان سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو ان کو کافر کہتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا صرف ان کے خروج و بغاوت کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے نکلتے تھے اور ان سے بغاوت کی تھی اور اس کی دلیل اسی حدیث میں ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے، تو ان کا اس مقام پر قتل کرنا بطور حد و تعزیر تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور قوم عاد کی تشبیہہ کا ذکر کرنا بھی قتل و حلال کے لئے ہے نہ کہ مقتول کے لئے اور جس کسی کو بھی قتل کا حکم دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کے کفر کا بھی (حکم) دے دیا جائے اور اس کا معارض حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اس حدیث میں یہ قول ہے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر ارشاد ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ نمازی ہو، اب اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کریں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوگا، اسی طرح حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر، پھر وہ اس کی طرف نہ لوٹ سکیں گے، یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس طرح تیر لید (گوبر) اور خون سے نکل جاتا ہے یہ ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ ان سے اسلام کا علاقہ ہی جاتا رہے گا اور کچھ بھی اسلام کا حصہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن دوسرے حضرات جواب دیتے ہیں کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے اس کے معانی نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو انشراح صدر حاصل نہ ہوگا اور اس پر عمل نہ

کر پائیں گے اور یہ حضرات معارضہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ وہ تیر کے بارے میں نزاع کریں گے (کہ آیا اس پر یا خون لگا ہے یا نہیں) گویا ان کے شک کی حالت کا بیان مقصود تھا اور اگر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کریں جو اس حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ وہ اس امت میں نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے نکل جائیں گے اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کی وضاحت کی ہے اور اسی کو ضبط کیا ہے، اس پر دوسروں نے یہ جواب دیا کہ امت میں کہنا اس تصریح کا متقاضی نہیں کہ وہ اس امت میں سے نہیں ہیں، بخلاف لفظ مِنْ کے جو "بعضیت" کے معنی میں آتا ہے، حالانکہ وہ امت میں سے ہی ہوں گے باوجود اس کے سیدنا ابوذر، سیدنا علی اور سیدنا ابی امامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے حدیث میں مروی ہے کہ وہ میری امت سے نکلیں گے اور عنقریب میری امت میں سے نکلیں گے حالانکہ ان حروف کے معانی مشترک ہیں، لہذا لفظ "فی" سے ان کو امت میں سے نکالنے کا اور لفظ "مِنْ" سے امت میں داخل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں رہا، لیکن سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا اس لفظ کے ساتھ تنبیہ فرمانا بہت عمدہ اور خوب ہے اور یہ اس پر حجت قویہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ فقہ اور معانی کی تحقیق و تجسس اور الفاظ و روایت کے احتیاط میں وسیع علم رکھتے تھے یہ مذہب اہل سنت و جماعت کے معروف و مشہور ہیں اور ان کے سوا دیگر فرقوں کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں لیکن وہ سب کے سب مضطرب اور بے ہودہ ہیں، البتہ قرب الی الصواب جہم اور محمد بن شبیب رحمہما اللہ کا قول ہے، وہ یہ کہ کفر باللہ سے نادانی و جہالت کے سوا کوئی شخص کسی اور سبب سے کافر نہیں ہوتا۔

ابوھذیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر متاول جس کی تاویل میں اللہ عزوجل کا اس کی مخلوق کے ساتھ مشابہت اور اس کو اس کے افعال میں جابر و ظالم (معاذ اللہ) اور اس کی خبر کا جھٹلانا وغیرہ ہو وہ کافر

ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا قدیم ہونا ثابت کرے جسے اللہ عزوجل نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے۔

بعض متکلّمین فرماتے ہیں کہ جو کوئی (کتاب و سنت سے) اصل و ماخذ کو پہچانتا ہو اور اس پر اپنے قول کو محمول کرتا ہو اور وہ ہو اوصاف الٰہی میں سے سو وہ کافر ہے اور اگر وہ اس باب (یعنی اوصاف الٰہی) سے نہ ہو تو وہ فاسق ہے مگر یہ کہ وہ اصل ہی کو نہ پہچانتا ہو تو وہ خطاوار ہے نہ کہ کافر۔

اور عبیداللہ بن حسن عنبری علیہ الرحمہ اصول دین میں مجتہدین کے اقوال کی تصویب و صحت کی طرف گئے ہیں جن میں کہ تاویل ممکن ہے، عبیداللہ علیہ الرحمہ نے اپنے اس قول میں تمام فرقہائے ملت سے بالکل جداگانہ طرز اختیار کی ہے کیونکہ اس کے سوا تمام علماء ملت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہی میں منحصر ہے اور اس میں خطا کرنے والا گناہگار، عاصی، اور فاسق ہے اور علماء کا اختلاف صرف تکفیر میں ہی واقع ہوا ہے۔

قاضی ابوبکر باقلانی علیہ الرحمہ عبیداللہ علیہ الرحمہ کے قول کی مثل بروایت داؤد اصبانی علیہ الرحمہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک قوم نے ان دونوں سے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس بات کو ہر اس شخص کے حق میں کہا ہے جس کی حالت سے اللہ عزوجل کو معلوم ہو کہ اس نے طلب حق میں اپنی کوشش کو مقدور بھر پورا کر ڈالا ہو، خواہ وہ ہماری ملت میں سے ہو یا کسی دوسرے مذہب کا، اس کے مشابہ حافظ اور تمامہ رحمہم اللہ نے بھی کہا ہے کہ اکثر عوام، عورتیں، بیوقوف (نادان) اور یہود و نصاریٰ کے پیروکار وغیرہ پر اللہ عزوجل کی حجت نہیں ہے، کیونکہ ان کی طبیعتیں ایسی تھی ہی نہیں جو وہ استدلال سے کام لیتے اور کتاب تفرقہ میں امام غزالی علیہ الرحمہ بھی تقریباً ایسے ہی مذہب کے قائل ہوئے ہیں اور ان سب باتوں کے قائل بھی بالاجماع ایسے ہی کافر ہیں جیسے وہ شخص جو یہود اور نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام سے جدا ہو گیا، جو ان کو کافر نہ جانے یا وہ ان کی تکفیر میں توقف یا شک

کرے۔

قاضی ابوبکر باقلانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقیف (روکنا، ٹھہرانا، وقفہ لگانا) اور اجماع دونوں ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں، لہذا جو کوئی بھی اس میں توقف کرے گا یا تو وہ نص اور توقیف کی تکذیب کرے گا یا اس میں شک کرتا ہے تو اس میں وہی شخص تکذیب یا شک کرے گا جو کہ کافر ہے۔

تیسری فصل

ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کون سا مقولہ کفر نہیں

معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں جو تحقیق اور ازالہ شبہات ہے وہ از روئے شرع ہے اس میں عقل کو مجال نہیں، اس میں بین فرق ہے کہ ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یا وحدانیت کی صراحت سے نفی ہو یا کسی غیر اللہ کی پرستش یا اللہ عزوجل کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو تو وہ کفر ہو گا، جیسے دہریوں کے اقوال اور تمام وہ فرقے جو دو معبودوں کو مانتے ہیں مثلاً دیضانیہ (دیصانیہ ایک مجوسی تھا جو کہ نور کو حی (زندہ) اور ظلمت کو میت (مردہ) کہتا تھا۔ (مترجم) اور مانویہ (مانی ایک حکیم طبع مجوسی تھا وہ نور کو خالق خیر اور ظلمت کو خالق شر کہتا تھا اور نبوت کا مدعی تھا۔ مترجم) وغیرہ جیسے صائبین، نصاری اور مجوس ہیں اور وہ لوگ جو بتوں یا فرشتوں یا شیطانوں یا سورج یا ستاروں یا آگ وغیرہ یا اللہ عزوجل کے سوا کسی غیر کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں جیسے مشرکین عرب ، ہندو، چینی سوڈانی وغیرہ ہیں، جو کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتے ، اسی طرح قرامطہ اور اصحاب حلول اور تناسخ جو روافض میں باطنیہ اور طیارہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو اللہ عزوجل کی الوہیت و وحدانیت کا تو قائل ہو لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذ اللہ) کہ وہ حیؑ نہیں ہے یا غیر قدیم ہے اور یہ کہ وہ محدث ہے یا یہ کہ اس کی شکل و صورت ہے یا یہ کہ یہ

دعوی کرے کہ اس کے کوئی بچہ یا شریک (ساتھی) یا باپ ہے یا کسی شے سے متولد (پیدا) ہوا ہے یا اس سے کوئی متولد و کائن ہوا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ازل سے کوئی شے اس کے سوا قدیم ہے یا یہ کہ جہاں میں اس کے سوا کوئی اور صانع اور مدبر ہے، یہ تمام باتیں کفر ہیں جس پر اجماع امت مسلمہ ہے مثلاً فلاسفہ الہیات اور منجموں اور نیچریوں کا قول ہے، اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو یہ دعوی کرے کہ کوئی اللہ عزوجل کے ساتھ بیٹھا ہے یا اس کی طرف چڑھتا ہے یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے، جیسا کہ بعض متصوفہ، باطنیہ، نصاری اور قرامطہ کا قول ہے۔

اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالم قدیم ہے یا عالم ہمیشہ باقی رہے گا یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور دہریوں کا مذہب ہے یا یہ کہے کہ ارواح میں تاریخ ہے اور کہے کہ ہمیشہ یوں ہی لوگوں میں روحیں منتقل ہوتی رہتی ہیں، ان کی ستھرائی اور خباثت کے لحاظ سے ان کو عذاب ہوتا ہے اور نعمتیں ملتی ہیں، اسی طرح وہ شخص جو الوہیت و وحدانیت کا تو معترف ہو مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ یا ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ عزوجل کی نص موجود ہے پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلاشک کافر ہے جیسے کہ براہمہ اور بڑے بڑے یہود، روساءِ نصاری اور روافض کے عجوبہ خیال لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی (معاذ اللہ) مبعوث و نبی تھے اور ان کی طرف ہی جبریل علیہ السلام (وحی لے کر) آتے تھے اور جیسے کہ روافض کے فرقہ معطلہ، اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ میں اگرچہ ان فرقوں میں سے کچھ لوگ کفر میں دوسروں کے ساتھ جو ان سے پہلے میں شریک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو کہ وحدانیت، عام نبوت اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام جو لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو اور اپنے زعم میں اس میں

مصلحت کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (بہر حال) وہ بالاجماع کافر ہے جیسے کہ متفلسفہ، بعض باطنیہ، روافض، غالی متصوفہ اور اصحاب اباحت وغیرہ کیونکہ ان کا زعم ہے کہ ظاہر شریعت اور اکثر وہ خبریں جو انبیاء ورسول علیہم السلام لائے ہیں مثلاً گزشتہ و آئندہ کی غیبی خبریں آخرت د حشر و قیامت، جنت و دوزخ وغیرہ کی باتیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے اور جو کلام سے بھی جاتی ہیں اور مصلحت کی خاطر اس سے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو ممکن نہ تھا کہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ ان کے افہام ناقص تھے، ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت باطل ہو اور اوامر ونواہی معطل ہوں رسولوں کی تکذیب ہو اور جو وہ لائے ہیں اس میں شک وتردد واقع ہو۔(لیکن مسلم مشائخ طریقت ان ہفوات سے بری اور منزہ ہیں یا یہ کہ ان کی اصطلاحات کے معانی ومفہوم سے وہ نابلد ہیں اوران سے ان کا اہل ہی معرفت حاصل کر سکتا ہے یا یہ کہ بعض ملحدین نے اپنے اقوال کو مشائخ کی طرف منسوب کر دیا ہے، یہی ہمارا عقیدہ صوفیائے کرام اور مسلم مشائخ طریقت رحمہم اللہ عنہم کے بارے میں ہے، واللہ اعلم مترجم)۔

اسی طرح جو شخص ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف آپ کی تبلیغ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے یا آپ ﷺ کے صدق میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے یا یہ کہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں کی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے یا انہیں گناہگار کہے یا انہیں اذیت پہنچائے یا کسی نبی کو قتل کرے یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو بعض قدماء کا مذہب اختیار کرے جن کا اعتقاد تھا کہ حیوانات کی ہر جنس میں نذیر اور نبی ہے، خواہ وہ حیوان بندر ہو یا خنزیر یا چوپائے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ

ہوں، ایسوں کا استدلال یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ﴾

اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔ (فاطر: ۲۴)

(اس اعتقاد میں کفر کی) دلیل یہ ہے کہ اگر ان جنسوں میں نبی مانا جائے تو ان جنسوں کے نبیوں کو ان کی بری صفات کے ساتھ متّصف ماننا پڑے گا، اسی طرح پر اس منصب جلیل و عظیم اور صاحب شرافت و فضیلت پر عیب لگتا ہے، علاوہ بریں اس کے خلاف پر اجماع امت مسلمہ ہے اور اس کا قائل کذاب و مفتری ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصول صحیحہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو مگر یہ کہتا ہو آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے، دلیل کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ کی معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے، (خواہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے، جیسے کہ یہود میں سے فرقہ عیسویہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت خاص عرب کی طرف تھی یا جیسے خرمیہ کہتے ہیں کہ رسول پے در پے آتے رہیں گے، (یا جیسے آج کل کے فرقہ قادیانیہ جو غلام احمد کی نبوت کے قائل ہیں) (اس فرقے کو حکومت پاکستان 1977ء میں کافر قرار دے چکی ہے جبکہ اس قرارداد کے بل کو اہل سنت و جماعت کے قائد مولانا الشاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا

تھا اور آپ اور دیگر علماء کی جدوجہد سے بالآخر قادیانی کے پیروکار خواہ اسے وہ نبی مانتے ہوں یا مجدد حکومتی سطح پر کافر قرار دیئے گئے اور ان کو اقلیتوں میں شامل کیا گیا: ادارہ)

یا جیسے اکثر روافض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا علی مرتضی (معاذ اللہ) کے رسالت میں شریک ہیں اور آپ کے بعد اسی طرح ہر امام ان کے نزدیک نبوت و رسالت اور حجت میں حضور ﷺ کا قائم مقام نبوت و حجت ہے، جیسے روافض میں سے فرقہ بریعیہ اور بیانیہ وغیرہ ہیں کہ وہ بری اور بیان وغیرہ کی نبوت تک پہنچنا جائز مانتا ہے یا جیسے فلاسفہ اور غالی متصوفہ۔

اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعوی کرے یا منصب نبوت کو اکتسابی قرار دے اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبہ نبوت کے حصول کو جائز جانے جس طرح فلاسفہ اور عالی متصوفہ ہیں، اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعوی کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعوی نہ کرے یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں اور جنت میں داخل ہو جاتا ہوں اور جنت کے پھل کھاتا ہوں اور حور عین سے معانقہ کرتا ہوں۔

تو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کذاب ہیں، اس لئے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ایسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کی جانب سے خبر دی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول کئے گئے ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے اور ان کا مفہوم و مراد بغیر تاویل تخصیص کے یہی ہے، چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجتماع قطعی اور سمعی کی طرح شک و تردد نہیں ہے۔

اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر اجتماع ہے جو نص کتاب کو دفع کرتا ہے یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا

ہے جس کی نقل پر یقین ہے اور وہ بالا جماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، جیسے کہ خوارج کو حکم رقم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا۔

اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دین کے سوا کسی اور دین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا یا ان میں توقف کرتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے دین و مذہب کو صحیح کہتا ہے، اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسلام کے سوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت فی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کی تکفیر تک نوبت پہنچے جیسے روافض میں کمیلیہ کا قول ہے، اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد بر بنائے عدم تقدم سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام امت کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ گروہ سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی کافر گردانتا ہے، چونکہ وہ خود کیوں آگے نہ بڑھے اور ان لوگوں سے پیش قدمی کر کے اپنا حق حاصل کیوں نہ کیا، لہذا یہ گروہ کئی وجوہات سے کافر ہے اس لئے کہ انہوں نے پوری شریعت کو باطل قرار دیا، جب نقل ہی منقطع ہوگئی تو قرآن کا نقل بھی منقطع ہو گیا کیونکہ اس کو نقل کرنے والے ان کے گمان پر کافر تھے اور اسی طرف امام مالک علیہ الرحمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول کا اشارہ ہے واللہ اعلم کہ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرے۔

پھر یہ گروہ ایک اور وجہ سے بھی کافر ہو گیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی جیسا کہ ان کے قول کا اقتضاء ہے، ان کا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کے بعد وہ انکار خلافت کریں

گے، محض ان کا گمان ہی ہے، اللہ عزوجل کی اس گروہ پر لعنت ہو اور اللہ عزوجل کے رسول ﷺ اور ان کی آل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

اسی طرح ہم ہر اس فعل کی جس پر مسلمانوں کا اجتماع ہو تکفیر کرتے ہیں کہ وہ فعل کافر کے سوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی بھی تصریح کرتا ہوں جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور یہود و نصاری کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ کر جانا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرنا جیسے زنار باندھنا یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا، اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ افعال علامات کفریہ ہیں، اگرچہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتل مسلم یا شراب کے پینے یا زنا کو جسے اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو جیسے قرامطہ کے بعض اصحاب اباحت اور بعض غالی متصوف (تو یہ بھی کافر ہیں)

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو قواعد شرع اور اس امر کو جو یقینی طور پر بنقل تواتر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آرہا ہو اس کی تکذیب کرے جیسے پانچ نمازوں کے وجوب کا انکار، تعداد رکعات سجدہ نماز وغیرہ اور کہے کہ ہم پر اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بالجملہ نماز واجب ہی نہیں کی یا یہ کہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ پانچ نماز میں فرض ہی نہیں اور نہ میں انہیں جانتا ہوں اس لئے کہ قرآن میں کوئی صریح نص نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ سے جو خبر منقول ہے، وہ خبر واحد ہے۔ (تو یہ یقیناً کفر ہے)

اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر اجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ نماز صرف دو طرفوں میں ہے (یعنی

صبح و شام) اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اجماع ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیشک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کے لئے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خبائث و محارم ان مردوں کے نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ عبادت اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ہو جائیں تو۔۔۔۔ ان کے لئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور ان سے احکام شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے۔

علی ہذا القیاس جو شخص مکہ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجد حرام یا مناسک حج کا انکار کرے یا کہے کہ حج قرآن میں فرض ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے یا بیت اللہ اور مسجد حرام ہے میں نہیں جانتا آیا یہی ہے یا اس کے سوا میں اور کہے کہ ممکن ہے کہ ناقلین نے جو نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی تفسیر کی ہے غلطی کی ہو اور وہم ہو گیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے، سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلا شک نہیں ہے، اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست و مصاحبت ہے تو یہ کفر ہو گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)۔

تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کر لو تمہیں معلوم ہو جائے گا ان میں کوئی خلاف نہیں ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نماز میں پڑھی ہیں اور اس کا حج و طواف کیا ہے اور یہی وہ افعال

ہیں جو مناسک حج میں عبادت ہیں اور یہی مقصود ہے اور یہی افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے کئے ہیں اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور اللہ عزوجل نے اپنی مراد اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واضح فرمائی اور اس کے حدود آپ پر روشن کیے تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا، اس کے بعد کوئی شک و تردد باقی نہ رہے گا، بعد علم و بحث اور بعد صحبت مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک و تردد یا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور نہ جانا جائے گا اور اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے، اس لئے ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمام امت پر ان کے منقولات میں جو اس بارے میں کرتے ہیں وہم اور غلط کو جائز رکھتا ہے، حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل ہے اور مقصود الہی کی یہی تفسیر ہے تو اس نے تمام شریعت میں شک کو داخل کر دیا کیونکہ امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں، اس طرح پر دین کی رسی یکدم کھل جائے گی۔

لہذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ کافر ہے اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کے کسی حصہ اور جز میں تغیر و تبدل کیا یا اس میں کچھ زیادہ کیا، جیسا کہ باقیہ اور اسماعیلیہ کرتے ہیں یا یہ گمان کیا کہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حجت نہ تھا یا یہ کہ قرآن میں کوئی دلیل و معجزہ نہیں ہے جیسے کہ ہشام خوطی اور معمر ضمیری کا قول ہے کہ وہ اللہ عزوجل پر دلالت نہیں کرتا اور نہ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حجت ہے اور نہ ثواب و عذاب کی دلیل ہے اور نہ کوئی حکم ہے بلاشبہ ہم ان دونوں کو بایئں قول کافر کہتے ہیں، اسی طرح ہم ان دونوں کی اس سبب سے بھی تکفیر کرتے ہیں کہ یہ دونوں اس امر کے بھی منکر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات آپ کے لئے حجت ہیں یا آسمان و

زمین کی پیدائش میں وجود باری عزوجل پر بھی دلیل ہیں اور یہ کہ یہ اطلاع اور نبی کریم ﷺ سے نقل متواتر کے بھی خلاف ہیں یعنی آپ ان معجزات کے ساتھ احتجاج فرماتے تھے، نیز تصریحات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں۔

اسی طرح جو بھی کسی منصوص فی القرآن کا منکر ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ مصاحف مسلمین اور قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العبد ہو اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقل صحیح نہیں اور خدا سے کسی دوسرے سے اس کا علم ہوا یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو تو ہم ایسے کی بھی انہیں دونوں طریقوں پر تکفیر کریں گے، اس لئے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے والا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنیوالا ہے لیکن وہ اپنے دعوی کو چھپانا چاہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو وہ بھی باجماع امت کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحت نقل پر اجماع کیا ہے، اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و عقاب کے مراد و معنی اس کے ظاہری معنی کے سوا ہیں یعنی کہے کہ اس سے مراد لذات روحانی اور معانی باطنیہ ہیں، جیسا کہ نصاری، فلاسفہ، باطنیہ اور بعض متصوفہ کا قول ہے، وہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے معنی موت، فنائے محض، ہیئت افلاک کو ٹوٹنا اور تحلیل عالم ہیں، جیسا کہ بعض فلاسفہ کا قول ہے۔

اسی طرح ہم ان غالی روافض کی تکفیر میں یقین رکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ رحمہم اللہ انبیا علیہم السلام سے افضل ہیں اب وہ شخص جو ان اخبار و سیر اور بلاد معروفہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بطلان لازم آتا ہے اور نہ کسی قاعدہ اسلام کا انکار، جیسے غزوہ

تبوک یا غزوۂ موتہ وغیرہ کا انکار یا سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر کے وجود اور سیدنا عثمان کی شہادت یا خلافت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا انکار کرے جن کا علم بدایۃ بطور نقل حاصل ہے اوراس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا لہذا اس کے اس انکار سے اور اس کے حصول علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے افتراء و بہتان باندھا جیسے ہشام اور عباد کا واقعہ جمل اور محاربہ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انکار کرنا ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے نہیں لڑے، اب اگراس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جاتا ہے تو ہم اس کی تعمیر کا حکم کریں گے، کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے ابطال کی جانب مفضی ہو گا۔

اب رہا وہ شخص جو مجرد اجماع صحیح اور اجماع جامع شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے ان کا استدلال اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے ہے کہ

﴿مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾

جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا۔ (النساء:۱۱۵)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو بلاشبہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا"، نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اجماع نقل کیا ہے جو اجماع کی مخالفت کرے اور دیگر علما قطعی تکفیر سے توقف کی طرف اس شخص کے بارے میں گئے ہیں جو ایسے اجماع کا مخالف ہو جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو۔ (یعنی علماء کے سوا کوئی اور اس کا قائل نہ ہو) اور دوسرے لوگوں کا میلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اجتماع کا منکر تھا، کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اجماع سلف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور خرق دلیل واقع ہوا تھا۔

قاضی ابوبکر باقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قول معتبر یہی ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات و صفات سے جاہل ہونے کا نام کفر ہے اور اس کی ذات سے باخبر ہونے کا نام ایمان ہے اور کوئی شخص بھی کسی قول یا رائے کے سبب جس کا کہ وہ قائل ہو کافر نہیں ہوسکتا، بجز اس کے کہ وہ ذات باری عزوجل سے جاہل ہو، چنانچہ اگر اس نے اللہ عزوجل و رسول ﷺ کے ایسے قول و فعل کے ساتھ نافرمانی کی ہے جو منصوص ہے یا یہ کہ اس پر اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا صادر ہی نہیں ہوتا یا یہ کہ اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا، یہ کفر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس قول کا قائل ہوا ہے یا اس نے فعل کیا ہے بلکہ اس سبب سے کافر ہوا کہ وہ کفر کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

لہٰذا اللہ عزوجل کے ساتھ کافر ہونا ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں، اول یہ کہ ذات باری عزوجل سے جاہل و بے خبر ہو دوسرا یہ کہ وہ ایسا قول و فعل کرے جس کی اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دے دی ہو یا یہ کہ اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا کسی سے صادر ہی نہ ہو گا، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور زنار ڈال کر اصحاب کنائس کے ساتھ بالالتزام ان کے تہواروں کے موقع پر ان کے کنیسوں میں جانا یا یہ کہ وہ قول یا فعل ایسا ہو جس کے ساتھ علم باللہ ممکن نہ ہو۔

قاضی ابوبکر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں اگرچہ اللہ عزوجل کے ساتھ بے خبری اور جہالت میں سے تو نہیں ہے لیکن ان دونوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا کرنے والا کافر اور خارج ایمان ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اللہ عزوجل کی صفات ذاتیہ میں سے کسی ایک صفت کی نفی کرے یا دانستہ انکار کرے جیسے کہ کہے کہ اللہ عزوجل عالم نہیں ہے اور نہ وہ قادر یا مرید یا متکلّم وغیرہ ہے یعنی جو اس کی صفات

کمالیہ ہیں اور اس کے ساتھ واجب ہیں ان کا انکار کرے تو ہمارے ائمہ نے اس شخص کے کفر پر اجماع منصوص فرمایا ہے کہ جو اللہ عزوجل سے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی نفی کرے اور اسے اس وصف سے معرا (خالی) جانے اور اسی پر سحنون علیہ الرحمہ کا یہ قول بھی محمول کیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ عزوجل کے لئے کلام نہیں ہے سو وہ کافر ہے حالانکہ وہ متاولین (تاویل کرنے والوں) کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں مذکور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ جو صفات باری عزوجل کی کسی صفت سے جاہل و بے خبر ہو تو اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے تو اس کی تکفیر کی ہے اور یہ ابو جعفر طبری علیہ الرحمہ وغیرہ سے منقول ہے اور ایک مرتبہ سیدنا ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی جہالت اسے اسم ایمان سے خارج نہیں بناتی اور اس کی جانب اشعری علیہ الرحمہ نے رجوع فرمایا اور فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص اس کا ایسا معتقد نہیں ہے کہ وہ اس کے درست وصواب ہونے پر یقین رکھتا ہو یا یہ کہ وہ اسے دین اور شریعت مانتا ہو، حالانکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اس کا ایسا معتقد ہو کہ وہ اپنے قول کو حق مانتا ہو، ان حضرات نے سوداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف توحید ہی کا مطالبہ فرمایا تھا نہ کہ کسی اور امر کا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الایمان جلد ۳ ص ۵۸۸، سنن نسائی کتاب الوصایا باب فضل صدقہ علی المیت) نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس نے یہ کہا کہ اگر خدا مجھ پر قادر ہو گا" (صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ ص ۱۳۵ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۱۱۰) اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ "شاید کہ میں اللہ عزوجل سے چھوٹ جاؤں" اس پر حضور ﷺ نے فرمایا پس اللہ عزوجل نے اسے بخش دیا۔

علماء فرماتے ہیں کہ صفات باری میں اگر اکثر لوگوں سے بحث کی جائے اور ان سے اس کی حقیقت دریافت

کی جائے تو ایسے اشخاص بہت کم ملیں گے جو ان سے واقف ہوں اور دوسرے علماء اس حدیث سے کئی جواب دیتے ہیں، ایک یہ کہ قَدَرَ بمعنی قَدَّرَ کے ہے اور اس کا شک کرنا قدرت الٰہی میں شک کرنا نہ تھا بلکہ نفس بعثت میں تھا جو بغیر شریعت کے معلوم ہی نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے ان کے نزدیک اس خصوص میں حکم شرع موجود ہی نہ ہو جس کی بنا پر اس میں شک کرنا کفر قرار پائے اور جس امر میں شرع وارد نہ ہو مجو زات عقول میں سے ہوتا ہے (اس میں شک کرنے سے کفر لاحق نہیں ہوتا) یا یہ کہ قدر بمعنی ضیق ہے، اسی لحاظ سے اس کا فعل جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کیا تھا اپنے نفس کی تحقیر کی غرض سے تھا اور نفس کی نافرمانی پر اسے اپنے پر غصہ آ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ نا سمجھی میں کہا تھا اور وہ خود اپنی بات ہی کو نہ سمجھ رہا تھا کیونکہ اس پر خوف اور خشیت الٰہی طاری تھا جس نے اس کی عقل ختم کر رکھی تھی اور وہ اپنے الفاظ کو بھی ضبط نہ کر سکتا تھا، اس بنا پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شخص زمانہ فترت میں تھا جبکہ صرف توحید ہی نفع دے سکتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کلام کے مجاز میں سے ہے جس کی ظاہری صورت میں تو شک ہوتا ہے اور اس کے معنی میں تحقیق و ثبوت ہوتا ہے اس کو تجاہل عارفانہ (انجاناپن) کہتے ہیں اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں۔

جیسے اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔ (طہ:۴۴)

اور یہ ارشاد کہ: ﴿اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ (سبا:۲۴)

اب رہا وہ شخص جو وصف کو تو ثابت کرے اور صفت کی نفی کرے چنانچہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ عالم تو ہے لیکن اسے علم نہیں ہے اسی طرح متکلّم تو ہے لیکن اسے کلام نہیں ہے، اس طرح تمام صفات

الہیہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے، چنانچہ اس کی نسبت جس کسی نے انجام و مآل پر کہا کہ اس کا کلام کہاں تک پہنچتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ جب اس نے علم ہی کی نفی کر دی تو وصف عالمیت بھی از خود منتفی ہو گیا، اس لئے کہ عالم وہی ہوتا ہے جسے علم ہو تو گویا ان کے نزدیک تمام متاؤلین اور ان کے فرقے ایسے ہی میں خواہ وہ مشبہ ہوں یا قدریہ وغیرہ اور جس کی یہ رائے ہو کہ ان کے قول کے مآل وانجام کے ساتھ مواخذہ نہ کیا جائے اور جو ان کے مذہب کے موجبات ہیں ان پر الزام نہ رکھا جائے تو وہ ان کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے، کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو اس پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں ہے اور ہم بھی اس قال وانجام کی نفی وانکار کرتے ہیں جس کو تم ہم پر لازم کرنا چاہتے ہو اس کو ہم بھی اور تم بھی کفر ہی جانتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام ہماری اصل پر اس کی جانب راجع ہی نہیں ہوتا، لہذا ان دونوں ماخذوں کی بنا پر اہل تاویل کی تحقیر و عدم تکفیر پر لوگوں کا اختلاف ہوا ہے۔

اب جبکہ اس مسئلہ کو تم سمجھ چکے اور تمہیں اس باب میں وجود اختلاف بھی معلوم ہو چکا، تو درست وصواب یہی ہے کہ ان کی تکفیر کو ترک کر دیا جائے، اور ان کی جانب اس امر کے یقین کرنے سے اعراض کیا جائے کہ وہ در حقیقت خائب و خاسر ہیں اور قصاص وراثت، مناکحت و دیات (دیتوں)، ان پر نماز و معاملات اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں مسلمانوں جیسے ہی احکام جاری کئے جائیں لیکن زجر و توبیخ اور ترک مکالمت و مجالست کے ساتھ ان پر سختی ضروری کی جائے تاکہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں اور صدر اول کے ان اشخاص میں یہی عادت رہی ہے چونکہ ایسے لوگ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے جو ایسے اقوال کے قائل تھے، جن کے قدریہ، خوارج اور معتزلی وغیرہ قائل ہیں، تو ان حضرات نے نہ تو ان کی قبر میں ہی جدا کیں اور نہ ان میں

سے کسی کی میراث بند کی، البتہ ان حضرات نے ان سے میل جول ترک کر دیا اور ضرب و جلا وطنی اور قتل وغیرہ کے ساتھ جیسی بھی ان کی حالت کا اقتضاء ہوا تادیب و تعزیر دی کیونکہ محققین اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ فاسق، گمراہ اور مرتکب معاصی کبیرہ ہیں، برخلاف شخص کے جس کی رائے اس کے خلاف ہو۔ واللہ الموفق الصواب

قاضی ابوبکر باقلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ رہے وہ مسائل جو وعدہ و وعید و رویت و مخلوق، خلق افعال و ابقاء اعراض اور تولد وغیرہ دقیق مسائل ہیں تو ان میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر میں احتراز کرنا چاہئے، یہی زیادہ مناسب و اظہر ہے کیونکہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں جاہل رہنا ذات باری عزوجل سے جاہل ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ایسے شخص کے کفر پر اجماع امت مسلمہ ہے جو ان میں سے کسی شے سے جاہل ہو، بے شک ہم نے اس سے پہلی فصل میں بحث اور اختلاف کو اس بسط و تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کے اعادہ کی بکرمہ تعالی اب حاجت نہیں رہی ہے۔

چوتھی فصل

جو ذمی ہو کر اللہ عزوجل کو گالی دے اس کا حکم

یہ حکم تو اس مسلمان کا تھا جو اللہ عزوجل کو گالی دے، اب رہا ذمیوں کا حکم! تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی حرمت الٰہی کے درپے ہوا اس دین کے خلاف جو اس کا تھا، اعتراض کرنے لگا تب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے اس پر تلوار لے کر آنکلے اور اسے تلاش کیا مگر وہ بھاگ گیا۔

"کتاب ابن حبیب" اور "مبسوط" میں امام مالک علیہ الرحمہ کا قول اور ابن قاسم علیہ الرحمہ کا قول مبسوط کتاب محمد اور ابن سحنون علیہ الرحمہ میں ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے اس وجہ کے سوا جس کے ساتھ وہ کافر ہے اللہ عزوجل کو گالی دی تو وہ قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے، ابن قاسم علیہ الرحمہ نے فرمایا بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور "مبسوط" میں ان کا قول ہے کہ وہ خوشی سے مسلمان ہوئے، اصبغ علیہ الرحمہ نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ اس کا دین ہے اور اسی پر قائم رہتے ہوئے اس نے خدا کے لیے بیوی، شریک اور فرزند کا ادعا کیا (اس کے اس دین پر ہونے کے باوجود) اس سے عہد لیا گیا، لیکن اس کے اور جھوٹ و گالی جو وہ اب بکتا ہے اس پر ان سے عہد نہیں لیا گیا، لہٰذا وہ عہد شکن ہو گئے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ نے کتاب "محمد" میں کہا کہ جس غیر مسلم نے اللہ عزوجل کو اس وجہ کے سوا جو اس کی

(محرف) کتاب میں مذکور ہے گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے، مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے، مجزومی، مسلمہ اور ابن ابی حازم رحمہم اللہ نے کتاب "مبسوط" میں کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ نہ لی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اب اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور مطرف و عبد الملک امام مالک علیہ الرحمہ کی مثل فرماتے ہیں۔

ابو محمد ابن ابو زید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جو غیر مسلم اللہ عزوجل کو گالی دے بغیر اس وجہ کفر کے جس پر وہ قائم ہے تو قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے، ہم نے ابن حلات علیہ الرحمہ کا قول پہلے بیان کر دیا، نیز عبد اللہ بن ابی لبابہ علیہ الرحمہ اور مشائخ اندلس کا قول نصرانی عورت کے بارے میں اور ان کا یہ فتوی کہ اس گالی کی وجہ سے جس پر اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کافر ہوئی ہے قتل کر دیا جائے اور اس پر ان کا اجتماع بھی بیان کر چکے ہیں یہ اس دوسرے قول کی طرح جو اس شخص کی نسبت ہے جس نے ان میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے اس وجہ سے کہ وہ کافر ہے اس خصوص پر اللہ عزوجل اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے میں فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ان ذمیوں سے اس بنا پر عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے اپنے کسی کفر کو ظاہر نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم ان کے مونہوں سے اس بارے میں کچھ نہ سنیں گے جب وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن بن جائیں گے۔

اور علماء کا اس ذمی کے بارے میں جو زندیق بن جائے اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک، مطرف بن عبد الحکام اور اصبغ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور عبد الملک بن ماحشون علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر کوئی مسلمان قرار نہیں پاتا اور اس پر جزیہ لیا جاتا ہے اور ابن حبیب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا قول بھی منقول ہو۔

پانچویں فصل

مفتری اور کذاب کا حکم

یہ تو اس شخص کے بارے میں حکم تھا جو صاف طور پر گالی دے اور وہ شے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرے جو اس کی جلالت والوہیت کے شایان شان نہ ہو، اب رہا اس کا حکم جو اللہ عزوجل پر بادعاء الوہیت یا رسالت افترا و بہتان اور جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ اللہ عزوجل میرا خالق نہیں یا میرا رب نہیں یا یہ کہے کہ میرا کوئی رب نہیں یا اپنے نئے اور اپنے جنون میں ایسی باتیں بکے جو پاگل پن کی ہوں اور وہ عقل میں نہ آتی ہوں تو ایسے مدعی کے کفر میں باوجود اس کی سلامتی عقل کے کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

لیکن قول مشہور کی بنا پر اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اور اس کی رجعت وانابت اسے فائدہ پہنچائے گی اور اس کو قتل سے بچا دے گی، لیکن سزائے عظیم اور عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا تاکہ ایسی بکواس کرنے میں دوسروں کو تنبیہ و توبیخ ہو اور کوئی اور اس کی جرات نہ کرے، کیونکہ یہ یا تو اعادہ کفر ہے یا اس کی جہالت مگر وہ شخص ایسا بار بار کرے اور اپنے کردار میں اسکی تحقیر واہانت مشہور ہو جائے تو یہ اس کی بدباطنی پر دلیل ہو جائے گی اور اس کی توبہ کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو جائے گا جس کی بدباطنی پر ہمیں اطمینان نہ ہو اور اس کا رجوع بھی قابل قبول نہ ہوگا اور اس خصوص میں اس کے نشہ کا حکم مثل ہوش والے کے ہوگا۔

اب رہا مجنون و پاگل کا حکم تو جو کچھ اس نے اپنی مکمل دیوانگی اور پاگل پنے میں کہا ہے اس پر مواخذہ نہ ہو گا، لیکن جو کچھ ہوشیاری کی حالت میں کہا ہے اگرچہ اسے عقل نہ ہو اور وہ شریعت کا مکلف نہ رہا ہو مگر اس پر اسے تادیب ضرور کی جائے گی تا کہ اسے تنبیہ ہو، جیسا کہ بداطواری میں تنبیہ کی جاتی ہے اور یہ تادیب برابر جاری رکھی جائے گی یہاں تک کہ وہ اس سے باز آجائے، جیسا کہ جانوروں کی ضد واڑ پر زدوکوب کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔

بلا شبہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے جلانے کا حکم فرمایا جس نے خدا ہونے کا دعوی کیا، قتل کر کے سولی دی، اس کے سوا اکثر خلفاء اسلام اور بادشاہوں نے ایسوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور اس پر ان کا اتفاق و اجماع ہے کہ جو ان کے کفر کا مخالف ہو وہ بھی کافر ہے۔

المعتذر کے زمانہ میں مالکی فقہاء بغداد اور قاضی القضاۃ ابو عمر مالکی علیہ الرحمہ نے حلاج (حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ پر صیانت شریعت ظاہرہ کی بنا پر فتوی تھا چنانچہ ہم عصر عرفاء ان کو عارف باللہ ہی مانتے ہیں۔ مترجم) کے قتل اور اس کی سولی پر بسبب دعوی الوہیت اور حلول کے قول کے، اجماع کیا کیونکہ انہوں نے نعرہ "اناالحق" لگایا تھا باوجود یہ کہ ظاہر میں پابند شریعت تھے۔

لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی، اسی طرح ابن ابی الغراقبر کے بارے میں علماء نے فتوی دیا چونکہ وہ بھی حلاج علیہ الرحمہ کے طریقہ پر تھے اور ان کے بعد الراضی باللہ کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی القضاۃ ابوالحسین بن ابی عمر مالکی علیہ الرحمہ تھے، ابن عبدالحکیم علیہ الرحمہ کا "مبسوط" میں قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اسے قتل کر دیا جائے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا فتوی ہے کہ جس نے اللہ عزوجل کے اپنا خالق یا رب ہونے کا انکار کیا یا کہا کہ میرا کوئی رب نہیں ہے تو وہ مرتد ہے۔

کتاب ابن حبیب علیہ الرحمہ میں ابن القاسم علیہ الرحمہ نے اور کتاب عتیبہ میں محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس سے توبہ لی جائے خواہ وہ اسے چھپائے یا ظاہر کرے بہر صورت مرد کے حکم میں ہے اسے سحنون علیہ الرحمہ وغیرہ نے کہا اور اشہب علیہ الرحمہ نے اسے ایک ایسے یہودی کے بارے میں کہا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں، اگر وہ اس دعوی کو ظاہر کرتا ہے تو اس سے توبہ کرے تو فبہا اور قتل کر دیا جائے۔

اور ابو محمد بن ابو زید علیہ الرحمہ نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس نے اپنے پیدا کرنے والے پر لعنت کی تھی اور دعوی کیا کہ اس کی زبان پھسل گئی تھی اور یہ کہ میرا ارادہ شیطان پر لعنت کرنے کا تھا، فرمایا اسے اپنے کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے، یہ حکم اس دوسرے قول کے موافق ہے کہ ایسوں کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ نے ایک نشہ والے کے بارے میں فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں، میں خدا ہوں، کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو زندیق کا سا برتاؤ کیا جائے اس لئے یہ شریعت کے ساتھ کھیلنے والوں کا کفر ہے۔

چھٹی فصل

بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟

رہا وہ شخص جس کی بات اور زبان اس کی قابو میں نہ ہو اور وہ نکمی اور بے ہودہ بات زبان سے نکالتا ہو اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا کلام ضبط نہیں کیا جاتا اور اس کی زبان پر مہملات آتے رہتے ہوں وہ ایسی بات کہے جس سے عظمت الٰہی اور جلالت کبریائی میں استخفاف ہوتا ہو یا بعض شے کی تمثیل کسی ایسی شے کے ساتھ دے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی ملکوت میں بزرگی و عظمت دی ہو یا مخلوق کے کلام سے ایسی بات انتزاع کی ہو جو خالق کے حق کے سوا اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہے مگر کفر و استخفاف اس سے مقصود و مراد نہ ہو اور نہ عملاً الحاد کے لئے کہا ہو اب اگر یہ بات اس سے بار بار صادر ہوئی اور وہ مشہور ہوگئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ استہزاء اور کھیل کرتا ہے اور اپنے رب عزوجل کی حرمت کا دو استخفاف کرتا ہے اور وہ اس کی عزت و کبریائی کی عظمت سے جاہل ہے یہ بلا شبہ کفر ہے۔

اسی طرح اگر وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کا استخفاف ہو اور تنقیص لازم آتی ہے، بلا شبہ ابن حبیب، اصبغ بن خلیل رحمہم اللہ نے جو قرطبہ کے فقہاء میں سے ہیں عجب کے قتل پر فتویٰ دیا، چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ گھر سے نکلا اور بارش نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:

بَدَأَ الْخَرَّازُ يَرُشُّ جُلُوْدَهٗ: یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑ تا ظاہر ہوا۔

اور قرطبہ کے بعض فقہاء مثلاً ابوزید صاحب ثمانیہ، عبدالاعلی بن وہب اور ربان بن عیسی رحمہم اللہ نے

اس کے قتل میں توقف کیا اور اشارہ کیا کہ اس کا یہ کلام بے ہودہ ہے،اس میں صرف تادیب کافی ہے،اس کے مثل اس وقت کے قاضی موسی ابن زیاد علیہ الرحمہ نے فتوی دیا اس پر ابن حبیب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ اس کا خون میری گردن پر،کیا اس رب کو گالی دی جائے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں پھر اس کی حمایت نہ کی جائے اس وقت ہم کتنے برے بندے ہوں گے گویا ہم اس کی عبادت کرنے والے ہی نہ رہیں گے اور اس کے بعد وہ رونے لگے،یہ باتیں جب امیر قرطبہ عبدالرحمن بن حکم کے پاس پہنچی چونکہ عجب اس کی چچی کا لڑکا تھا اور یہ قصور وار تھا،جب اسے فقہاء کا اختلاف معلوم ہوا تو اس نے ابن حبیب علیہ الرحمہ اور ان کے ساتھی علماء کے فتوے کے بموجب عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا،چنانچہ وہ قتل کیا گیا اور ان دونوں فقیہ کے سامنے اسے سولی دی گئی اور قاضی کو اس قصہ میں مداہنت کے الزام میں معزول کر دیا اور باقی فقہاء کو برا بھلا کہا گیا۔

لیکن جس شخص سے ایسی باتیں ایک دفعہ ہوئیں یا کبھی کبھی صادر ہوئیں تو جب تک اس میں تنقیص و اہانت نہ ہو تو اسے صرف تادیب کی جائے اور بقدر مقتضائے کلام اور شناعت جرم اسے سزا دی جائے اور اس سے صورت حال اور وجہ مقال پہلے دریافت کی جائے۔

ابن قاسم علیہ الرحمہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں استفسار کیا گیا جو کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا،اس پر اس نے جواب دیا "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" تو جواب میں فرمایا اگر وہ جاہل ہے یا اس نے بیوقوفی سے کہا ہے تو اسے کچھ نہیں ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پر قتل واجب نہیں ہے اور جاہل کو جھڑکا جائے اور بیوقوف کو سزا دی جائے اور اگر اس نے اپنے رب کے قائم مقام مان کر کہا ہے تو یقینا کفر ہے،یہ ان کے کلام کا اقتضاء تھا۔

بلاشبہ نادان بیوقوف شعراء نے بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور وہ اس میں مہتم ہیں اور ذات جبروت کی شان جلالت کو ہلکا سمجھا ہے، چونکہ وہ ایسے اشعار لائے ہیں جن سے ہم اپنی کتاب، زبان اور قلم کو بیان کرنے سے بچاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے مسائل کی تصریح کا قصد کیا ہے جسے بیان کر رہے ہیں تو ہم کوئی شعر نقل نہ کرتے کیونکہ ان کا ذکر ہمیں گراں گزرتا ہے اور جسے ہم نے ان فصلوں میں بیان کیا، لیکن وہ اشعار جو اس بارے میں جاہلوں اور غلط گویوں سے صادر ہوئے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ ہیں جسے بعض بدویوں نے کہا ہے:

رَبُّ الْعِبَادِ مَا لَنَا وَمَالَكَا

قَدْ كُنْتَ تَسْقِيْنَا فَمَا بَدَالَكَا

أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ لَا أَبَا لَكَا

اے رب العباد نہیں کیا ہوا اور تجھے کیا ہوا، تو تو ہمیں پانی پلاتا تھا اب تجھے کیا ہوا تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو۔

اس کی مثل بکثرت جہاں کا کلام ہے، جسے تازیانہ شریعت بھی سیدھا نہ کر سکا اس قسم کی باتیں انہیں سے صادر ہوتی ہیں جو جاہل یا کم علم ہیں، ان کی زجر و توبیخ لازمی ہے تاکہ دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں، ابو سلیمان خطابی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیری کی باتیں ہیں اور اللہ عزوجل ان باتوں سے منزہ ہے اور ہم نے عون بن عبداللہ علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے رب عزوجل کی عظمت کا لحاظ رکھے، یہ نہ ہو کہ تم ہر شے میں اس کا نام لیتے رہو، یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ کتے کو اللہ عزوجل نے رسوا کیا اور اس نے ایسا کیا یا ویسا کیا اور ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ عزوجل کا نام بہت کم جگہوں پر لیتے تھے، بجز ان مواقع کے کہ جس کے ساتھ قربت و

طاعت ہو وہ انسان کو یوں دعا دیتے تھے کہ تجھے جزائے خیر دی جائے، وہ بہت کم کہتے تھے کہ جزاک اللہ خیرا، یہ اسم جلالت کی تعظیم کے لئے تھا کہ صرف تقریب الٰہی کی جگہ اس کا نام لیا جائے اور ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ امام ابوبکر الشاسی علیہ الرحمہ اہل کلام پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بہت غور و خوض کرتے ہیں اور اس کی صفات کا اکثر ذکر کرتے ہیں، یہ اس لئے تھا کہ اللہ عزوجل کی عظمت و ہیبت ملحوظ رہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کے اسم جلالت کو بمنزلہ رومال (مندیل) استعمال ہیں اس باب میں جو کلام لایا گیا ہے وہ بمنزلۂ ساب النبی ﷺ (نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے) کے ہے، جن کی ہم نے اس جگہ تفصیل بیان کی واللہ الموافق۔

ساتویں فصل

انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم

اب رہا اس شخص کا حکم جو تمام انبیا علیہم السلام یا فرشتوں کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے یا جو وہ لائے ان کو جھٹلائے یا انکار کرے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار یا استخفاف کرے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ﴾

وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں۔ (النساء:۱۵۰)

اور فرمایا:

﴿قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰی وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ﴾

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کئے

گئے اور باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔(البقرہ:۱۳۶)

اور فرمایا: ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔(البقرہ:۲۸۵)

کتاب ابن حبیب علیہ الرحمہ اور محمد میں امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے اور ابن قاسم، ابن ماحشون، ابن عبدالحکیم، اصبغ اور سحنون رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس نے تمام نبیوں کو یا کسی ایک نبی کو گالی دی یا تنقیص کی وہ قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے اور جو ذمی ان کو گالی دے اسے بھی قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور سحنون علیہ الرحمہ نے بروایت ابن قاسم علیہ الرحمہ نقل کیا کہ جس یہودی یا نصرانی نے بغیر اس وجہ کے جس میں وہ کافر ہے نبیوں کو گالی دی تو اس کی گردن اڑا دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے، اس اصول میں جو اختلاف ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی قرطبہ سعید بن سلیمان علیہ الرحمہ کا قول ان کے بعض جوابات میں یہ ہے کہ جس نے اللہ عزوجل اور اس کے فرشتوں کو گالی دی وہ قتل کر دیا جائے اور سحنون علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ جس نے کسی ایک فرشتے کو گالی دی اس کا قتل واجب ہے۔

کتاب نوادر میں امام مالک علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ جس نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے (معاذ اللہ) وحی میں خطا کی ہے اور یہ کہ دراصل نبی تو (معاذ اللہ) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تھے، اس سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا اور قتل کر دیا جائے، اسی کے مثل سحنون علیہ الرحمہ سے بھی مروی ہے یہ مقولہ روافض کے فرقہ غرابیہ کا ہے ان کا غرابیہ اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی

کریم ﷺ سے علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کوے کی مانند مشابہ تھے جس طرح کوا، کوے کے مشابہ ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ فرماتے ہیں جس نے نبیوں میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا یا کسی ایک کی تنقیص کی یا ان سے برأت کا اظہار کیا تو وہ مرتد ہے۔

ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے دوسرے سے کہا کہ اس کا چہرہ مالک علیہ السلام کی طرح غضبناک ہے، اگر اس سے اس کا قصد مالک علیہ السلام فرشتے (داروغہ جہنم) کی مذمت ہے تو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور احکام اس کے لئے ہیں جو ان سب کے بارے میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یعنی تمام فرشتوں، تمام نبیوں، یا کسی خاص کے بارے میں کہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی جن کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا ہے، یا ہم کو اس کا علم خبر متواتر اور خبر مشہور، متفق علیہ سے جس پر اجماع قطعی ہو چکا ہو حاصل ہوا ہے، جیسے حضرت جبریل، میکائیل، مالک، خازن (داروغہ جہنم و جنت) زبانیہ، حملة العرش، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں اور جن نبیوں اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں ہے جیسے ملائکہ میں عزرائیل، اسرافیل، رضوان، حفظ، منکر اور نکیر علیہم السلام کہ یہ فرشتے ہیں جن کے خبر کی قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

لیکن وہ فرشتے یا نبی جن کی تعیین اور تخصیص پر اخبار ثابت نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کہ وہ فرشتے یا نبی ہیں، جیسے ہاروت ماروت کا فرشتوں میں ہونا اور خضر، لقمان، ذوالقرنین، مریم، آسیہ، خالد بن سنان جو کہ مذکور ہے کہ یہ نبی تھے جو اہل فارس اور زردشت کہ جس کی نسبت مجوس مؤرخ نبوت کے مدعی

ہیں، تو ان لوگوں کو گالی دینے یا ان کا انکار کرنے میں وہ حکم نہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے، اس لئے کہ ان کی ویسی حرمت ثابت نہیں ہے، لیکن ان کی تنقیص و ایذاء رسائی پر جھڑکنا چاہیئے اور انکی تادیب ان کے مرتبہ عالی کے موافق جن کی شان میں یہ بات کہی گئی ہے، متکلّم کو کرنی چاہیئے۔

خاص کر ان حضرات کی تنقیص و ایذا پر ضرور تادیب کرنی چاہیئے جن کی صدیقیت اور افضلیت معروف و مشہور ہو اگرچہ انکی نبوت ثابت نہ ہو اور رہا ان کی نبوت کا انکار یا کسی اور کے فرشتے ہونے کا انکار کرنا تو اگر منکر و متکلّم اس بارے میں ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں ہے چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور اگر عوام الناس میں سے ہو تو اس میں چھان بین کرنے سے باز رکھنا چاہیئے، پھر اگر دوبارہ کرے تو تادیب کرنی چاہیئے، اس لئے کہ اس معاملہ میں ان کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے اور سلف رحمہم اللہ نے تو ایسے امور میں بحث و کلام کرنے کو علماء کے لئے مکروہ جانا ہے جن سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بھلا پھر عوام کس گنتی میں۔

آٹھویں فصل

تحقیر و استخفاف قرآن کا حکم

خبر دار رہنا چاہیئے کہ جو کوئی قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس کے کسی جز کا استخفاف کرے یا ان دونوں کو گالی دے یا سب کا انکار کرے یا اس کے کسی جزو کا یا کسی آیت کا انکار کرے یا اس کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی اس میں صراحت کی گئی ہے یا کسی ایسی شے کو ثابت کرے جس کی اس نے نفی کی ہے یا کسی ایسی شے کی نفی کرے جس کو اس نے ثابت کیا ہے اور وہ اس سے باخبر بھی ہو یا وہ ان امور میں سے کسی امر میں شک کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (۴۱) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (۴۲)﴾

اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔ (حم السجدہ: ۴۱-۴۲)

حدیث: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "بالاسناد" مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے (سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۹، کتاب السنۃ) اور بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جس مسلمان نے کتاب الہی کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے (سنن ابن ماجہ کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۸۴۹) اور اسی طرح جس نے توریت و انجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا

جو اللہ عزوجل کی جانب سے نازل ہوئی ہیں یا وہ ان سے انکاری ہو یا ان کو لعنت کرے یا ان کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے تو وہ کافر ہو گیا۔

اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ قرآن جو روئے زمین میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو مصحف میں مکتوب موجود ہے جو مابین الافتین ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے آخر سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک ہے یہی اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی (جلی) ہے جو ہمارے نبی برحق سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام برحق ہے اور جو کوئی بھی اس میں سے ایک حرف کم کرے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف شامل کرے جو اجتماعی مصحف میں شامل نہیں ہے اور یہ حرف بالاجماع قرآن کا نہ ہو تو قصداً ہر ایسا کرنے والا کافر ہے، اس بنا پر امام مالک علیہ الرحمہ کی رائے ہے کہ جو سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہتان کے ساتھ گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے، اس لئے کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی اور جو قرآن کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ اس امر کو جھٹلا رہا ہے جو قرآن میں ہے اور ابن قاسم علیہ الرحمہ نے فرمایا جو کوئی یہ کہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا تو اسے قتل کر دیا جائے یہی قول عبدالرحمن بن مہدی علیہ الرحمہ ہی کا ہے اور محمد بن سحنون علیہ الرحمہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ "معوذتین کتاب اللہ عزوجل کا جز نہیں ہے"، کہا کہ اس کی گردن ماردی جائے، مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے، اسی طرح ہر وہ شخص جو قرآن کی کسی ایک آیت کو جھٹلائے (اس کی بھی گردن مارنے کا حکم فرمایا)۔

اسی طرح اگر کسی گواہ نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا (تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے) اس لئے کہ یہ دونوں گواہ اس پر متفق

ہوئے ہیں کہ ہر ایک نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی۔

اور ابو عثمان حداد علیہ الرحمہ نے کہا کہ تمام اہل توحید کا اتفاق ہے کہ تنزیل (قرآن کریم) کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے اور ابو العالیہ علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا تو وہ اس سے یہ نہ کہتے کہ جس قرآت میں تو نے پڑھا ہے یوں نہیں بلکہ یہ کہتے کہ میں تو ایسا پڑھتا ہوں، جب یہ بات ابراہیم علیہ الرحمہ (فقیہ) کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ سن لیا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا تو وہ کل قرآن کا کافر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے پورے قرآن سے کفر کیا (مصنف عبدالرزاق کمافی مناہل الصفا للسیوطی) اور اصبغ ابن الفرج علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بعض قرآن کو جھٹلایا تو گویا اس نے کل قرآن کو جھٹلایا اور جس نے اس کو جھٹلایا بلا شبہ اس نے اس سے کفر کیا اور جس نے قرآن سے کفر کیا تو اس نے اللہ عزوجل سے کفر کیا۔

نیز کسی نے قابلی علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہودی سے جھگڑ پڑتا تھا تو اس یہودی نے توریت کی قسم کھائی اس پر اس نے کہا کہ خدا عزوجل توریت پر لعنت کرے اس پر اس کے خلاف گواہی گزری پھر دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے اس سے اس قضیہ کو دریافت کیا تھا تو اس نے کہا میں نے تو یہود کے توریت کو لعنت کی ہے اس پر ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ ایک گواہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے گواہ نے معاملہ کو ایسی صورت میں معلق کر دیا کہ وہ محتمل تاویل بن گیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہود کو ان کی تبدیل و تحریف کے سبب اس توریت کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور اگر دونوں گواہ مجرد توریت کی لعنت کرنے پر متفق ہو جائیں تو تاویل کی راہ تنگ ہو جاتی۔

بلاشبہ فقہائے بغداد نے مع مجاہد علیہ الرحمہ (مشہور قاری) سے اتفاق کیا تھا کہ ابن شبنوذ قاری سے جو کہ بغداد کے قراء کا امام اور بغداد کا ساکن تھا توبہ لی جائے کیونکہ وہ ان حروف شاذہ کی قرأت جو قرآن سے نہیں ہیں خود بھی کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا تھا، چنانچہ سب نے اس سے عہد لیا کہ وہ اس سے رجوع و توبہ کرے اور ایک محضر نامہ تحریر کرایا جس پر اس نے اپنی گواہی وزیر ابوعلی بن مقلہ کے روبرو اس کی مجلس میں ثبت کی، یہ واقعہ ۳۲۳ھ کا ہے اور ان علماء میں جنہوں نے فتوی دیا ابوبکر بہری علیہ الرحمہ وغیرہ بھی تھے۔

ابومحمد بن ابی زید علیہ الرحمہ نے اس شخص کو سزا دینے کا فتوی دیا جو کسی بچہ سے کہے کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے جو پڑھایا اس پر خدا کی لعنت (پھر بطور تاویل) کہا میری مراد اس سے اس کی بے ادبی تھی، قرآن کی بے ادبی کرنا نہ تھا، ابومحمد علیہ الرحمہ نے فرمایا جو شخص قرآن پر لعنت کرے یقیناً اسے قتل کر دینا چاہیئے۔

نویں فصل

اہل بیت نبوی، آل پاک، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گالی دینے کا حکم

حضور سید عالم ﷺ کی اہل بیت اور آپ ﷺ کی آل پاک، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور وہ شخص ملعون ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبر دار میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بلاشبہ اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی جس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ گرفت میں آئے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ ص ۲۸۵)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میرے صحابہ کو گالی نہ دو جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ، فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ عزوجل اس سے نفل قبول فرمائے گا اور نہ فرض اور ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو بلاشبہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو گالی دیں گے، تو تم نہ ان پر نماز پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان سے شادی بیاہ کرنا اور نہ ان کے ساتھ مجالست کرنا، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا، نیز آپ نے فرمایا جو میرے صحابہ کو گالی دے تو اسے پیٹو۔

بلا شبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا آپ ہی کو گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے اور نبی کریم کو ایذا پہنچانا حرام ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے صحابہ کو ایذا دے کر دکھ نہ پہنچاؤ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا وہ میری لخت جگر ہیں، جس سے ان کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھ کو ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن امام مالک علیہ الرحمہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد (قاضی و حاکم) اور دردناک سزا دینا ہے، امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی قتل کر دیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے اسے سزا دی جائے۔

نیز فرمایا جس نے آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دی مثلاً سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا امیر معاویہ یا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم، چنانچہ اگر وہ کہے یہ سب ضلال پر تھے (معاذ اللہ) اور کفر کیا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے جو لوگوں میں گالی مروج ہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب علیہ الرحمہ نے فرمایا جو شیعہ میں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اسے سخت تادیب کی جائے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بغض میں حد سے تجاوز کر جائے تو اسے خوب سخت سزا دی جائے اور بار بار ضرب شدید لگائی جائے اور قید طویل میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے، سوائے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

اور سحنون علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ایک اصحاب نبوی کے ساتھ کفر و انکار کرے مثلاً سیدنا علی مرتضیٰ یا سیدنا عثمان ذوالنورین وغیرہما رضی اللہ عنہم تو اس کو دردناک مار لگائی جائے۔

ابو محمد بن ابی زید علیہ الرحمہ بروایت سحنون علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں جو شخص سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہے کہ وہ کفر و ضلال پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان کے سوا کسی اور صحابی کو اس کے مثل کہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے اور انہوں نے امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کی کہ جو سیدنا ابوبکر ان کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ فرمایا جس نے ان پر تہمت لگائی بلاشبہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور ابن شعبان علیہ الرحمہ انہیں سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب بھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔ (النور:۱۷)

جو شخص اس فرمان الٰہی کے بعد پھر وہی کہے تو بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

ابوالحسن صنقلی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن طیب علیہ الرحمہ نے کہا جب اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اسے بیان فرمایا جو اس ذات باری سبحانہ کی طرف مشرکین عرب منسوب کرتے تھے اللہ عزوجل نے بار بار اپنی تنزیہ و تسبیح فرمائی جیسا کہ فرمایا:

﴿قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ﴾

اور بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ۔ (الانبیاء:۲۶) (اور یہ متعدّد آیات میں مذکور ہے)

اسی طرح اللہ عزوجل نے اسے بھی بیان فرمایا جو منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منسوب کیا تھا چنانچہ فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ ﴾

اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچا کہ ایسی بات کہیں الٰہی پاکی ہے تجھے۔ (النور:۱۶)

چنانچہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے ان کی برات میں بھی اپنی ذات کریم کی ایسی ہی تنزیہ کرتے وقت فرمائی تھی اور یہ امام مالک علیہ الرحمہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے معنی یہ ہیں اللہ عزوجل ہی خوب جانتا ہے کہ بلا شبہ اللہ عزوجل نے ان کو گالی دینے کو اتنا ہی بڑا (جرم) گردانا جتنا کہ اللہ عزوجل کو گالی دینا (جرم) ہے اور یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو گالی دینا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی اور ایذا دینے کو اللہ عزوجل نے اپنی گالی اور ایذا دینے والے کے ساتھ ملایا ہے اور اللہ عزوجل کو گالی دینے والے کا حکم قتل ہے اور یہی حکم قتل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان گزرا۔

کوفہ میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو وہ موسی بن عیسی عباسی (قاضی کوفہ) کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ گالی دیتے وقت کون موجود تھا؟ اس پر ابن ابی لیلی علیہ الرحمہ نے کہا میں موجود تھا تب قاضی کوفہ نے اسے کوڑے (حد قذف) لگوائے اور اس کا سر مونڈھ کر پچھنے لگانے والے کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ (صحابی) پر گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی نذر مانی، اس بارے میں کسی نے ان سے کلام کیا تو جواب دیا چھوڑو کہ میں اس کی زبان قطع کر دوں تا کہ آئندہ پھر وہ کسی صحابی نبی کو گالی نہ

دے سکے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۷ ص ۱۸۰، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۴۴)

ابو ذر ہروی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بدوی لایا گیا جو انصار کی برائی کر رہا تھا فرمایا اگر وہ صحابیِ رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔

(معجم کبیر ج ۱۲، ص ۳۸۳، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۴۵)

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا جو کسی صحابی کی تنقیص کرے تو اس کا فئے میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے فئے یعنی مال غنیمت کی تین قسمیں کی ہیں، فرمایا: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے۔ (الحشر:۸)

﴿وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا (الحشر:۹)

یہ حضرات انصاری ہیں، پھر فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (الحشر:۱۰)

لہٰذا جو ان کی تنقیص کرے تو اس کے لئے مسلمانوں کے مال غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے، کتاب ابن شعبان علیہ الرحمہ میں ہے کہ جو کوئی کسی صحابی کے بارے میں کہے کہ وہ زانیہ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کو حد (قذف) لگائی جائے اور بعض مالکیوں کے نزدیک اس پر دو حدیں ہیں ایک اس صحابی کے سبب دوسرے اس کی ماں کے سبب، لیکن میرے نزدیک یوں نہیں ہے بلکہ وہ شخص اس کی

مانند ہے جو ایک جماعت پر ایک کلمہ میں تہمت لگائے (کہ اس پر ایک ہی حد ہے)

ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ ایک تو وہ دوسرے مسلمان کے مقابل صاحب فضیلت میں دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں نیز کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی صحابی کی والدہ پر تہمت لگائے کہ وہ کافرہ ہے تو اس پر تہمت کی حد جاری کی جائے، اس لئے کہ یہ ان کی گالی ہے کیونکہ اگر کوئی ان صحابہ میں سے ان کا لڑکا زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس حق کا دعویدار ہوتا، اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں تو جو کوئی مسلمان مطالبہ کرے گا تو امام و حاکم پر قیام حکم اور ساعت استغاثہ واجب ہے، نیز کہا کہ یہ معاملہ اور لوگوں کی مانند نہیں ہے کیونکہ صحابہ کی حرمت نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور اگر کسی امام و حاکم نے خود سنا اور وہ خود گواہ ہے تو وہی اس پر حد قائم کرنے کا ولی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی دوسری زوجہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی حرم مطہرہ کو گالی دے کر آپ ﷺ کو گالی دیدی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا معاملہ تمام صحابہ کی مانند ہے، لہذا اس پر حد قذف میں کوڑے لگائے جائیں نیز انہوں نے کہا کہ پہلے قول پر کہتا ہوں کہ ابو مصعب علیہ الرحمہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کی جس نے نبی کریم ﷺ کے کسی اہل بیت کو گالی دی تھی کہ اسے خوب مار لگائی جائے جس سے اسے تکلیف ہو اور اس کی توبہ ظاہر ہو اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے اور ابو مطرف شعبی علیہ الرحمہ فقیہ مالقہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے رات کے وقت عورت سے حلف لینے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنہ کی صاحبزادی بھی ہو تو دن ہی میں ان سے بھی حلف لیا جاتا اور بعض ان لوگوں نے جو فقیہہ کہلاتے ہیں اس کے اس قول کی تصویب کی تھی مگر ابوالمطرف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا اس موقع پر ذکر کرنا (استخفاف ہے) لہذا اس پر ضرب شدید اور قید طویل واجب اور وہ فقیہہ جس نے اس کے اس قول کی تصویب کی تھی وہ اس قابل ہے کہ فقیہ کے بالمقابل اسے فاسق کہا جائے پھر وہ ان کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس کو خوب جھڑکا اور آئندہ اس کا فتوی اور اس کی شہادت ناقابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کا اس میں مجروح ہونا اور بغض فی اللہ ہونا ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمران علیہ الرحمہ ایک شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کہا اگر میرے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شہادت دیں (تو کیا ہے) تو اس سے اس نے ان کی شہادت مراد لی ہے، یعنی یہ ایسی شہادت ہے جو مثل ایک شہادت کے ہے جو اس معاملہ میں ایک پر حکم دینا جائز نہیں تو اس کہنے اور مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے اس کے سوا کچھ اور مراد لیا مثلاً تنقیص و اہانت وغیرہ تو اسے خوب مار لگائی جائے، یہ کہ وہ ادھ موا ہو جائے، اسے از راہ روایت و حکایت بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جس تحریر کا ارادہ کیا تھا اس میں ہمارے کلام کی یہاں انتہا ہے اور ہماری وہ غرض بھی پوری ہو گئی جس کا ہم نے قصد کیا تھا اور وہ شرط بھی مکمل ہو گئی جو ہمارا مدعا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ اس کی ہر قسم خواہش مند کے لئے صاف صاف ہو اور ہر باب مقصود میں بطریقہ حجت واضحہ ہو۔

بلاشبہ میں نے اس میں وہ نکات نادرہ بیان کئے ہیں جو نہایت عجیب و غریب اور بدیع ہیں اور میں نے وہ اسلوب تحقیق اختیار کیا ہے جو اس سے پہلے اکثر تصانیف میں پسند کیا گیا، جسے بکثرت فصلوں میں ودیعت کیا گیا ہے، مجھے وہ شخص نہایت ہی محبوب ہوتا اگر وہ مجھ سے پہلے اس کلام کو شرح و بسط کے ساتھ

جمع کرتا ہوا یا کوئی ایسا مقتداء ور ہنما میسر آتا جو ایسے ارشادات سے مجھے فائدہ پہنچاتا تاکہ اس کی روایت پر اپنی روایت کو محمول کر لینا کافی ہوتا جسے میں بیان کر کے خود متکفل ہوا ہوں۔

اور اللہ عزوجل ہی سے میری التجا ہے کہ وہ میری اس چیز کو قبول اور اپنی رضا کے ساتھ خاص فرمائے، جس کے ساتھ اس نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو اس میں بناوٹ اور تصنع ہے اسے معاف فرمائے اور اپنے جمیل کرم و عفو سے ہمارے لئے اسے بخش دے، اس لئے جو کچھ ہم نے اس میں قلمبند کیا ہے وہ تیرے برگزیدہ اور حامل وحی احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کی شرافت و بزرگی میں ہے اور آپ ﷺ ہی کے فضائل حمیدہ کے تتبع کے لئے آنکھوں کو بیدار رکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کے خصائص جلیلہ اور وسائل قویہ کے اظہار و بیان کے لئے اپنے دل و دماغ سے کام لیا ہے اور ہمارے تن من کو اپنی بھڑکتی ہوئی آگ سے مامون و مصون رکھے، اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ کی عزت و کرم کی حمایت کی ہے۔

اے خدا ہم کو اس زمرہ صنحاء میں شامل فرما جو حضور ﷺ کے حوض سے نہ دور کئے جائیں گے جب کہ دین میں تغیر و تبدل کرنے والے وہاں سے دھتکارے جائیں گے۔

اے خدا ہمارے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو اس کتاب کی کتابت (شائع) کرے اور اس سے فیض حاصل کرے ایسا سبب اور ذخیرہ بنادے جو ہم کو اس کے اسباب موصلہ کی جانب واصل کر دے، جسے ہم اس دن پائیں جس دن ہر جاندار اپنے عمل خیر کو موجود پائے گا، اس سے ہم تیری رضا کے طلب گار ہیں اور تیرے اجر کے خواہش مند اور ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت کے زمرہ میں خاص فرما اور ہمارا حشر جماعت اولی اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جو حضور ﷺ کی شفاعت سے محفوظ و مامون دروازے والے ہیں، آمین۔

ہم اللہ عزوجل کی حمد اس پر کرتے ہیں کہ اس نے کتاب کے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جن حقائق کو ہم نے اس میں درج کیا ہے ان کے ادراک وفہم کے لئے ہماری بصیرت کو منکشف فرمایا اور ہم اللہ عزوجل کے ساتھ ایسی دعا سے جو مسموع نہ ہو اور ایسے علم کے جو نفع نہ دے اور ایسے عمل سے جو قبول نہ کیا جائے پناہ مانگتے ہیں، وہ بڑا ہی بخشش والا ہے کہ کسی امیدوار کو نامراد نہیں رکھتا اور جسے وہ رسوا کرے اس کا کوئی حامی وناصر نہیں، وہ طالبین کی دعا کورد نہیں کرتا اور نہ وہ مفسدوں کے عمل کی اصلاح کرتا ہے۔

وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمُ الْوَكِيْلُ وَصَلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .بِحَمْدِهٖ تَعَالٰى وَإِحْسَانِهٖ.

تمت بالخیر

بعونه تعالی و بکر مہ ترجمہ کتاب مستطاب

الشفاء بتعریف حقوق المصطفی(صلوات اللہ عزوجل وسلامہ علیہ)

مسمی باسم تاریخی

نعیم العطاء في حدیث المجتبی(۱۳۷۹ھ)

آج بتاریخ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ بروز سہ شنبہ بعد نماز عشاء ۹ بجے اختتام پذیر ہوا، الحمد والمنة مولی سبحنة وتعالی اپنے فضل وکرم سے اسے مقبول اور مفید عام وخاص فرمائے اور ہمارے لئے حضرت علامہ صاحب تصنیف ہذا قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی دعا کو قبول فرمائے، میرے اور میرے والدین، مشائخ و اساتذہ بالخصوص سیدی و استاذی، مرشدی و مولائی صدر الافاضل استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت مولانا مفتی حکیم حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب جلالی مراد آبادی قدس سرہ السامی کو اس کے اجر و ثواب سے بہرہ یاب کرے، آمین۔

بِجَاهِ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَوَاتُ اللهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ آمِيْنَ، يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

غلام معین الدین نعیمی

سواد اعظم لاہور

MUSTAFAWI
PUBLISHING